DATE LABEL

[illegible]

چنگیز خان بدھ مت کا پیرو تھا اور دوسرا زمانہ
کا یہ چھٹی صدی ہجری میں کہا جاتا ہے

ہے

پاسباں مل

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانہ سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

۴.۲.۵

سفینۂ ادب

یعنی

فارسی زبان کا نصاب

جس کو

سینٹ پنجاب یونیورسٹی نے امتحان انٹرمیڈیٹ
کے لئے مقرر فرمایا

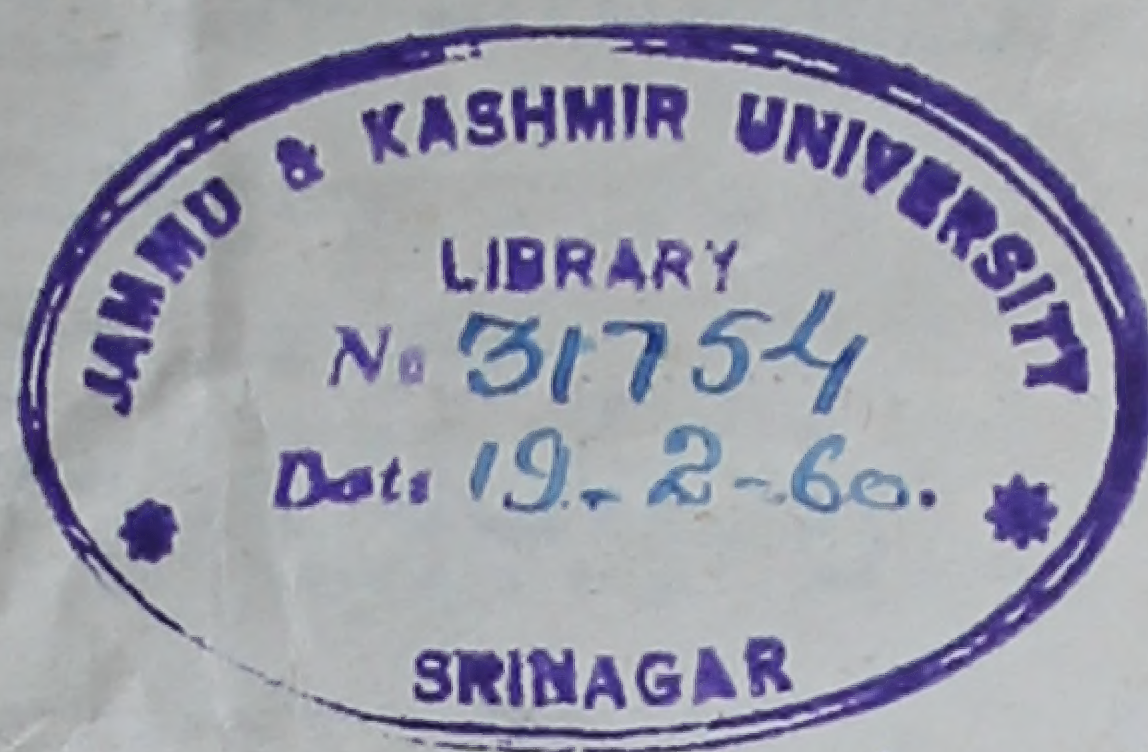
مرتبۂ

(خان صاحب) فضل حق (ایم - اے، پی - ای - ایس)
گورنمنٹ کالج لاہور

حسب الحکم صاحب رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی

باہتمام لالہ موتی رام مینیجر مفید عام پریس واقع چیٹرجی روڈ لاہور میں چھپا
اور
رائے بہادر لالہ ایشور داس صاحب رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی نے کچہری روڈ لاہور
سے شائع کیا
۱۹۳۹ء

طبع اوّل　　تعداد ۸۰۰۰　　قیمت


JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No 31754
Date 19-2-60.
SRINAGAR

فہرستِ مضامین حصۂ نثر

فہرستِ مضامین حصۂ نظم

دیباچہ

سفینۂ ادب اُن انتخابات کے مجموعے کا نام ہے۔ جو پنجاب یونیورسٹی نے انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں بطور نصاب مقرر کئے ہیں اور یونیورسٹی کی قرار داد کے مطابق صرف فارسی متن (صفحہ ۱۷۰ تا آخر) داخلِ نصاب ہے۔

متن کے سولہ صفحے حسب قرار داد بورڈ آف سٹڈیز نسخ ٹائپ میں چھپوائے گئے ہیں تاکہ طلبہ اُس خط سے مانوس ہوسکیں جس میں امتحانی پرچے چھپتے ہیں۔

ابتدا میں شعراء و مصنّفین کے سوانح حیات بھی اُردو میں مختصراً دئے گئے ہیں اِس کے علاوہ ’رموز و اوقاف‘ کی وجہ سے جو طلبہ کی سہولت کے لئے دئے گئے ہیں، کتابت میں قدرے وسعت ہوگئی ہے اور کتاب کا حجم قدرے زیادہ ہوگیا ہے۔

گورنمنٹ کالج لاہور
فضلِ حق

اخلاق محسنی

حسین الواعظ الکاشفی ۔ کمال الدین حسین بن علی الواعظ الکاشفی، بیہق میں پیدا ہوئے۔ اور عمر کا بیشتر حصہ ہرات میں بسر کیا۔ سلطان حسین بیقرا اور اُس کے وزیر میر علی شیر ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ اُن کا انتقال سنہ ۹۱۰ھ میں ہوا +

آپ بحیثیت واعظ بہت مقبول تھے۔ لیکن ان کی نثر کی بعض کتابیں ان کے لئے بقاے دوام کا باعث ہوئیں۔ تفسیر مواہب علیہ (جو تفسیر حسینی کے نام سے بہت مشہور ہے)، جواہر التفسیر، انوار سہیلی، مخزن الانشا۔ روضۃ الشہدا۔ اخلاق محسنی اور فتوت نامہ آپ کی معنوی یادگاریں ہیں +

اخلاق محسنی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، علم اخلاق کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اس کا اخلاق ناصری اور اخلاق جلالی کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں ہوسکتا، تاہم بلحاظ قدر و قیمت، باعتبار سادگی زبان اور بحیثیت اختصار اِس کا مقام بھی علم اخلاق کی فارسی کتابوں میں بہت بلند ہے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب عوام اور متوسط درجے کے علما میں بہت مقبول رہی ہے +

گنج دانش

اس کا مصنف محمد تقی خاں المتخلص بہ حکیم پسر ہادی خاں اُمرا و فضلاے عہدِ قاچار میں سے تھا۔ امیر الشعرا رضا علیخاں کا دختر زادہ تھا۔ ناصر الدین کے عہد میں اس کا لقب معتمد الدولہ تھا۔ اور مختلف مناصب پر فائز رہ کر فرائض سرانجام دیتا رہا۔ ایک وقت میں طہران کے عجائب خانہ اور شاہی کتب خانہ کا انچارج تھا۔ سنہ ۱۲۵۸ھ میں اس نے یہ کتاب گنج دانش ایران کے مشہور شہروں کے حالات پر بطور جغرافیکل انسائکلوپیڈیا لکھی۔ اس کے علاوہ مفصلۂ ذیل کتابیں بھی اُس نے لکھیں۔ جنت السلاطین۔ رضوان الملوک۔ کنز الدّرر۔ مجمع الدّرر۔ مسلک السالکین۔ الغرض یہ

اپنے زمانہ کے مشہور مؤرخین میں سے تھا +

تزک بابری

تزک بابری جو 'واقعات بابری' کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ ظہیر الدین بابر بادشاہ کی خود نوشت سوانح عمری ہے۔ یہ بات خاندانِ تیموریہ کے سلسلے میں بہت تعجب انگیز اور دلچسپ ہے۔ کہ اس کے بہت سے افراد نے اپنی زندگی کے احساسات کو جنگوں اور معرکوں سے ذرا بھی فرصت ملنے پر، قلمبند کیا۔ چنانچہ تیمور[له]، بابر، جہانگیر کی تزک کا حال سب کو معلوم ہے۔ علم و فضل کی قدر دانی کے علاوہ اس خاندان کے اکثر بادشاہ اور شاہزادے خود بھی زیورِ علم سے آراستہ تھے۔ چنانچہ سلطان حسین، مرزا الغ بیگ، مرزا کامران، ہمایوں، جہانگیر، گلبدن بیگم، جہاں آرا بیگم، داراشکوہ، عالمگیر اور نگ زیب اور بہت سے اور افراد اس حیثیت سے کسی تعریف کے محتاج نہیں +

بابر کی روزانہ یادداشتوں کا مجموعہ جو تزک بابری یا واقعات بابری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دراصل چغتائی ترکی میں تھا۔ جس کا فارسی ترجمہ سنہ ۹۹۸ھ میں میرزا عبدالرحیم خانخاناں نے اکبر کے زمانے میں کیا۔ میرزا عبدالرحیم بن بیرم خاں، امرائے اکبری میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ وہ نہ صرف تلوار کے دھنی اور رزم کے مرد میدان تھے، بلکہ بزم شعر و سخن کے صدر نشین اور شعرا اور دیگر اربابِ ذوق کے قدر دان بھی تھے، ان کی پیدائش سنہ ۹۶۴ھ میں ہوئی اور انتقال سنہ ۱۰۳۶ھ میں عہد جہانگیری میں ہوا +

تزک بابری کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے جو ڈاکٹر لیڈن نے

له ڈاکٹر ریو کا خیال ہے کہ تیمور کی تزک جعلی ہے کیونکہ سب سے پہلے شاہ جہان کے زمانے میں ایک شخص ابو طالب حسینی نے اس کا سراغ لگایا۔ بہرحال آج ہمارے پاس ایک کتاب 'تزک تیموری' کے نام سے موجود ہے +

شروع کیا تھا۔ اور ولیم ارسکائن (William Erskine) نے مع مفید حواشی، اور قابل قدر دیباچہ کے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ۱۸۲۶ء میں بمقام لنڈن شائع کیا۔ یہ ترجمہ چار جلدوں میں ہے ۔

تزک بابری موجودہ حالت میں فارسی میں ہے۔ اس لئے اصل ترکی نسخہ کی زبان اور سٹائل کے متعلق کوئی رائے ظاہر کرنا بے سُود ہے۔ لیکن اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کتاب کے مضامین سے بابر کے علمی ذوق، اس کے ناقدانہ تبصرے، زندگی کے مختلف پہلوؤں کا گہرا مطالعہ، ماحول کی جزئیات سے دلچسپی اور قدرت کے مناظر اور فطرت کے حُسن سے عام وابستگی کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ نیز ڈاکٹر بسان کے اِس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ "تیموری خاندان کے افراد شجاعت اور آرٹ کے حُسنِ ذوق کا عجیب مجموعہ تھے" ۔

کلِیلہ دِمنہ بہرامشاہی

کلِیلہ دِمنہ دُنیا کی اُن خوش قسمت کتابوں میں سے ہے، جو جس ملک اور جس قوم میں پہنچی، بہت مقبول ہوئی۔ پروفیسر براؤن کا خیال[ف] ہے کہ کہ یہ در اصل ہندوستان کی تصنیف تھی، چھٹی صدی عیسوی میں کسریٰ نوشیروان کے عہد میں ایران پہنچی۔ اِس کا پہلوی زبان میں ترجمہ ہُوا۔ پھر سُریانی زبان میں منتقل ہوئی۔ اور بالآخر ابن المقفّع نے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کا خیر مقدم صرف یہیں ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ دُنیا کی بہت سی زبانوں نے اُسے اپنے دائرہ میں عزّت کی جگہ پر بٹھایا ہے ۔

کلِیلہ دِمنہ بہرامشاہی، ابن المقفّع کے عربی ترجمہ کی ابتدائی شکل ہے جو غزنی کے ایک بادشاہ بہرام شاہ کے نام سے منسوب ہے۔ جس کی سلطنت کا زمانہ ۵۱۲ھ / ۱۱۱۸ء سے غالباً ۵۴۸ھ / ۱۱۵۴ء تک تھا۔ فارسی مترجم کا نام نظام الملک ابو المعالی نصر اللہ بن محمد بن عبد الحمید ہے۔ یہ خسرو ملک (بن بہرام شاہ) کے وزیر تھے اور ہفت اقلیم کے مصنّف کے بیان کے مطابق، اپنے زمانے

ف Literary History of Persia Vol. 2, P. 350

میں بہت عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے +

ہفت اقلیم میں یہ بھی لکھا ہے کہ کلیلہ دِمنہ فارسی کی نثر کی کتابوں میں یکتا اور بےمثل مانی جاتی ہے۔ تاریخ وصّاف کے مصنّف نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔ یہ کتاب ۱۸۸۷ء میں بمقام طہران چھپ چکی ہے +

پروفیسر براؤن فرماتے ہیں کہ اس کتاب کا سٹائل انوارسہیلی کے مقابلے میں کم دُشوار ہے۔ اگرچہ مؤخّرالذّکر کو شہرت زیادہ حاصل ہے +

لطائف الطوائف

مصنّف کا نام علی بن حُسین الواعظ الکاشفی اور تخلّص صفی تھا۔ یہ حُسین واعظ کاشفی مصنّف اخلاق محسنی کے فرزند تھے۔ اور والد بزرگوار کے راہگرائے عالمِ بقا ہونے کے بعد، ہرات میں اُسی حیثیت سے قیام پذیر ہوئے۔ اُن کی وفات ۹۳۹ھ میں ہوئی +

لطائف الطوائف، کہانیوں اور لطیفوں کا مجموعہ ہے جسے عمر کے آخری برس میں ہمارے مصنّف نے ترتیب دیا +

اس کے علاوہ اِس صفی نے 'رشحات عین الحیات' کے نام سے نقشبندی سلسلہ کے صوفیوں کا ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔ جو اِن کی سب تصانیف میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اُنھوں نے ایک مثنوی بھی لکھی جس کا نام محمود وایاز ہے +

صفی کا سٹائل اپنے بلند مرتبہ باپ کے سٹائل سے بہت کچھ ملتا جُلتا ہے۔ لیکن دُنیاے ادب میں جو مقبولیت باپ کو حاصل ہوئی بیٹے کو اُس کا معمولی حصّہ بھی نصیب نہیں ہوُا +

نگارستان

مصنّف کا نام ابن محمد احمد المشہور قاضی احمد غفّاری تھا جو نظم و نثر میں اعلےٰ پایہ کا ادیب تھا۔ نام کی نسبت اپنے نامی مورثِ اعلےٰ "امام نجم الدین

عبدالغفار قزوینی" کے نام پر ہے جس کی وفات ۶۶۵ھ میں واقع ہوئی۔ باپ کا نام قاضی محمد غفّاری تھا جو رَے کا قاضی تھا۔ اس نے ایک نظم "وصالی" کے نام سے لکھی اور ۹۳۳ھ میں وفات پائی۔ مصنف موصوف نے ایک اور مشہور و معروف کتاب موسوم بہ "جہاں آرا" بھی لکھی۔ آخرکار ۹۷۵ھ میں مکہ معظمہ کے حج کی واپسی پر دیبل (سندھ) بندرگاہ میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر ہمیشہ کے لئے پیوست خاک ہؤا +

مجلّۂ مہر

ایران جدید کا ادبی اور سیاسی ماہانہ رسالہ ہے۔ جو پانچ چھ سال سے آقاے مجید موقر مدیر روزنامہ "ایران" و "مہرگان" کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ ایران کے بہترین جرائد میں سے ہے۔ یہ مضمون "جشن مہرگان" ادیب معاصر ذبیح اللہ صفا کی تحقیقات کا نتیجہ ہے +

منتخبُ التواریخ بدایونی

اس کا مصنّف عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی المتخلص "قادری" ۹۴۸ھ میں بمقام بدایوں پیدا ہؤا۔ ۹۶۹ھ میں اپنے والد کی وفات پر شیخ مبارک ناگوری کی شاگردی میں زانوے ادب تہ کیا۔ اگرچہ اپنے اُستاد کے دو نامی بیٹوں فیضی اور ابو الفضل سے نہایت گہرے تعلقات تھے تاہم مذہبی تعصب کی بنا پر اُن کی وفات کے بعد اُنھیں کافر قرار دینے میں ذرا بھی تامّل نہ کیا۔ ۹۸۱ھ میں اسے اکبر کے دربار میں پیش کیا گیا اور درباری علما کی فہرست میں شمار ہؤا۔ علاوہ دیگر کام کے اس نے مہابھارت اور رامائن کا بھی ترجمہ کیا۔ ۹۹۹ھ میں تاریخ کشمیر کی تکمیل اکبر بادشاہ کے حکم پر کی منتخب التواریخ کا کام اپنے دوست "طبقات اکبرشاہی" کے مصنف نظام الدین احمد کی وفات کے بعد صفر

۱۰۳۱ھ میں شروع کیا۔ اور جمادی الثانی ۱۰۴۰ھ میں مکمل کر دیا۔ مگر اپنی حین حیات میں اسے پوشیدہ رکھا۔ البتہ اُس کی وفات کے بعد اُس کا یہ کام مولوی احمد علی کے ہاتھوں ترتیب پاکر عوام تک پہنچا +

ناصر خسرو

ابو معین ناصر بن خسرو القبادیانی، المروزی، ۳۹۴ھ میں پیدا ہوا اور ۴۸۱ھ میں اس کا انتقال ہوا +

جس زمانے میں ابو سلیمان چغری بیگ، خراسان کا حاکم تھا۔ اُس نے ایک خواب کی بنا پر ملازمت کو ترک کر دیا۔ اور حج کے ارادے سے مکہ کی طرف چل پڑا۔ چنانچہ نیشاپور، دامغان، رَے، قزوین، تبریز وغیرہ سے ہوتے ہوئے ۴۴۲ھ میں منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ حج سے فراغت کے بعد وہ مختلف مقامات کی سیر کرتا ہوا ۴۴۴ھ میں واپس مرو میں آگیا +

یہی سفر نامہ بعض اوقات غلطی سے "زاد المسافرین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ حکیم ناصر خسرو کے سفر نامہ سے مختلف چیز ہے نظم میں ہے +

تحفۃ الحبیب فخری

یہ فارسی کے مختلف شعرا کی ہم قافیہ اور ہم وزن غزلیات کا بہت قابل قدر مجموعہ ہے۔ جو شاہ طہماسپ صفوی کے زمانے کے ایک شاعر اور قصیدہ نگار "فخری سلطان محمد بن امیری" کا مرتب کردہ ہے +

فخری نے یہ مجموعہ "وزیر حبیب اللہ" کے نام سے منسوب کیا ہے جو دُرمش خاں حاکمِ خراسان (۹۲۷ھ) کا وزیر تھا +

اسی مصنف کا ایک اَور مجموعہ بھی ہے جس کا نام "بُستان الخیال" ہے۔ "لطائف نامہ" کے نام سے میر علی شیر کے ایک تذکرہ کا (جو ترکی میں تھا) فارسی میں ترجمہ بھی موجود ہے +

اس مجموعہ سے جن شعرا کی غزلیات لی گئی ہیں۔ اُن کے مختصر حالات دئے جاتے ہیں +

سعدی شیرازی ۔ مُشرّف الدین بن مصلح الدین (المتوفی ۶۹۱ھ) نام۔ سعدی تخلّص۔ سعد بن زنگی کے نام کی رعایت سے اختیار کیا۔ یہ بادشاہ فارس کے اتابکوں میں سے تھا اور اس کا انتقال ۶۲۳ھ میں ہوا+ سعدی کا وطن شیراز تھا۔ ان کی زندگی کے بعض حالات کے متعلق بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم اس قدر ضرور اتفاق ہے کہ اُنھوں نے تعلیم کے ابتدائی دَور کے بعد' دُنیا کے مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کی۔ چنانچہ اپنی کتابوں میں اُنہوں نے بہت سے مواقع پر اپنے تجربات لکھے ہیں۔ جن میں سے بعض کے متعلق محققین کی رائے ہے کہ وُہ صحیح نہیں بلکہ محض خیالی ہیں +

سعدی کی بہت سی کتابیں ہیں۔ جن میں سے ہر ایک فارسی ادبیات کی مقبول ترین تصانیف میں سے ہے۔ نثر میں گلستاں اور نظم میں بوستاں (جو مثنوی ہے) اور غزلیات اپنی شیرینی، عالمگیر اخلاقی اصول کی تبلیغ اور سادگی اور رنگینی کی آمیزش کے لئے ہمیشہ ہمیشہ اہلِ ذوق سے خراج تحسین حاصل کرتی رہینگی+

سعدی نے فارسی غزل کو ایک صنف بنا دیا۔ جو واقعیّت اور حقیقت سعدی کے کلام میں ملتی ہے۔ وہ بعد کے شعرا کے کلام میں تقریباً مفقود ہے[۱] +

انوری ۔ اوحدالدین انوری مہنہ میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ منصوریہ طوس میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد سلطان سنجر کے درباریوں اور قصیدہ نگاروں میں شامل ہو گئے۔ انوری کے بیشتر قصائد اِسی بادشاہ کی مدح میں ہیں +

کہتے ہیں کہ انوری نے ۵۸۱ھ میں سبعہ سیارہ کے انطباق اور اُس کے نتیجہ کے طور پر بہت بڑے زلزلوں اور طوفانوں کی پیشگوئی کی تھی جو

---

[۱] سعدی کے مفصل حالات کے لئے مولانا حالی کی کتاب 'حیاتِ سعدی'۔ مولانا شبلی کی 'شعر العجم'۔ پروفیسر براؤن کی 'تاریخ ادبیات ایران' جلد سوم ملاحظہ ہو +

بدقسمتی سے پوری نہ ہوئی۔ اس پر لوگوں کی ملامت سے بھاگ کر پہلے نیشاپور اور پھر بلخ میں عزلت گزینی اختیار کی ٭

انوری کا انتقال ۵۸۷ھ میں ہؤا۔

دُنیا انوری کو سب سے زیادہ اس کے قصیدہ اور ہجو کی وجہ سے جانتی ہے۔ اگرچہ اس کے قصاید میں شوکتِ الفاظ اور تخییل کی بلندی اور گہرائی ویسی نہیں جیسی قصاید خاقانی میں ہے۔ تاہم بعض محققین کے خیال میں خاقانی کے پہلو بہ پہلو جگہ حاصل کرنے کے لئے انوری سے زیادہ اَور کوئی مستحق نہیں ٭

مولانا شبلی لکھتے ہیں "انوری کا اصلی مایۂ فخر ہجو ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر ہجو کی کوئی شریعت ہوتی۔ تو انوری اس کا پیغمبر ہوتا" ٭

انوری علوم عربیہ میں کمال رکھتا تھا۔ اور نجوم میں دستگاہ حاصل تھی ٭

پروفیسر والن ٹن ژوکوسکی نے ۱۸۸۳ء میں بمقام سینٹ پیٹرزبرگ انوری کے کلام اور اس کی سوانح عمری پر ایک نہایت قابل قدر کتاب لکھی ہے

عرفی شیرازی۔ محمد جمال الدین عرفی، زین الدین ملوی کا بیٹا تھا۔ اس کا باپ شیراز میں ایک معزز عہدے پر ممتاز تھا۔ ابتدائی تعلیم شیراز میں ہوئی۔ اور علاوہ معمولی علوم کے مصوری اور نقاشی میں بھی تعلیم پائی۔ اگرچہ ایران میں شاہ طہماسپ اور شاہ عباس کی علمی فیاضیاں کچھ کم نہ تھیں لیکن عُرفی کے لئے ہندوستان کی کشش کچھ زیادہ جاذب توجہ ثابت ہوئی۔ وہ اکبر کے زمانے میں ہندوستان آیا اور فتح پور سیکری میں فیضی سے ملا۔ اگرچہ ان دونوں کے تعلقات کچھ دیر تک خوشگوار نہ رہے۔ تاہم فیضی ہی کی وساطت سے عرفی کا امرائے اکبری سے تعارف ہؤا۔ حکیم ابوالفتح گیلانی کی ملاقات نے عرفی کے شاعرانہ جوہر کو بہت چمکایا۔ اور اُس کے مرنے کے بعد، اس نے اپنے آپ کو خانخاناں کے درباریوں میں شامل

کرلیا۔ عُرفی نے اکبر اور شاہزادہ سلیم کی مدح میں بھی بہت سے قصاید لکھے ہیں۔ اور اگرچہ وہ نہایت آزاد اور خوددار تھا۔ پھر بھی بادشاہ وقت سے کہاں بے نیازی، ہوسکتی تھی +

عُرفی کا انتقال ۹۹۹ھ میں ہؤا۔ پہلے لاہور میں دفن ہؤا پھر اُس کی ہڈیاں لاہور سے نجف پہنچیں اور وہاں سپرد خاک کردی گئیں +

عُرفی کی طبیعت میں خودستائی کا مادہ بہت تھا اور اس کے اچھے اچھے دوست بھی اس کے غرور سے نالاں تھے۔ حاضرجوابی اور ظرافت میں بھی بے مثل تھا۔ لیکن یہ بات بے حد قابل ستائش ہے کہ اُس نے کسی کی ہجو میں اشعار نہیں لکھے +

اُن کی تصنیفات یہ ہیں:۔

(۱) نفسیہ (رسالہ نثر در تصوّف)۔ (۲) مثنوی بجواب مخزن الاسرار (۳) مثنوی بجواب شیریں وخسرو۔ اور (۴) کلیات قصاید و غزلیات +

عُرفی مثنوی اچھی نہیں کہ سکتا تھا۔ لیکن قصیدہ اور غزل میں ایک طرز خاص رکھتا تھا۔ چنانچہ معاصرین کے علاوہ عہد موجودہ میں بھی اہل علم اِس کے کلام کو اکثر شعرا پر ترجیح دیتے ہیں۔ قصیدہ میں تخیل کی بلندی اور غزل میں فلسفہ آمیز تشریحِ حیات اس کی خصوصیّات میں سے ہے +

فرخی ۔ علی نام، ابوالحسن کُنیت، سیستان وطن، باپ کا نام قلوغ تھا جو حاکمِ سیستان امیر خلف بن احمد کے درباریوں میں سے تھا۔ بچپن میں موسیقی کی تعلیم پائی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ شعروشاعری کا بھی بچپن سے شوق تھا +

وہ سب سے پہلے ابوالمظفر چغانی حاکم بلخ کے پاس آیا اور پھر اُس کی وساطت سے سلطان محمود کے دربار میں رسائی ہوئی

اور بادشاہ کے شعراے خاص میں سے ہوگیا +

فرخی نے ایک کتاب صنائع و بدائع کے متعلق بھی لکھی ہے جس کا نام 'ترجمان البلاغہ' ہے +

فرخی نے ۴۲۹ھ میں وفات پائی +

فرخی کے کلام میں صفائی، سلاست اور روانی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ اُس نے واقعہ نگاری کو بہت ترقی دی ہے۔ اور صنائع بدائع کے استعمال سے بھی اپنے اشعار کو آراستہ و مزیّن کیا ہے +

محتشم کاشی ۔ محتشم، کاشان کا رہنے والا تھا۔ اس کا تعلّق شاہ طہماسپ صفوی کے دربار سے تھا۔ مجمع الفصحا میں لکھا ہے کہ وہ نوجوانی کے زمانے میں غزلیات لکھا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں اُس نے مرثیہ اہل بیت کی طرف توجّہ کی۔ اس کی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ شاہ طہماسپ قصیدہ گوئی کو حقیقت کے خلاف خیال کرتا تھا اس رجحانِ طبع کو دیکھ کر محتشم نے 'ہفت بند' کے نام سے اہل بیت کا مرثیہ لکھا۔ بقول بعض یہ مرثیہ بارہ بندوں میں تھا۔ جس کی بہت شہرت ہوئی۔ بہت سے شعرا نے اس کی پیروی کی اور یہ ایک عام صنفِ شاعری بن گئی۔ محتشم کا ایک دیوان غزلیات بھی ہے +

اس کا انتقال ۹۹۶ھ میں ہؤا +

فردوسی طوسی ۔ فردوسی کا اصل نام ابوالقاسم حسن (یا منصور) تھا۔ وہ شاداب (طوس) میں ۳۲۰ھ میں پیدا ہؤا +

فردوسی نے زندگی کے ۳۵ برس شاہنامہ کے لکھنے میں صرف کئے۔ جس کا کچھ حصّہ اُس نے طوس میں اور بیشتر سلطان محمود غزنوی کے دربار میں لکھا۔ اس کی تکمیل ۴۱۱ھ میں ہوئی۔

فردوسی کی وفات ۴۱۱ھ میں ہوئی۔ (اگرچہ بعض لوگوں کی رائے میں اس کا سنِ وفات ۴۱۶ھ ہے) +

فردوسی کے دربار غزنی میں پہنچنے کے متعلق ایک دلچسپ روایت بیان کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں۔ فردوسی جب غزنی میں آیا تو چلتا پھرتا ایک باغ میں جا نکلا۔ اتفاق سے وہاں عنصری، فرّخی، عسجدی (درباری شعرا) موجود تھے۔ اُنہوں نے فردوسی کو مداخلت بے جا سے روکنے کے لئے ایک ترکیب نکالی اور وہ یہ تھی کہ ایک مصرع پیش کیا اور کہا کہ یہ شاعروں کی مجلس ہے اس میں بجز شاعروں کے اَور کوئی نہیں آ سکتا۔ اگر تم بھی شاعر ہو تو اِس پر ایک مصرعہ لگاؤ۔ غرض چاروں نے اپنے اپنے مصرعے پیش کئے۔ کہتے ہیں کہ فردوسی کا مصرعہ سب سے عمدہ تھا۔ اس لئے کہ اِس میں ایرانِ قدیم کی بعض تلمیحات تھیں ؞

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے درباریوں میں سے ایک شخص 'ماہک' کے ذریعے فردوسی کی دربار میں رسائی ہوئی تھی +

بہرحال فردوسی شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت پر مامور ہؤا اگرچہ وہ اِس سے پہلے ہی طوس میں بعض اکابر کے کہنے سے اس کی داغ بیل ڈال چکا تھا +

فردوسی کی زندگی میں سب سے نمایاں واقعہ یہ ہے کہ شاہنامہ جب ختم ہو گیا۔ تو بادشاہ کی طرف سے اس کا صلہ نہ ملا۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ "یہ واقعہ عموماً مسلّم ہے۔ لیکن اسباب مختلف بیان کئے گئے ہیں اور سب متناقض ہیں۔" جدید تحقیقاتِ علمی نے جو نئے واقعات اور اسباب دریافت کئے ہیں۔ اُن سے سلطان محمود غزنوی اس ناانصافی کے الزام سے بہت حد تک بری الذّمّہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ فردوسی اس سلوک بلکہ بدسلوکی سے بہت شکستہ دل ہؤا۔ اگرچہ سلطان کی طرف سے بعد تلافی مافات کا ارادہ بھی ہؤا۔ لیکن افسوس کہ یہ سب کچھ بے وقت ہؤا +

کہتے ہیں کہ فردوسی نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر ایک ہجو بھی لکھی۔ لیکن پروفیسر شیرانی "تنقید شعر العجم" میں اس سے انکار کرتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ یہ ہجو بعد میں لوگوں نے شاہنامہ میں سے بہت سے اشعار نکال کر تیار کر دی ہے +

شاہنامہ کے علاوہ ایک کتاب 'یوسف زلیخا' بھی فردوسی کی طرف منسوب کی جاتی ہے +

فردوسی نے ایک بیٹی یادگار چھوڑی۔ کہتے ہیں کہ شاہی صلہ جو فردوسی کے عین انتقال کے وقت طوس پہنچا۔ اُس کی بیٹی کو پیش کیا گیا۔ لیکن اُس نے قبول نہیں کیا +

شاہنامہ اُن بلند پایہ کتابوں میں سے ہے جو دُنیا کے بہترین شاہکاروں میں سے خیال کی جاتی ہیں۔ اِسی وجہ سے فردوسی کو مشرق کا ہومر کہا جاتا ہے۔ شاہنامہ جہاں شاعری اور بلاغت کے اعتبار سے بے نظیر ہے، وہاں بلحاظ مضامین اس کی اہمیت اور بلندی خاص طور پر قابل توجّہ ہے۔ یہ در اصل قدیم ایران کی تاریخ اور تمدّن کا ایک مفصّل انسائکلوپیڈیا ہے۔ جس میں ایرانی تہذیب کا اتنا موثر اور صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس کا جواب ملنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانِ جدید میں فردوسی کو ایک زبردست مصلح اور بے نظیر ملت پرست خیال کیا جاتا ہے +

فردوسی کے مختلف ایڈیشن، ترجمے اور خلاصے اتنی زبانوں میں اور اتنی تعداد میں نکل چکے ہیں کہ ان پر تبصرہ کرنا اِس جگہ ممکن نہیں +

مجمع الفصحا ؟

اس کا مؤلّف رضا قلیخاں طبرستانی متخلص بہ ہدایت محمد ہادی خاں کا بیٹا تھا۔ جو ۱۲۱۸ھ میں بعہد فتح علی شاہ طہران میں پیدا ہوا۔ تحصیلِ کمالات محمد شاہ اور ناصر الدین شاہ کے دربار میں پائی۔ مجمع الفصحا دو

جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس میں شاہان وشاہزادگان کے شاعروں کے علاوہ دیگر مشہور ومعروف ایرانی شعرا کے حالات مع انتخاب کلام مندرج ہیں۔ جن کی تعداد سات سو سے زیادہ ہے +

رضا قلیخاں خود شاعری کا شغف رکھتا تھا اور ہدایت تخلص کرتے ہوئے تیس ہزار سے زیادہ اشعار کہہ کر اپنی یادگار میں چھوڑ گیا اس کی غزلیات اور قصاید کے چند نمونے مجمع الفصحا میں بھی پائے جاتے ہیں۔ تکملہ روضۃ الصفا اور لغت انجمن آرا بھی اس کی تالیفات سے ہیں۔ آخرکار ستر سال کی عمر میں ۱۲۸۸ھ کو راہیِ ملکِ بقا ہؤا +

مجمع اللطائف

مظفر حسین سمرقندی ۹۵۲ھ کی حدود میں زندہ تھا۔ اُس نے مختلف عنوانات پر فارسی شعراء کے کلام کا انتخاب کیا ہے۔ جو مجمع اللطائف کے نام سے مشہور ہے +

حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔ ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔اے کیا۔ پہلے اورینٹل کالج لاہور اور پھر گورنمنٹ کالج میں پروفیسر ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں یورپ گئے۔ ۱۹۰۸ء میں واپس آئے۔ ۱۹۲۳ء میں "سر" کا خطاب ملا۔ ۱۹۲۶ء میں پنجاب اسمبلی کے ممبر ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں اُنہوں نے اپنے معرکۃ الآرا مقالات مدراس میں پڑھے۔ جو کتاب کی صورت میں طبع ہو گئے ہیں۔ آپ کا انتقال اپریل ۱۹۳۸ء میں ہؤا۔ تاریخ وفات "محمد اقبال رضی اللہ عنہ"۔ **تصانیف**۔ بانگِ درا۔ بالِ جبریل۔ ضربِ کلیم (اُردو)۔ اسرارِ خودی۔ رموزِ بیخودی۔ زبورِ عجم۔ جاوید نامہ۔ پیامِ مشرق (فارسی)۔ فلسفۂ عجم۔ مدراس لیکچرز۔ Six Lectures (انگریزی) خطبہ الہ آباد۔ خطبۂ لاہور۔ اسلام اور قومیت۔ احمدیت واسلام۔ فلسفہ اقتصادیات (کمیاب ہے)۔ آپ کی آخری تصنیف ارمغان حجاز ہے بعد از وفات شائع ہوئی ہے +

ملک الشعرا مرزا محمد تقی بہار ولد مرزا محمد کاظم ملک الشعرا صبوری ۱۳۰۴ھ میں بمقام مشہد متولد ہوئے۔ ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۲۷ھ تک خراسان کے سیاسی انقلابات میں شرکت کی۔ بلند پایہ سیاسی مقالات و انقلابی اشعار لکھے۔ ۱۳۲۹ھ میں روزنامہ "نوبہار" مشہد میں جاری کیا۔ ایک مجلۂ ادبی "دانشکدہ" کے بھی مدیر ہوئے۔ ایک چھوٹا سا ناول بنام نیرنگ سیاہ یا (کنیزان سفید) لکھا۔ تاریخ سیستان کی تصحیح و تنقیح کی۔ دیوان مشتمل ۲۰ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ جس میں قصائد، غزلیات، مثنویات، رباعیات و قطعات سب موجود ہیں +

مرزا صادق خاں ادیب الممالک (امیر الشعراء) ۔ تخلص امیری پسر مرحوم الحاج مرزا حسین ۱۲۷۷ھ میں گازران کے گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۱۶ھ میں ریاست مدرسہ لقمانیہ تبریز کی نیابت پر مقرر ہوئے روزنامہ "ادب" اسی سال میں شائع کیا۔ ۱۳۲۳ھ میں بارکوبہ میں روزنامہ "ارشاد" ترکی نکالا۔ آپ روزنامہ مجلس۔ عراق عجم و دولت ایران کے سردبیر بھی رہے + تصانیف:۔ چند رسائل لکھے۔ ایک دیوان ۲۵ ہزار اشعار پر مشتمل مدیر ارمغان نے شائع کیا ہے۔ ۱۳۳۶ھ میں ۵۸ برس کی عمر میں طہران میں فوت ہوئے۔ عربی زبان پر بھی قادر تھے +

مرزا ابراہیم خاں پور داؤد پور باقر ۔ تجار رشت کے خاندان سے تھے۔ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۰۳ھ بمطابق ۵۔ مارچ ۱۸۸۶ میلادی رشت میں متولد ہوئے۔ فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم کے بعد طہران چلے گئے۔ طب قدیم حاصل کی۔ پھر فرانس چلے گئے۔ وہاں ادبیات فرانسہ سے آشنا ہوکر ۱۳۲۸ھ میں یونیورسٹی پیرس کے "شعبۂ حقوق" میں داخل ہوئے۔ ایران واپس آکر کرمانشاہ! روزنامہ "رستخیز" جاری کیا۔ ۱۳۴۴ھ میں ہندوستان آکر عرصہ تک بمبئی میں قیام کیا۔ اور اوستا کی تفسیر لکھی۔ اشعار کا دیوان "پور اندخت نامہ" کے نام سے ملتا ہے۔ اور تصانیف یہ ہیں:۔ تفاسیر یشتہا۔ (سرودہاے زردشت) = (گاتھا)۔ ایرانشاہ فرشاہ و خرہ

ایران کی طرف سے شانتی نکیتن کلکتہ میں "تہذیب ایران" کے مضمون کے اُستاد کے طور پر کام کرتے رہے*

پروین خانم اعتصامی دختر آقائے اعتصام الملک مرزا یوسف خاں اعتصامی ۱۳۲۸؁ھ طہران میں پیدا ہوئیں۔ ایران کے بلند پایہ شعرا میں شمار ہوتی ہیں۔ غزل بہت کم کہی ہے۔ طبقۂ نسواں کی بیداری کے لئے بہت کام کیا۔لیکن اعتدال پسند ہیں*

ڈاکٹر محمود خان افشار۔ ۱۳۱۳؁ھ میں یزد کے مقام پر پیدا ہوئے۔ لوزان یونیورسٹی سویس سے ڈاکٹری کے درجہ تک سیاسی علوم حاصل کئے۔ایک کتاب "سیاست اروپا" (La Politique Europeene en Perse) بعنوان "رسالہ دکتری" (T esis) فرانسیسی زبان میں لکھی اس کے علاوہ کئی بلند پایہ مضامین و مقالات مختلف زبانوں اور رسالوں میں لکھے ۱۳۴۰؁ھ میں طہران آکر سیاسی مدرسہ میں تاریخ جغرافیہ اور اقتصادیات کے پروفیسر ہوئے۔ بعد ازاں مدرسہ عالیہ تجارت کے پرنسپل مقرر ہوئے بعد ازاں ایک عدالت کے جج بھی ہوئے۔ ۱۳۴۵؁ھ سے سیاسی و ادبی مجلہ "آیندہ" کے سردبیر ہیں۔آپ کی شاعری بہت بلند پایہ ہے*

مرزا محمد علی مصاحبی المتخلّص بہ عبرت نائینی ولد مرزا عبدالخالق ۱۲۸۵؁ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ۲۰ ہزار اشعار کا مجموعہ (دیوان) تیار کیا ہے۔ اس کے علاوہ مدینۃ الادب کے نام سے ایک تذکرہ بھی مرتّب کیا ہے۔شاعری میں اعتماد علی النفس، قناعت، خدمت خلق، صفائی ضمیر وحُسن اخلاق اور بلند ہمتی کی تعلیم دی ہے*

آقا مرزا حسن خاں معدلی شیرازی آزاد فرزند مرزا عباس خاں آصف الملک معدلی ۱۳۱۳؁ھ میں شیراز میں متولّد ہوئے*

انتخاب از اخلاقِ مُحْسِنی

ادب

و آن صیانتِ نفس ست از قولِ ناپسندیده و فعلِ ناستوده، و خود را و مردم را در پایۂ حُرمت نگاهداشتن، و آبروی خود و دیگران ناریختن - و حقیقت آنست که در جمیع احوال متابعت حضرتِ رسالت پناه عَلَیْهِ صَلَوٰاتُ اللہ نماید که ادیبِ کامل اوست - قطعه

ادب آموز از آن ادیب که او
ادب از حضرت خدا آموخت
کسے خوان سبق که در همه حال
سبق از لوح کبریا آموخت

---

* نگاه داشتن

و ادب از همه کس نیکو می نماید، خصوصاً از ملوك جهاندار و سلاطین بزرگوار، چه هرگاه که ایشان بر جادهٔ ادب استقامت ورزند، ملازمان ایشان را نیز رعایت ادب لازم باشد، و بدین واسطه رعایا، هم نتوانند که از طریق ادب انحراف ورزند، پس امور مملکت منتظم گردد و مصالح اهلِ عالم بر وفقِ حکمت مهیا شود، و فی المثنوی المعنوی- نظم -

از خدا خواهیم توفیق ادب
بی ادب محروم گشت از فضلِ رب
از ادب پر نور گشت است این فلك
وز ادب معصوم و پاك آمد ملك

و اکابر گفته اند "بهترینِ سرمایه و خوشترینِ پیرایه مر اولاد آدم را، بتخصیص پادشاهان عالم را، ادب است"☆

در اخبار آمده که سُلطانِ مصر با پادشاهِ روم طرح مواصلت انداخته دختر او را از بهرِ پسرِ خود خطبه* کرد، و هم دخترِ خود را در عقدِ پسرِ وی در آورد، و بسبب این وصلت رسُل و رسائل از جانبین متواصل گشت، و باتفاقِ این دو صاحب دولت هر دو مملکت با یك دیگر آراستگی پذیرفت، و در اُمورِ کُلّی و جُزئی مراجعت برای یك دیگر

* زن خواستن - خواستگاری

نمودندے ، و بی مشورت و تدبیرِ هم در هیچ مهم شروع نه فرمودندے

روزے ملکِ مصر بقیصرِ روم پیغام فرستاد که «پسران زبدهٔ حیات وعمدهٔ

زندگانی اند ، ونامِ مابعد از وفات جز به حیاتِ ایشان باقی نمی ماند-

بیت

زنده است کسی که در دیارش

ماند خلفے به یادگارش

پس همت بر انتظام حال و فراغ بالِ* ایشان مصروف باید داشت ،

و عنان عنایت بصوبِ جمعیت و وسعتِ معیشت ایشان معطوف باید

ساخت- و من بجهتِ پسرِ خود چندین ذخائر و نفائس و برده و ستور

و ضیاع و عقار مهیا کرده ام- از آن طرف راے جهان آراے آن

حضرت در حُسنِ اهتمام بحال پسر خود چه اقتضا فرموده است»؟

چون این پیغام به سمعِ قیصر رسید ، تبسّمے فرمود و گفت « مال یارِ

بے وفا و محبوب نا پائدار است ، ازو حسابی نباید گرفت ، و به متاع

فانی دنیاے دنی فریفته نباید شد- من پسر خود را بحلیهٔ ادب بیاراسته ام

و خزانهای مکارم اخلاق برای او ذخیره نهاده ام- مال در معرضِ فنا و

زوال است ، و ادب ایمن از تغیر و انتقال »☆

---

* دل

چون این خبر به مُلكِ عرب رسید گفت: « راست میگوید ، اَلْأَدَبُ خَيْرٌ مِنَ الذَّهَبِ » - مثنوی

ادب بهتر از گنج قارون بود
فزون تر ز مُلكِ فریدون بود
بزرگان نکردند پروایِ مال
که اموال را هست رُو در زوال
عنان سُوی علم و ادب تافتند
که نامِ نکو از ادب یافتند

عُلُوِّ هِمَّت

در خبر آمده است که اِنَّ اللهَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْأُمُوْرِ (حق سبحانه ، وتعالیٰ مردمِ بلند همّت را دوست می‌دارد) و اعمالِ بزرگ را به نظرِ قبول مشرّف می سازد ، و رفعتِ ارجمند ، با همّتِ بلند ، پیوندے دارد که جُدائیِ ایشان از یك دیگر محال است - قطعه

مُرغِ همّت چو بال بکشاید عزّ و اقبال آشیان باشد
پیشِ چوگانِ همّتِ عالی کمترین گوی آسمان باشد

سلاطین را همّتِ عالی پیشکاریست کافی ، و مددگاریست وافی -

هر کرا از ایشان همّت بیشتر است ، به قدم شوکت از دیگران پیشتر است -

فرد

همّت بلند دار ، که نزدِ خدا و خلق

باشد بقدر همت تو اعتبارِ تو

یعقوب لیث را در مبدأ جوانی یکے از پیرانِ قبیله گفت : "خاطرم به حالِ تونگران است ، دست پیمانے * راست کن تا از براے تو کریمهٔ از خانوادهٔ بزرگ بخواهم" ، یعقوب گفت "عروسے که من خوش کرده ام ، دست پیمانِ او آماده است" - پیر گفت "آن را بر من عرض کن تا ببینم که چیست ، و از عروس نشان ده ، تا بدانم که کیست" - یعقوب بخانه در آمد ، و شمشیرے بیرون آورد و گفت "من عروسِ ممالکِ شرق و غرب را خطبه خواهم کرد و دست پیمانِ من این تیغِ جوهردار و این شمشیر جوشن گذار است" - فرد

با بخت نیك هیچکسے را ستیز نیست

مهر عروس ملك به از تیغ تیز نیست

* آنچه از نقد و جنس و زیور قبل از مزاوجت به عروس دهند - مهر معجل و کابین -

و هم درین معنی گفته اند - فرد

عروس مملکت آن مرد در کنار گرفت
که اول از گهر تیغ داد کابینش

و در همین معنی این بیت مشهور است - فرد

عروسِ ملک کسے در کنار گیرد چست
که بوسه برلبِ شمشیرِ آبدار زند

آورده اند که در آن ایّام، که اسکندر می خواست که رایتِ جهانگیری از سرحدِّ روم بر عزیمت ضبط ممالك عرب و عجم بر افرازد، و رکابِ همایون بجهت تسخیر برّو بحر عالم حرکت دهد، بغایت اندیشه‌ناك و ملول خاطر بود - ارسطاطالیس حکیم، که وزیرِ آن حضرت بود، چون علامت فکرت و نشان حیرت بر جبهۀ حال و ناصیۀ احوال او ظاهر دید، گفت: "اے شاه جهان! اسبابِ دولت مهیّا و آماده، و خَدَم و حَشَم در موقفِ بندگی و فرمانبرداری استاده، خزانه معمور و مملکت موفور، بخت بصفتِ استدامت آراسته، و نهالِ دولت بشرفِ استقامت پیراسته، اقبال کمر موافقت بسته، و جاه و جلال بر آستانۀ عالی بخدمت گاری نشسته، توزع * ضمیرِ انور و تفرّقِ خاطر از هر را سبب چیست؟"

* پریشانی

اسکندر جواب داد: ”تامل میکنم، که عرصهٔ جهان بغایت محقر است و ساحت ممالك هفت اقلیم بسیار مختصر، شرم می دارم از برای این مقدار ملك سوار شدن و توجّه به تصرّف و تسخیرِ آن نمودن، قطعه

گرای آن نکند طول و عرض هفت اقلیم
که من به نیّتِ تسخیرِ آن سوار شوم
هزار عالم ازین گر بود کم است هنوز
که من به عزمِ تصرّف بدان دیار شوم“

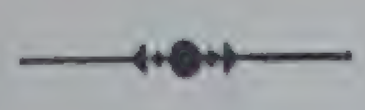
ارسطو فرمود که: ”شك نیست که ایالات و حکومتِ این مایه از جهان نه لائق همتِ بلند و نه در خورِ نهمتِ ارجمندِ تست، عرصهٔ مملکت ابدی را به آن ضم کن، تا همچنانچه بضربتِ تیغ جهانسوز ساحت سرای فانی را در قیدِ ضبط می آری، به برکتِ عدلِ عالم افروز ملك سعادت باقی هم در قبضهٔ استحقاق تو آید. تا این نقصان ببرکتِ آن کمال تلافی پذیرد، و این اندك بزیب آن بسیار رونق گیرد- مثنوی

ملك عقبی، خواه کان خرّم بود ذرّهٔ ز آن ملك صد عالم بود
جهد کن تا درمیانِ این نشست عرصهٔ آن عالمت آید بدست“

اسکندر بدین سخن تسلّی یافته برحکیم آفرین فراوان کرد و امروز

شاهبازِ عقلِ هر کاملے در هواءِ ثناءِ اسکندر جهتِ آن پرواز می کند
که همائے همتش به استخوان ریزهٔ دُنیا سر فرو نیاورده ، فرد

تو بازِ ساعدِ شاهی به استخوان منگر
هُمای هّمتِ خود را بلند ده پرواز



جِدّ و جهد

جِدّ سعی کردن ست در تحصیلِ مطالب و جهد رنج بُردن ست در اکتسابِ مقاصد و مآرب - و جِدّ و جهد از اخلاقِ ملوکِ جهانگیر و کشورستان ست و این صفت تابعِ هِمّت می باشد ، هرچند هّمت عالی تر بود جد و جهد در طلبِ مقصود بیشتر واقع شود - و باید که مردِ بلند همت از تحّملِ مشقت نترسد ، چه حال از دو بیرون نیست ، اگر به جهد دامنِ مقصود بدست آید ، فهو المراد ، و اگر در حجاب توقف ماند ، عذرِ او نزدیك عقلا واضع ست ، و علوّ همّتِ او در طلبِ مفاخر و مآثر بر همهٔ ضمائر هویدا و لائح - شعر

در طلب می کوشم ، ار یابم ، ز هے بختِ بلند
ورنیابم ، عذرِ من آفتد بزرگان را پسند

در امثالِ حکماءِ هند مذکور ست که مورے کمرِ جهد بر بسته بود و از تودهٔ خاکی که نقلِ آن آدمیان را به کلفت میسّر شدے ذرّه ذرّه می برد و به طرفِ دیگر می ریخت- مُرغے برو گذر کرد، شخصے دید ضعیف و نحیف، که به نشاطِ تمام دست و پای می زد، و در نقل کردنِ آن خاك جدّے تمام و جهدے لاکلام بجا می آورد، گفت: "اے ضعیف بنیه و نحیف پیکر! این چه کار ست که پیش گرفتهٔ؟ و این چه مهم است که در آن خوض کردهٔ؟" مور گفت: "مرا با یکے از قومِ خود نظریست، و او این شرط پیش آورده که اگر سرِ وصلِ ما داری قدم در نه، و این تودهٔ خاك را ازین رهگذر بردار، حالا مستعدِ آن کار شده ام، و می خواهم که بدان شرط اقدام نموده از عهدهٔ عهد بیرون آیم-" مُرغ گفت: "این گمان که می بری، بقدر آرزوی تو نیست، و این کمان که می کشی، بقوّت بازوی تو نے-" مور گفت: "من عزمِ این کار کرده ام، و قدمِ جدّ و جهد پیش نهاده، اگر پیش برم فهو المراد و الّا معذُورم خواهند داشت، مثنوی

من طریقِ سعی می آرم بجا لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰے

دامنِ مقصود اگر آرم بکف از غم و اندوه مانم بر طرف

ور نشد از جهدِ من کارے بکام من در آن معذور باشم والسّلام

افریدون را در مبادی ایّام سلطنت، که ریاحینِ دولتِ او در ریاضِ سعادت دمیدن داشت، و ریاحِ شادمانی از مهبّ کامرانی وزیدن، اندیشۂ تسخیر بعضے از ممالك، که در تصرّفِ جمعے از متغلّبان بود، پدید آمد۔ فرد

کفافِ نفس اگر چند اندك ست ولے
جهان به تیغ گرفتن ز همّتِ عالیست

این معنی را به ارکانِ دولت مشاورت کرد، جمعے گفتند: "اے ملك! ملکے داری آراسته، و مبالغے تجمل و خواسته، بے ضرورت غبارِ فتنه انگیختن، و آتشِ تشویر بر افروختن، صواب نمی نماید۔ از آنچه هست تمتّعے بردار، و ارتکاب مخاطره فرو گذار۔ فرد

در فراغت کوش و در لذّت، که نیست
آرزو را هیچ پایانے پدید"

افریدون گفت: "قناعت مقتضاءِ طبائعِ بهائم سرافگنده است، و نشستن در کنجی از اقتضاءِ دناءتِ همّتِ عاجز از کار وامانده، فرصتِ وقت را، که چون خیالِ سحاب گذرنده است، غنیمت باید

شمرد- و در حصولِ مال از رکوبِ اهوال اندیشه نباید کرد- قطعه

رکنِ سلطنت نباید بدست هرکرا رغبتِ تن آسانیست

از مشقت بجا بر آساید هرکرا همت جهانبانیست"

آورده اند که ملکے پسرِ خود را بحربِ خصمے فرستاده بود، خبر آوردند که ملک زاده گاه گاهے در راه زره از بر خود بیرون میکند، و دو شب در یک منزل خیمۂ اقامت می زند، پدر بدو نوشت که "اے پسر! حق تعالٰی که عزّت را آفرید، کلفت و مشقت را به آن قرین ساخت، و مذلّت را که خلق کرد، آرام و راحت را با او رفیق گردانید، انگه عزّت را به ملوک داد، و مذلّت را به رعایا- حظّ پادشاه عزِّ مملکت ست، و قسمِ رعیّت امن و امان و استراحت، و این هر دو بخش یک جا جمع نشوند- لاجرم پادشاه باید که آسایش را وداع نماید، و راحت را با رعیّت گذارد، و اگر چنین نمی کند، با استراحت در می باید ساخت و از عزِّ ملک اعراض می باید نمود- فرد

لذّتِ شاهی ترابس، راحتِ دیگر مجوے

با وجودِ سلطنت سرمایۂ دیگر مخواه"

یعقوب لیث در بدایتِ حال خود را در مهالک افگندے،

و خطرهائے کلّی را ارتکاب کردے، از آسایشِ نفس بر طرف بودے و از کشیدنِ مشقتها یك نفس نیاسُودے، او را گفتند: "تو مردِ روی گری، ترا باعث برین همه جفا کشیدن، و خود را در غرقابهٔ هلاك افگندن چیست؟" گفت: "مرا دریغ می آید، عمرِ عزیزِ خود را در اصلاح روی و مس صرف کردن، و روی توجّه به پیشهٔ، که در آن شریك بسیار باشد، آوردن۔ جدّ من در آن است، و جهد من برائے آن که خود را به مرتبهٔ رسانم که کسے از ابناء جنسِ من با من شریك نباشد"۔ گفتند: "این مهمّے بغایت صعب و کارے بسیار مشکل است"۔ گفت: "من دانسته ام، که شربتِ مرگ چشیدنی ست و بارِ فنا و فوات کشیدنی۔ آنکه درکارے بلند تلف شوم بِه، که درکارے پست بمیرم"۔ لاجرم بدین جدّ وجهد رسید بدان منصب، که رسید۔ مثنوی

می باش به جِدّ و جهد در کار
دامانِ طلب ز دست مگذار
هر چیز که دل بدان گراید
گر جهد کنی بدستت آید

و چنانچه به جدّ و جهد بناءِ بزرگی تمهید می یابد، به ضدِّ این صفت که

بطالت و کسالت است اساس شوکت و دولت درهم شکند۔

یکی را از آلِ طاهر سؤال کردند، که ”سببِ زوالِ ایالت و انتقالِ دولتِ شما چه بود؟“ جواب داد: ”شرابِ شب و خوابِ بامداد، یعنی از کاهلی به کارِ ملك نپرداختیم، و از کسالت رسمِ جلادت برانداختیم، لاجرم سفینهٔ اختیارِ ما در گردابِ زوال غرقه گشت، و کشتیِ امید ما به ساحلِ مراد نرسید۔“ شعر

بنـاءِ دولتِ خویش آن کسے خراب کند
که شام مَی خورد و صبح گاه خواب کند

انتخاب

از

دُرّةُ الاخبار و لمعةُ الانوار

(ترجمهٔ تتمّهٔ صوان الحکمت

مصنّفه

علی بن زید بیهقی)

الفیلسوف حُجّة الحق عُمر بن ابراهیم الخیّام

اصل و میلاد او از نیشاپور بوده است، در تعمّق در اجزاء علوم حقیقی وسعت آن تلو* شیخ ابوعلی بود، لیکن در خلق ضیقی داشتی، و در تعلیم و تفهیم و تصنیف و آنچه از آن دیگری فائده یافتی، ضنّتی[1] می کرد، . . . .

[او] جامع بود میان قوّت حفظ و جدّت ذکا، چنان کی[2] می گویند، کتابی مطوّل را هفت نوبت تأمّل نمود در اصفهان، چون به نیشاپور

---

* یعنی ثانی

۱ بخل

۲ که

عود کرد از ظهر قلب املا کرد، چنانکه نسخهٔ از املاء او بنوشتند، و از آن نسخه مقابله کردند، زیادت تفاوتی نداشت، و بدین استعداد بر جمیع علوم معقول و منقول وقوف یافت -

گفته اند کی* روزی بحضرت شهاب الاسلام الوزیر عبدالرّزّاق بن الفقیه الاجلّ ابی القاسم عبدالله بن علی در آمد و امام القُرّاء ابو الحسن الغزالی حاضر بود و در اختلاف ائمة القُرّاء در آیتی بحثی می رفت، چون امام حاضر شد، شهاب الاسلام گفت:

"علی الخبیر سقطنا"- پس وجهی مختار از وجوه مختلف فیها از وی پرسیدند، از وجوه اختلاف قُرّاء بیان کرد، هر وجهی علّت آن بگفت، و ذکر آن شواذ ۱ علی کثرتها بکرد، بعد از آن اختیار وجهی نمود، بر صحت دلیل گفت، پس امام ابوالحسن گفت: "کثّر الله فی العلماء مثلك! حق تعالی جهان را از وجود مبارك امام خالی مداراد! چه گمان نداشتم کی کسی از قُرّاء در جهان این وجوه و علل بر ذکر ۲ تواند بود تا بحکیمی فیلسوف چه رسد؟"

---

* که

۱ تنها و نادر

۲ بیان تواند کرد - یاد تواند داشت

الشیخ الامام ظهیر الدین ابو الحسن بن الامام ابو القاسم البیهقی گوید :

در خدمت امام ، پدرم ، به مجلس امام عُمر در آمدم در سنه سبع * و خمسمایه ، پس از من معنی بیتی از حماسه پرسید و آن این است : ـ

ولا یرعون اکناف الهوینا

اذا حلّوا ولا الارض الهُدُون

گفتیم : " هوینا تصغیریست کی اسم مکبّر ندارد همچنان کی ثُریّا و حُمّیا - و شاعر اشارت کرده است ۱ بعزّ آن طائفه و منع طرفی که دارند یعنی در مکانی کی حلول نمایند ، با خوردش بستایند و در معالی ایشان تقصیری واقع نشود کی همّت ایشان بسوی معالی امور باشد ،

بعد ازان از انواع خطوط قوسیّه پرسید ، گفتم : " انواعِ خطوطِ قوسیّه چهار است ، یك محیط دائره و یکی قوس نصف دائره و قوس بزرگ تر از نصف دائره " بعد از آن امام عمر پدرم را گفت : ع

" شنشنة ۱ اعرفها من أخزم "

---

* فردوس التواریخ (منقول در حواشی چهار مقاله صفحه ۲۱۷ خمس بجای سبع دارد ،

۱ تکمیل جمله از روی نسخه فردوس التواریخ منقول درحواشی چهار مقاله کرده شد ،

۱ مثل است و در فارسی و معادل است به ـ " شیر را بچه همی ماند بدو " و در فارسی در مور و مدح استعمال می شود و در عربی اعم است در مور و مدح و ذم .

و او با توفّر اقسام علوم در حکمت و ریاضیات و اقسام آن و در طب دستی عظیم داشتی و ابن سجدهٔ[1] آن بودی و صرف عمر در مطالعهٔ آن کردی،

امام محمد بغدادی می گوید: "مطالعه الٰهی از کتاب الشفا می کرد، چون به فصلِ واحد و کثیر رسید، چیزی در میانِ اوراقِ موضعِ مطالعه نهاد و گفت مرا" کی جماعت را بخوان تا وصیّت کنم"- چون اصحاب جمع شدند، به شرائطِ وصیّت قیام نمود ــ به نماز مشغول شد، و از غیر اعراض کرد تا نماز خفتن بگذارد، و روی بر خاک نهاد و گفت: "اللّٰهمّ[2] انّی عرفتك علیٰ مبلغ امکانی فاغفر لی، فانّ معرفتی ایّاك وسیلتی الیك" و جان تسلیم کرد +

---

[1] دانای حقیقت کار و کُنهِ آن، و دلیل هادی، و کسی که از گفتهٔ خود برنگردد +

[2] (خدا! ترا به آنچه حد امکان بود، شناختم- مرا به بخش که همین معرفتِ تو مرا وسیله ای است نزدِ تو)-

انتخاب از گنج دانش

تہران

لفظی است عجمی، و عجم بتاء منقوطه آن را تلفظ و تحریر می کنند .... و از قراءِ رَی بوده، و فاصله میانِ این قریه و رَے دو فرسخ بوده - از شخصِ صادقی شنیده شُد که تهران قریۂ بزرگی بوده و بیوتاتش را در زیرِ زمین ساخته بودند و کسی را جز اهالیش، راه بدان نبود - و بارها بپادشاهِ وقت باغی شده بودند که شاه را جز بمدارا با ایشان چاره نبوده - و منقسم بود به دوازده محلّه، که باہم مراوده نه داشتند - و باغات و بساتین بسیار دارد، که ہمین اسباب حراستِ اہالی، و مایۂ دفعِ دشمن از ایشان است ـ تنعماتش از نزدیکی

ل مزید تحقیق کے لئے ببیست مقالۂ قزوینی جزو اوّل صفحہ ۳۶ تا ۳۹ کی طرف رجوع کیا جاوے۔

اطرافش می رسد، و فراوان است *

صاحبِ زینت المجالس می فرماید: "شهرِ رَی از زمانِ قتل و غارتِ مغول دیگر خراب ماند، و الحال تهران و ورامین در حوالیش شهر آنجا شده، و آب و هوایش از سائرِ ولایاتِ رَی نیکوتر است۔ و شاه طهماسپ در عمارا تش کوشیده که تقریباً یک فرسخ دُورۂ آن است، و اکنون آباد است۔ و غلّه و میوجاتِ نیکو دارد *

ابن حوقل و مسعودی از مسافرینِ عرب در سنه۲۰۰ھ الی سنه۳۰۰ھ (دویست الی سیصد) بطرفِ ایران مسافرت نموده بودند، و رَی را به تفصیل سیاحت نموده۔ وضع و هیأتِ شهر و حومه را نوشته اند، و از تهران نامی نبرده اند۔ و در کتبِ عربی، که ذکری از تهران شده، منحصراست به آثار البلاد و معجم البلدان و چنانچه معلوم می شود، در عصرِ این دو نفر بیوتاتِ این شهر در زیر زمین بُوده . . . .
. . . . :

"تهران قریه است معظّم، جزو ایالاتِ رَی، دارای باغاتِ زیاد و با اشجار و ثمراتِ خوب و فراوان۔ و سکنه در خانه های سرداب مانند بسر می برند۔ همین که دشمنی حمله می آورد، بخانه های تحتانی پناه جسته که هرقدر محصور بُودنِ

شان امتداد یابد، بسبب کثرتِ آذوقه، که از فرطِ احتیاط ذخیره کرده اند، آسوده اند - و بیرون آوردنِ ایشان از آن اماکن غیر مقدور است - و چون دشمن مایوس شده و معاودت کرد، از زیرِ زمین بیرون می آیند - و اطراف و جوانبِ شهر، بلکه شوارع و طرقِ عام را، که محلِ عبور و مرورِ قوافل و مترددین است، فروگرفته به راه زنی و قتل و غارت مشغول می شوند - و دائما به سلطانِ عصر یاغی و با عساکرِ او درکارزار و زد و خورد اند - و مالیاتِ خود را به زرِ مسکوک نمی پردازند - بلکه در عوضِ نقود و وجوه رایج، خروس و مرغ می پردازند - و با آنها باید بر وفق رفق و مدارا حرکت نمود نه به تسلط و حکم - و زراعِ آنها با بیل و گاو زمین را تخم نمی کنند سهل است، که مطلقاً اغنام و احشام نگاه نمی دارند، مبادا که وقتِ محصور شدن به غارت برند ؛

حاجی خلیفه موسوم به مصطفی بن عبد اللہ چلپی ملقب به کاتب در جهان نامۂ خود شرحی از طهران نگاشته، و اهالیِ آن را وحشی و بے رحم خوانده، یاقوت حموی و عبدالرشید ابن صالح بن نوری باکوئی، و حمد اللہ مستوفی، و (امین) احمد رازی صاحب تذکرۂ هفت اقلیم (از مصنفاتِ سنه ۱۰۰۲ھ هزار و دو است ہجری) از میوجاتِ طهران توصیف نموده اند-

(امین) احمد رازی در ہمین کتاب تذکرۂ ہفت اقلیم گوید:
"تہران بواسطۂ انہارِ جاریہ وکثرتِ اشجارِ مثمرہ و باغاتِ
منزّہہ نظیرِ بہشت است۔ خاصہ بلوک شمیران کہ در شمالِ
این قریہ واقع است۔ د از کمالِ خضرت و صفا و نضرت و
بہا ازحیزِ توصیف بیرون است۔ بلوکِ شمیران کہ بہ شمع ایران
معروف بودہ، بہترین ییلاقاتِ دُنیا است۔" و نیز (امین)
احمد رازی گوید: "در دو فرسخی طہران قریہ ایست معروف
بکن سولقان کہ از زیادتیِ آبہائی جاری و فواکہِ لطیف و
صفائی چون بہشت برین است۔"

این شہر کہ اکنون مقرِّ خلافتِ عظمیٰ است، در زمانِ
شاہ طہماسپ صفوی ابن شاہِ اسمٰعیل، بواسطۂ کثرتِ میاہ
و اشجار و مکانتی کہ داشت، محلِّ توجّہ شاہ طہماسپ شدہ۔
در سنہ ۹۶۱ (نہصد و شصت و یک) امر فرمود با روائے دورِ
او بنا نمودند کہ ششہزار گام دَورۂ اُو بُود و صد و چہاردہ
بُرج دَورۂ او قرار دادند و در ہر بُرجی سُورۂ[1] بجہتِ محافظت
دفن کردند۔ چہار دروازہ برای آمد و شدِ شہر کشودند۔ خندق
دَورِ بارُو حفر شُد۔ چون خاک خندق کفایت ساختن قلعہ

---

[1] یعنی ہر برج میں قرآن شریف کی ایک سُورت تبرّکاً دفن کی تھی۔ قرآن شریف کی سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔

بروج را نمود، از دو جائی شهر خاک برداشتند که یکی چال میدان نام یافت و دیگری چال حصار + و دروازۂ دولت دروازۂ ارک است که از بناهای افاغنه می باشد۔ باین معنی که در هر شهر در ممالکِ ایران که قلعۂ جداگانه، و اِسمش ارک است، قطعۂ جداگانه ایست +

افاغنه در تمامِ ممالک محروسه گوشۂ از شهر سه سمت به شهر دیوار و بارو و خندق و بروج ساختہ' دروازه به شهر گذاشتند۔ و یک طرف آن را هم به صحرا دروازه گذاشتند که هر وقت بناءِ شورشی بشود، دست به صحرا داشته باشند۔ در راهِ گریز ممرِّ فراری باشد۔ غافل ازان که هر وقت که بنا شود به قصاصِ خونِ قزلباشان شمشیرِ شرزه شیران و دلیران کشیده شود، همان ببینند که دیدند ......

در ۹۸۵ سنه (نهصد و هشتاد و پنج) سلطان حسن مرزا پسر سلطان محمد خدابنده[1] بحکمِ شاه اسمٰعیل ثانی در طهران چون سائرِ شاهزادگانِ صفوی به قتل رسید۔ چون شاه طهماسپ بعداز انقلاباتی که در مازندران رُوی داد، نبیرۂ خود سلطان محمد حسن میرزای را به حکومت آن جا فرستاد۔ شاه اسمٰعیل ثانی و پدرِ او از یک مادر بودند۔ و شاهِ اسمٰعیل را فرزندی نبود۔ و

---

[1] شاہ طہماسپ کا سب سے بڑا بیٹا +

سلطان محمد حسن میرزا به تمنّاءِ ولیعهدی به طهران آمد۔ همان وقت قصدِ اِفناءِ اُو داشت۔ ولی پدرش سلطان محمّد حاکمِ فارس بُود و برادرش عباس[1] میرزا حاکمِ خراسان بُود۔ در قتلِ وَی تاَمّلی نمود۔ و سلطان حسن میرزا عریضهٔ بقزوین نوشته از ورودِ خود به طهران اطلاع داد۔ و شاه اسمٰعیل ثانی جواب گفت که در طهران بمانُ، تا والدهٔ من از قُم بیاید۔ اُو را برداشته به قزوین بیاوری ٭ از ولیعهدی مایوس، و از حکومت محروم، مقیمِ طهران شد ٭ چون شاه اسمٰعیل نفهمیده ترویجِ مذهب تسنّن می کرد۔ اُمرا و عُلماءِ شیعه را با وَی نفاق حاصل شُد و به عرضِ اُو رسانندند که بواسطهٔ عدم تعصّب شما در مذهب امامیّہ میخواهند شما را بکُشند، و سلطان حُسن میرزا را بادشاه کنند۔ شاه کوسه علی قلی ترکمان را با چهار هزار نفر قورچی به قتلِ سلطان حسن میرزا فرستاد۔ شاهزاده بعد از وصولِ قورچیان به طهران درب منزل را بسته ببامِ خانه برآمد و به مدافعه پرداخت۔ کوسه علی قلی نزدیک آمده قرآنی بدست گرفته قسم ها خورد، که شاه ما را به طلبِ شما فرستاده۔ وَی قبول کرده در کشوده، ایشان درونِ خانه رفته چند نفر رُویِ اُو اُفتاده

[1] یعنی شاه عباس بزرگ ٭

خونِ آن بی گناه را ریخته اُو را همان جا کُشتند۔ و بسی از آن قبیل را ٭

و دیگر در ۱۱۳۵ھ شاه سلطان حسین جهتِ جمع آوریٔ سپاه به قزوین و از آن جا به طهران آمده چند سردار به دفعِ افاغنهٔ ابدالی و غلیجائی فرستاد و مغلوباً مراجعت کردند۔ و محمود غلیجائی به اسد الله ابدالی والیٔ هرات حمله بُرده، بر اُو غالب آمده، عریضهٔ به شاه سلطان حسین نوشت۔ فتحِ هرات و شکستِ اسد الله را دلیلِ خلوصِ خود قرار داده، ولی در باطن قصدِ اُو دفعِ همسر بوده۔ عریضهٔ در طهران به شاه رسیده شمشیرِ مُرصعی با لقبِ حسن قلی خانی، و خطابِ صوفی صافی ضمیرِ دولت خواه، و حکمرانیٔ قندهار و سیستان به اُو واگذار شده ٭

این مختصریست از روی کتاب موسوم به "شورشِ ایران" از تالیفات (ماسیک لراک) سیّاح مسافر از بدوِ غلبهٔ افغان الی جلوسِ نادر شاه، که به دلائلِ چند صحیح و طرف اعتماد است، چراکه هم خودش (آنجا) بوده و هم گماشتگان با هوش همه جا داشته و نگاشته:

"محمود افغان چهار ماه کرمان را محاصره کرده بُود۔ که لطف علی خان سردارِ ایران بر اُو تاخته قشونِ مختصری را،

که همراهِ اُو بُود، هزیمت داده متفرق ساخت. و تا قندهار همه جا اُو و هزیمتیان را تعاقب کرده، و خبرِ این فتحِ بزرگ، که غیر مترقب بُود، دو روز بعد از ورودِ شاه سلطان حسین به طهران، به دربارِ ایران رسید. و این خبر چندی سببِ اطمینانِ شاه و وُزرا اگردید. از آن طرف لطف علی خان بعد از شکستِ محمود و باز گشتنش از تعاقبِ هزیمتیان، صلاح دیده که حصارِ شهرِ کرمان را استحکامی دهد، که مبادا ثانیاً با تدارک از این طرفِ ایران باز افاغنه به مملکتِ ایران حمله آورند. ولی چُون عاجلاً این کار ممکن نبود، فقط به استحکاماتِ قلعۀ آن کوشیده، قشونِ معتبری آنجا گذاشته، به شیراز، که حکومتش متعلق بدو بُود، و بر لشکر زیادی، که در آنجا تهیّه دیده و جمع کرده بود، سرداری داشت، رانده. و این فتح نمایان، که باید سببِ ترقیِ اُو بشود موجبِ تمامیِ اُو و اضمحلال و فناءِ اعتماد الدّوله برادر زنش شده. و بعد از آمدنش به شیراز، به سببِ غرضی که با بعضی اهالی و صاحب مناصبِ عالیه داشت. و باعتقاد برخی از بابتِ زیادتی مالیاتی که از معمول بطور گزاف از شیراز و بلوکات دریافت نموده. بعلاوه آنچه اسب و اسلحه، هر جا بود، بدست آورده بر لشکریان قسمت نمود، و جمعی از سپاه را بواسطۀ شدّتِ

سرمای زمستان در خانه های اهالی منزل داده بُود، یا جُز این نُبود - به حسد و خُبثِ باطن چنین اشتهار دادند و اسباب چینی کردند - الله یعلم ✦

باری مُدّتی بُود که اُردو و لشکری به این بزرگی و منظّمی کسی ندیده بُود - و آذوقه و اسلحه همه آماده و مهیّا - چندین هزار شتر و اُستر بالاستمرار از اطراف آذوقه می آورد - و این قشون، که بسیاری اش در جنگِ کرمان حاضر بُود، رشادتها و جلادتها نموده بودند - همه مُوردِ تحسین و خلعت و انعام و احسانها شده بُودند - مایهٔ تشویق همگی گردیده مهیّای جنگ بودند - و همهٔ این تدارکات بدفعِ افغان بُود - و اگر اختلالی در کارِ این سردار و لشکرِ جرّار نشده بُود - البتّه بُنیانِ افغان را بر انداخته، بلکه تا سرحدِّ هندوستان، هم خاشاکِ شان را از رُویِ زمین می زدودند - ولی این سردارِ رشید دانا مغلولاً فرستاده بطهران وارد، و این قشون جرّار شمشیرگذار متفرّق گردید - چنانچه اهالِی فارس به حقیقت یا تحریک بدربار شاه سُلطان حسین به کمکِ بعضی فارسیانِ دیگر که در دربار مناصبِ عالیه داشتند، شاکی و عارض شدند و می دانستند که وی به این تدارکات و لشکرِ رشیدِ منظّم به جنگِ افغان دیگر بار مامور شود، و فتحی شایان و غلبهٔ نمایان

نماید، و بر اعتبارش بیفزاید، و بیشتر بر فارسیان مسلّط، و بر سائرِ مفسدین بیکارهٔ درباری مقدّم گردد. و فتح علیخان صدرِ اعظم که برادرِ زنِ اُو است - زیاده تر مایهٔ ترقّی با استحقاقِ اُو شود - پس اولاً تدبیری در نمامی و شکستِ اُو کنند، تا چاره و تقلّب در کارِ دیگری سهل شود. حکیم باشیٔ شاه، که همدستِ مفسدین بُود، و نزدِ شاه معتمد و محترم متعهّدِ این امر شده، نیم شبی، که شاه در بستر خوابیده بُود، بخوابگاه وارد شدند - شاه ترسیده بر آشفت - و سببِ جسارت را پرسیده - عرض کردند: "ما را قدرتِ این جُرأت نبود - چُون صدمهٔ جانی شاه را شنیدیم، حفظ و سلامتیِ شاه باعث بر این جسارت گردید، که لطف علی خان به این لشکر مستعد، که در شیراز حاضر دارد، بزودی واردِ اصفهان شده، و خزانه و سایرِ بیوتات را متصرّف میشود - از این طرف نیز اعتماد الدّوله با سه هزار نفر کُرد غفلتهً به طهران وارد، و شما را محبوس بلکه مقتول می سازد، و جای درنگ نیست، زیرا که همین امشب این سه هزار نفر کُرد به قصدِ مزبُوره وارد می شود - باید به زودی کرد - و جهتِ اثباتِ قولِ خود کاغذی جعلی نمودند، که اعتماد الدّوله به والیٔ کُردستان نوشته با مُهر سلطنتی ممهور کرده، عاجلاً به طهران خواسته، شاه، بدون

اینکه کاغذ را بخواند، بخود لرزید - بعد از وحشت زیاد از آنها چاره خواست - ایشان صلاح دیدند که قورچی باشی با دستهٔ قورچی بقتلِ اعتماد الدّوله مامور شوند - وی احضار، و به این کار مامور شُد - ولی بعضی خواجه سرایان، که اغلب طرفِ مشورتِ شاه بُودند، عرض کردند، که اعتمادُ الدّوله ذخائر و دفائن بسیار دارد - اگر غفلةً کُشته شود، ازان اموال چیزی نصیب شاه نشود - بهتر آنکه حبس و مکفوف البصر نموده، بعد مطالبهٔ ذخایر رها کرد +

سلطان حسین پسندیده، قورچی همان شبانه به خانهٔ اعتماد الدّوله وارد شده، در وقتی که در بسترِ استراحت غنوده بُود، اُورا گرفته کور کردند، و به منزلِ خود بُرده، که ذخایر وصول کنند - و همان شبانه مُسرعان به اطراف روانه کردند که در هرجا از قبیلهٔ وی کسی باشد، گرفته به طهران فرستند - و فرمان و حُکمی به کلانترِ شیراز صادر شد، که به امدادِ شهریان لطف علی خان سردار را گرفته محبوساً و مغلولاً به طهران فرستند و اگر تحاشی کند، به زورِ اسلحه اورا باطاعت مجبور کنند - ولی لطف علی خان به محضِ اظهار اطاعت کرده تسلیم شد - و به اصفهانش فرستادند - لکن دیگر این سُوءِ تدبیر و دل سختی هایِ مُدّعیان مایهٔ بدبختیِ ایرانیان شُد +

باری بعد ازین واقعات آن لشکرِ منظّم و قشون، با آن استعداد که سردار در شیراز جمع آورده بود، همه متفرّق گردید- و بعد از سه روز جُز توپخانه و احمالِ اهالی چیزی، و کسی از آن جمعیّت و اُردوی باحشمت، بجا نماند- آنچه انتظار کشیدند، از سه هزار نفر تُرک و کُرد موهومی اثری به ظهوری نرسید- حتّیٰ قوافلی که از راه هایِ بسیار دُور می رسیدند، غباری از راهگذری نمی دیدند * خلاصه چُون خبری از هیچ طرفی نرسید- شاه چیزی دستگیرش شد، و ملتفت گردید که چه خبر است، و از ایماءِ ایذاءِ اعتماد الدّوله نادم شده صریح گفت: "نباید موئی از سرِ وَی کم شود- هر کس قصدِ جانِ او کند یقیناً جانِ اُو را فدایِ وَی می کُنم *" اگر این حُکمِ سخت نشده بُود، البتّه قصدِ جانش کرده بُودند- لابُدّ حکیم باشی و جرّاحان به التیامِ جراحتِ وَی پرداختند- و چاپارها از اطراف رسیدند- و از چاپارِ شیراز معلوم شُد که لطف علیخان بمجرّد زیارتِ حُکم، ابدا تخلّف نورزیده، تسلیم شده، و غدرِ دشمنان بر شاه یقین گردید- مجلسِ تحقیقی برقرار کردند- رجال و اعیان را با اعتماد الدّوله حاضر کردند و حُضّار تقصیراتِ آن بی تقصیر را چنین بیان کردند:- اوّلاً کاغذی به مُهرِ سلطان به احضارِ والیِ کُردستان با سه هزار سوار نوشته

فرستاده و احضار کردنِ او جهتِ حبسِ سلطان. دیگر بواسطهٔ میل به تسنّن به لکزی ها اتفاق داشته نوشته که شیعه را در هر جایِ بلاد بخواهند، قتل و غارت کنند، جز ایروان که برادر زاده اش آنجا حکومت داشته. دیگر بدون مشاورهٔ با مجلسِ شورای و عرض به بادشاه امورِ کلیّهٔ دولتی را مجری می داشتی. و احکامِ تو در ایران مطاع تر از احکامِ پادشاه بود. دیگر به اقرارِ خود نُه صد هزار تومان وجه داری اگر این مالِ دیوان نیست از کجا آوردهٔ؟ و اگر از دیوان است چرا خیانت کردهٔ؟" شاه روی به وَی کرده فرمود: "جواب چه داری؟" صدایِ شاه را که شنید، رُو به آن طرف گردانیده عرض کرد: "جواب دادنِ من دیگر چه حاصل؟ که دشمنانِ من و خائنانِ بادشاه مرا از پای در آوردند. دیگر چه فائده جز رعایتِ آبرویِ خود، و بهترینِ خدّامِ خود، و اجدادِ خود، که از خدماتِ خود نسبت به دودمانِ شما حاصل شده بود، و الّا نیم جانی از من باقی نمانده. و افسوس که بادشاه بی تحقیق مرا بدشمنان و خائنان داده به این روز نشانند. امّا کاغذی که به کردستان نوشته شده پنج روزه باید بروَد و ده روزه سوار برسد، اِلی اکنون چرا اثری به ظهور نرسیده. و من با سه هزار سوار چگونه شاه

و اعیان و رجالِ اُو را جمع می توانستم نمود، و حال آنکه پانزده هزار نفر قراول و غلامانِ خاصه در طهران هستند۔ و آن شبی که باید این اتفاقات بیفتد، قورچی باشی که خانهٔ من آمد، دید من برهنه و تنها در منزل بجامه خواب بودم۔ و در آن محوّطه جُز معدودی بهم نمی رسید۔ و لطف علی خان را که میگفتند۔ یاغی و طاغی است۔ چگونه بر محض زیارتِ فرمان تسلیم و مطیع گردید۔ و در صورتِ اتحادِ لکزی ها چرا در وقتِ یاغی شُدن آنها برادر زادهٔ جوانِ خود را به جنگِ آنها فرستاده، چرا اُو را کُشتند۔ دیگر این ایرادی که چرا بی مشورتِ دیگران امورِ دولت را خود مجری میدارد بی عرض و اطّلاع به شاه، بهترینِ شهود خود بادشاه است و اگر به اطّلاع و میلِ دیگران به شوریٰ کاری می بایست بگذرد۔ خیانت به بادشاه بُود۔ و ده نفر اعتماد الدّوله پیدا می شد۔ و حال آنکه لیاقت و قابلیتِ این خدمت را هم همه میدانستند۔ بصیرت و نظرِ کیمیا اثرِ خود پادشاه از همه بیش بُود۔ و رجوعِ مهمّاتِ دولت البتّه بدیشان هم می شُد۔ و سببِ راحتِ خود سُلطان بُود۔ دیگر این که گویند حکمِ من بر همه جا و همه کس نفوذ و نشور داشته، من کی بوده ام۔ جُز اَمر و فرمانِ شاه که موجبِ نفوذِ احکام و فرامین است۔ نصب و فصلش

در هر دقیقه بسته به حکم و راىِ بادشاه است۔" و ساکت شده دیگر هیچ نگفت۔ باری چون نگاشته شدہ است۔ زیاده تطویلش لازم نیست ٭

مطالبِ صحیح وَی چنان بر شاه اثر کرد که در واقع گریست۔ و اوّل علاماتِ بدبختی و انقراضِ دولتِ صفویّه همین حرکت و تمام شُدنِ اُو بُود ٭ بعد ازین حوادث چند نفر از فرستادگانِ مولانا عبدالله لزگی وارد شده عرض کردند۔که دو سال قبل لزکیه بنایِ شورش گذاشته مامورینِ دیوان را از مملکتِ خود بیرون کردند و با دو هزار سوار جرّار ولایتِ ارمن و گرجستان و بعضی بلادِ آذربایجان را قتل و غارت می کردند۔ و سی هزار نفر از سُنّی هایِ شیروان ،همراهِ آنها شده و آن صفحات را دایم مغشوش داشتند۔ و به دِهاتِ گنجه دست اندازی کرده و شماخی را محاصره نموده۔حاکمِ شماخی بدفعِ آنها مامور شده ، لزکیه شبانه شبانه به اُردوی آنها حمله بُرده او را با جمعی از کسانش کُشتند ٭ الغرض بعد ازین فقرات در اوائل سنه ۱۱۳۴ھ (هزار و صد و سی و چهار هجری) آثارِ خوشوقتیِ موقتی جهة شاه و رجال در طهران ظاهر شد۔ و از اخباری که از افغانستان رسید ،چنان می نمود۔ که محمود و اتباعِ اُو بعد از شکستِ

رکرمان و تعاقب لطف علیخان ایشان را هراس نمود - دیگر از خیالِ مخاصمه اُفتاد شُد و شیخ بحرین، که سرکشیده بُود، خود هشت هزار تومان به رسم پیشکشی فرستاده و متعهد و متقبّلِ این مبلغ همه ساله بُود که عاید دارد - در این بین حسن پاشا حاکمِ بغداد خبرداد، که سفیری از جانبِ عثمانی واردِ بغداد شده عازمِ ایران است - و صدرِ اعظم عثمانی که مردی با جزم و دُشمنِ دولت بُود، مقتول، و صدارتِ عظمی بدیگری محوّل شده - گمان می رفت وی نیز بر ضدِّ دولتِ ایران است - و سفیری جهتِ مطالبۂ بعضی ولایاتِ سرحدّیه مامور است - و اگر از طرفِ دولتِ ایران مضایقه شود، اعلانِ جنگ نماید - شاه قبل از وصولِ این خبر می خواست آدمی به اسلامبول فرستد - و به سُلطانِ عثمانی اظهار کُند - که اگر اتّحادِ دولتین برقرار است، دولتِ ایران حاضر است که سرحداتِ کرکوت و موصل و ایروان و بعضی ولایاتِ دیگر را با آلِ عثمان واگذارد - و بعد از اطلاع از حرکتِ سفیرِ عثمانی به حُکامِ عرضِ راه احکام صادر شُد، که همه جا کمالِ احترامات و پذیرائی را بجا بیاورند - در اوائلِ ماه جدی آن سال دری افندی سفیرِ عثمانی واردِ طهران شُد - و بعد بحضورِ سُلطان حسین در سلام احضار گردید - از قرارِ راپورت

خود درّی آفندی تشریفات که در ملّت و دولت ایران معمولِ شان است از یدک و استقبال و تخت روان و سوارانِ نیزه دار - احترام اطرافِ تختِ روان که نامۂ سلطان در آن گذاشته بشود، آوردند - چون در طهران سایرِ تشریفاتِ دولتی و سلطنتی و تجمّلاتِ ملوکانہ حاضر نبود - به همین قدر ها اکتفا شده بود - بدین وضع وارد ساختند - و به چهار باغی که الآن ارک سلطنتی و عماراتِ دیوانی است - و بعضی درختهای چنارِ کهن که در آن محوّطه است که آن باغ و آبادی را نشان می دهد، معروف به "چنارهای شاهِ عباس" است - و آن بنا به امرِ شاهِ عباس در طهران شده - در آن باغ و عمارات منزل دادند + خلاصه ایلچی در دروازۂ سیّم عمارات از اسب پیاده شده به "تالار سلام داخل گشت - و نامۂ سلطان را بالای سر گرفته بر تختی که سلطان نشسته بود - نزدیک شده دو پلّه بالا گرفته تعظیم کرده بعد از خطبه زانو زده کاغذ را بوسیدم - و به شاه دادم - شاه نیز نیم تواضعی کرده نامه را گرفته به یکی از اعیان سپرد - و سه مرتبه اذنِ جلوس یافته آن وقت به مکانی که اشاره فرمود نشستم، و آن وقت هم که از بابتِ احترام نمی نشستم - بار سوم صاحب بار بازوی مرا گرفته نشانید - و در همان تالار از خوانِ غذاءِ مرسومی

که گسترده شده بود، غذا صرف شد ـ و بمنزل معیّن عود نمودم ـ
القصه در نوروزِ آن سال، مرتبهٔ سوم و آخر دفعه بود ـ که در
طهران به حضورِ شاه رفته مرخصی به اسلامبول یافتم ـ اختصار
و نگاشتن تمام ترقّیات و تعریفات جسورانهٔ خودش را جهتِ
این بود که جای دیگر مطوّل عرض شده ٭

این هم یک سفارت دیگر بود که در سفرنامهٔ آثراک[1] موریه
مسطور است: "در ۱۲۳۳ھ همراه سفیری، که از انگلیس آمده
بود، بودم ـ بعد از پیشوازی و تشریفاتِ لایقهٔ لازمه بفاصله
سی قدم درب عمارت سلطنتی در دار الخلافهٔ طهران همه از
اسپ پیاده شده با نامه و تحف پادشاهِ انگلیس روانه شدیم ـ
چون وارد عمارت سلطنتی شدیم ـ از دالانِ تاریک ممتدی
عبور کرده بحیاطِ کوچکی رسیدیم ـ چون ایّامِ دهۂ عاشورا
بود، پذیرائیِ ما آشکارا منافیٔ قانونِ مذهبی بود ـ هم نمی
خواستند که پذیرائی بطول انجامد ـ ما را در یک تالارِ بزرگ
پذیرفتند، در عمارت معروف به خلوت خانه ـ خلاصه بعد از
نیم ساعت توقّف در کشیک خانه خبر دادند که حال موقع
است ـ آنگاه وارد به دیوان خانه شدیم ـ بعد از ورود

[1] آثرک موریہ سفیرِ انگلستان در مصر ولیوانٹ وغیرہ و پدر مصنّف کتاب سرگذشت
حاجی بابای اصفہانی ۱۷۵۰ء ـ ۱۸۱۵ء

با آنجا ایشیک آقاسی آمد. سفیر و اجزا را به ترتیبی که باید، قرار داد، اوّل ایلچی با نامه، بعد من که حامل هدایا بودم، زیردستِ سفیر، بعد سایرِ اجزاءِ زیردستِ من به ترتیب. ولی دیگر خیلی دور از تالار قطار ایستاده تعظیم کردیم. قدری پیشتر رفته باز ایستاده تعظیم کردیم. باز چند قدمی پیش رفته دفعه سوم تعظیم کردیم. و ایشیک آقاسی باشی معرّفی کرده. پس کفشها را بیرون کرده ازین جا پایِ برهنه واردِ اُطاق شدیم. میرزا شفیع صدرِ اعظم نامه را از دستِ سفیر گرفته خدمتِ پادشاه گذاشت. بعد پادشاه اِذنِ جلوس به سفیر داده. او نشست. و این اوّل مرتبه بود که سفیرِ دولتِ خارجه در حضور پادشاهِ ایران جلوس نمود. و سایر اجزاءِ سفارت عقبِ سرِ ما صف کشیده ایستاده بودند. و پادشاه رویِ تختِ مخصوصی معروف به تختِ طاؤس جلوس فرموده بودند. بعد از مدّتِ نیم ساعت ما را مرخّص کرده، بیرون آمدیم.

اگرچه رفتار و گفتارِ وحشیانهٔ آن سفیر مذکور قبل را که در ۱۱۳۴ دُرّی آفندی نام عثمانی شرفیاب حضور شاهِ سلطان حسین شده بود. نخواستیم بنگاریم. ولی محض تطبیق و تقابُل و سنجیدن دو مامور را حدِّ انسانیّت و معقولیّت

و ادب و تربیت، لابُد شُدم این دو کلمه را باز بنگارم و ارباب بصیرت را به تفاوتِ اشخاص بات و متحیّر بدارم. که دُرّی آفندی خود نگاشته است *

در عمارت از اسب پیاده شده واردِ تالار شُدم. شاهِ سُلطان حسین در محاذیِ دربِ ورودِ تالار رُویِ مسندِ زرتار مُرصّع مروارید دوزی رُویِ زمین به تخت نشسته در یمین و یسار وزرا و وُلات ایالات و اُمرا و بیگلربیگیان صف زده بعضی ایستاده بعضی نشسته، و زیاده از سی نفر از سران و سردارانِ قزلباش، همه با لباسهای مُلوّن و سلاحهایِ مشعشع در دو طرف تالار صف زده حاضر بُودند. ایلچی از میانِ اینها گذشته، بدونِ اعتنا به احدی، مغروراً رُوبشاهِ سلطان رفته. آن روز عمّامه از پارچهٔ خانه‌دار بر سر داشتم. زیرا که اهلِ قلم بُودم. و ایشان را ازین پارچه عمّامه بایستی. و خرقه دوشم بطانه اش خزَ و یقه اش سمور بُود. دو قدم به تخت گذاشتم. با دست اشاره به زمین کرده من به رسمِ خودمان تعظیم کردم و سلام دادم. وزیر اعظم فتح علیخان اعتماد الدّوله، دو مرتبه خواست نامه را از دستِ من گرفته به بادشاه بدهد، اعتنا نکردم. خود سُلطان هم دو مرتبه دست دراز کرد، بگیرد. اعتنا نکرده

نه دادم - دست به عقب کشیدند - تا خطبه را تمام کردم - بعد زانو به زمین زده آن وقت بدست شاه دادم" باری سه بہ بین تفاوت ره از کجاست تا به کجا +

تهران (انجمن آرا میفرماید) شهریست معروف و به خوش ییلاقی موصوف، وقتی از اجزاء مملکت ری بوده - و ری نیز بقدمت بنیان، و کثرت اجماع بنی نوع انسان، و ازدیاد نعمت، و وفور حرفت، و تشکل صنائع، و تکمیل بدائع، از مدائن عظیمهٔ ایران و اغلب دار الملک سلاطین عظیم الشان جلیل القدر بوده - گویند نخست حضرت شیث بن آدم آنجا را بنا نهاده، و بعد هوشنگ شاه پیشدادی بر عمارتش افزوده، و در زمان نوذر به بعد از آمد و شد سپاه توران و جنگ و غلبه های بر ایران خرابی و ویرانی بدانجا راه یافت - و باز آباد شده جمعیت و نعمت و صنعتش زیاده گردیده - دیگر بار افراسیاب ترک سلطان توران بالشکر بے شمار[1] ترکان به تاخت و تاز ایران آمده، منوچهر در قلعهٔ طبرهٔ ری که بر بالای کوه بود، و اطرافش قلعه های سخت و حصار و بروج مستحکم داشت مدتی محصور نمود و خرابی بسیار به آن ولایت رسید - تا آخر الامر منوچهر

[1] بے شمار ۰

و اتباعش شبانه از شهر بتره بیرون آمده از راه لارجان، که همان جادهٔ کمر و سرکوه معروف به هزارپی و ازارپی باشد، به رستمدار و رویان رفتند. و در قلعهٔ مور، که در ولایت رویان و کجور بود، و بحصانت و متانت معروف و موصوف، تحصن جستند. و اطراف خود از آب رودخانه خندقی چون دریای آب بستند. تا بعد از مدت ها، که افراسیاب از محاصره و توقف خود و تحصن منوچهر کسالت بهم رسانید، قرار بر مصالحهٔ تعیین سرحد ایران و توران دادند. و جیحون را ثغر و حد قبول نمودند. و افراسیاب مراجعت کرد. و منوچهر از تبرستان برگشته آن شهر را باز تعمیر و مرمت کردند. بعد ها باز رو به خرابی و ویرانی نهاد. چه کیقباد و کیکاؤس بجانب نشاپور میل کردند. و تختگاه ایشان در آنجا، که ایرانشهر می نامیدند، استقرار یافت. پس از ایشان کیخسرو همه عمر به خون خواهی پدر در لشکرکشی و سفر بود. و بعد از واگذاشتن سلطنت ایران بلهراسپ، مرکز سلطنت را بلخ کرد، چندان بکار شهر ری نپرداختند. تا غلبهٔ عرب بر عجم و آن ویرانی های که بتمام ایران رسید. تا لوای اقتدار و جهان گیریٔ خلفاء عباسی سر به مهر و ماه کشید. مهدی عباسی در احیاء عمارت آن شهر کوشید. تا زمان هجوم لشکر تاتار

به امرِ چنگیز خان به قتلِ عام خراب شُد ـ و دیگر صورتِ آبادی نگرفت تا به عهدِ سلاطینِ مغول، باز کمالِ آبادی یافت و معمور شد *

شیخ نجم الدّین رازی صاحب مرصاد العباد نوشته:

" رَی که مسقط الرّأسِ من است در فتنۀ چنگیز خانی هفصد هزار نفر از مردمانِ معتبر و معروف به قتل رسید ـ و گُنبدی که در رَی کهنه بُود هنوز برپا است ـ بعضی مقبرۀ طغرل سلجوقی دانسته اند، خطا ست، بدلیل اینکه وَی را که کُشتند ـ سرِ اُو را به بغداد بُردند ـ و تنِ اُو را بر شتری بسته بزدِ تکشِ خوارزم شاه آوردند ـ و آخرین سلسلۀ سلجوقیان بُود ـ و این بنا قبرِ فخرالدّوله دیلمی است ـ که شب در قلعۀ تبرکِ رَی که بر فرازِ کوه بُود و اطرافش قلعه ها و بروجِ محکمه پشت بندِ سخت بُوده است، و به چشمۀ آب و باغات و اشجارِ فراوان از هر جهت آراسته و مستغنی بُود، به استراحت پرداخت ـ شبی شراب زیاد و گوشت بسیاری خورده خفه گردید ـ ولی این کهنه رُباطی است، که از هر طرفش راهی به بیابانِ عدم خواهد بُود ـ لهذا اولاد و کسانش نعش اُو را دفن کرده، این بناءِ محکم را بر سرِ قبرش ساختند ـ که هنوز بر جا ست * شاهِ اسمٰعیل صفوی و شاهِ طهماسب چُون قزوین را پایۀ تخت

و دار الملک کرده بودند. غالباً شاه طهماسپ به زیارتِ مزارِ
فائض الانوار حضرت سید جلیل نبیل شاهزاده عبد العظیم
ابن عبد الله الحسینی قریبِ طهران مشرّف می شدند. و در
طهران قدری توقف می فرمودند. اندک اندک صورتِ آبادی
یافت. و به امرِ او سور، و شهری و حصاری بر گردِ او کشیدند.
و برج و بارو بر افراختند. و حاکم تعیین فرمودند. خاصه در
زمانِ شاه عبّاس که به مازندران آمد و شد می فرمودند،
از اینجا عبور زیاد می شد، تهران آبادی گرفت و معمور شد.
و از اطراف و اکناف بحکمِ علیکم بسوادِ الاعظم در آنجا
جمعیّت شد *

و در اوائلِ دولتِ ابد مدّتِ قاجاریه بملاحظه قرب و
جوارِ استرآباد و مازندران، طهران پایِ تخت و مرکزِ سلطنت
شد. و روز بروز روی به ترقّی نهاد. و عماراتِ عالیه و مساجد
و حمّامِ خوب و بازار و سراهایِ مرغوب افراخته و ساختند.
و مسقط الرّأسِ فقیر نیز در این شهر است. در سنه ۱۳۰۰ که
مشغولِ جمعِ نفائسِ این موزهٔ نفیس هستم. و خارج شهر
به یمنِ همّت و میمنت تختِ سلطنت بلند تخت حضرت
شاهنشاه ناصر الدین الله (ناصر الدین) چندان صورتِ آبادی
و وسعت و نعمت و جمعیّت یافته، که کمتر شهری از شهرهایِ

ممالکِ ایران بهشت نشان بدان خوبی و وسعت و فراوانی و انواعِ نعمت و جمعیّت انسانی می باشد * خاصه دَورِ آبادی و عمارات و باغات اطرافِ شهرِ قدیم را هم که خندق و حصارِ جدیدی کشیده تمام یک پارچه شهر گردیده که چندین مقابل وسیع تر و بزرگتر گردیده - از فرطِ صفاءِ هواءِ باغات و سبزه و اشجار خانها و استخرهای متعدّد هر نقاط و زیادی قنوات از تعریف و توصیف بیرون است - و خیابانهایِ وسیع طولانی و کارخانجات و صنائع و حرفش از حدّ و حصر افزون است - بطوری عالی و مُصفّا شده که رشکِ نگار خانۂ چین، و برتر از سپهرِ برین است - نوشته اند - که سابق بر این تمام خانه ها و منازلِ شان در زیرِ زمین بوده که غُربا ابداً بدآن جا پَی نمی بردند، و از علامات چُنین هم می نماید *

انتخاب از تُوزکِ بابری

(مُدّتِ تصنیف ۸۹۹ھ تا ۹۳۷ھ)

[۱- از ہرات بکابُل در سرمای سخت]

سُلطان حسین میرزا والیِ خراسان بجہتِ دفعِ محمّد شیبانی خان عزم جزم کرده تمام پسرانِ خود را طلبیده بود و بابر را ہم از کابُل طلب کرده، در اوائل ۹۱۲ھ (اواسط ۱۵۰۶ء) بابر را که در راهِ خراسان بود خبر فوتِ سلطان حسین مرزا رسید، باوجود این خبر ناموسِ خانوادۂ تیموری را ملاحظه نموده بجانبِ خراسان متوجّه شد و به ہرات رسید، میرزایانِ خراسان قرار دادند که آن زمستان ہر کدام در جایِ مناسبی قشلاق کند و در تابستان جمعیّت نموده بدفعِ غنیم متوجّه شوند، بابر را ہم تکلیف

قیشلاق کردن در نواحی خراسان کردند، امّا او باوجودِ سختی سرما از هرات به کابل روانه شد،

"قیشلاق اینجا باید کرد" گفتهٔ محمد برندوق[1] و ذوالنون بیگ[1] بجد سعی ها می کردند، و اسباب قیشلاق و جایِ آنرا خوب سامان نمی دادند زمستان شد، در کوهستانی، که درمیان بوده، برف ها بارید- از طرف کابل هنوز دغدغه بیشتر شد. اینهانی جای را بجهت قیشلاق سامان می دهند، نی در جایِ بسامانی قیشلاق میفرمایند، آخر ضرورت شد، صریح گفته نتوانستم، به بهانهٔ قیشلاق از هری در هفتم شعبان [۹۱۲ھ = ۲۴ دسمبر ۱۵۰۶ع] برآمده در نواحی بادغیس در هر یورت یک یک روز دو دو روز توقّف کرده، کوچ همی کردیم، تا مردمی که بجهت تحصیل و کار و مهم بولایات رفته اند، آمده همراه شوند، آن مقدار مکث و درنگ شد که بعد از گذشتن از لنگر میرغیاث در کوچ دوم یا سیوم ماه رمضان دیده شد، تا ازآن جماعت که بجهت کار و مهم رفته بودند، بعضی از ایشان آمده همراه شدند- بعضی ها بعد از بیست روز یک ماه در کابل آمدند، و بعضی ها مانده، نوکرِ میرزایان[2] شدند، ازین جمله سیدیم علی دربان بود، آنجا مانده

---

[1] از اُمراء سُلطان حسین میرزا مرحوم ٭

[2] یعنی پسرانِ سُلطان حسین میرزا ٭

نوکر بدیع[۱] میرزا شد، از نوکرانِ خسرو شاه هیچ کس را مثلِ او رعایت نه کرده بودم، در وقتی که جهانگیر میرزا غزنی را پرتافته برآمد، غزنی بسیدیم علی داده شده بود و برادرِ زنِ خود دوست انگو شیخ را در غزنی مانده، خود به لشکر آمده بود، فی الواقع درمیان دو نوکران خسرو شاه ازین دو کس، که سیدیم علی دربان و محبّ علی قورچی باشند، بهتر کسی نبود، سیدیم اخلاق و اطوار خوب داشت، در شمشیرِ خود بسیار مردانه مردی بود، و خانهٔ خود بی مجلسی و صحبتی نبود، سخاوت بسیاری داشت، عجب بکفایت و بساماں کسی بود، ظرافت و لطافتِ او رنگین، و اختلاط و حکایتِ او شیرین بود، خوش خلق و حرّاف و هزّال مردی بود، عیبش این بود که ... فاسق ... بود، در مذهبش هم انحرافی بوده یک چیزی منافق شیوه طور کسی بود، بعضی نفاق او را بهزل حمل می کنند، امّا بی چیزی هم نبوده، بدیع الزّمان میرزا در وقتی که هری را بدستِ غنیم داده پیش شاه بیگ می آمده است بجهتِ گفتنِ سخنِ منافقان درمیان، شاه بیگ میرزا و میرزا سیدیم علی را کشته در آب هیرمند انداخته است، حکایت محبّ علی در ذیل وقائع خواهد آمد،

[۱] پسر سلطان حسین میرزا که به شرکتِ برادرِ خود مظفّر حسین میرزا جانشینِ پدرِ خود شده در هرات ✤

از لنگر میر غیاث گذشته مواضع کنار غرجستان را زیر کرده پچچران آمدیم، در وقت از لنگر گذشته بنواحیِ پچچران رسیدیم- پیوسته برف بود، هر چند که می رفتیم برف بلندی تر می شد، در نواحیِ پچچران خود برف از رانِ اسپ بلند تر بود، پچچران به ذوالنّون بیگ تعلّق داشت، میرک جان ایردی نام نوکر او آنجا بود، جمیع غلهای ذو النّون بیگ را بها داده گرفته شد- چون از پچچران گذشتیم بعد از دو سه روز برف بسیار لبیار شد- از رکاب اسپ بلند تر بود، در اکثر جاها پایِ اسپ به زمین نمی رسید، دیگر برف همیشه می بارید، چون از چراغ دان[1] گذشتیم، هم برف بلند بود هم راه نامعلوم شد، در نواحیِ لنگر میر غیاث به کابل به کدام راه رفتن خود را کنگاش نموده شد، من و اکثری برین بُودم که زمستان است، براه قندهار، اگرچه اندکی دُور تر است، امّا بی تردّد و دغدغه رفته می شود- راهِ کوه دغدغه و تردّد است، قاسم بیگ آن راه را دُور و این راه را نزدیک گفته بسیار جهل کرد، آخر به همین راه شدیم،

سلطان نامی پشائی راهبر بود، نمی دانم از پیریش بود، یا از دل پایی دادن، یا از بسیاری برف بود، باری راه گم

پچچران

اوزنگوی

---

[1] در وادی هری رود بالا ٭

کرد و سر نتوانست کرد، چون به سعی قاسم بیگ باین راه شده بودیم، قاسم بیگ به ناموس افتاده خود و پسرانش فرود آمده، و برف ها را زیر کرده، و راه پیدا کرده پیش می رفتند. و یک روز که هم برف بسیار بود و هم راه نامشخص، هر چند سعی کردیم نتوانستیم راه رفت، چارهٔ نیافته و برگشته بر جای که هیزم بسیار بود فرود آمده، شصت هفتاد جوان خوب را تعین کردیم، که بهمین راهی که آمدیم، همین پی را زیر کرده و برگشته در پایان قولها از هزاره، و مردم دیگر که قشلاق نموده باشند، راهبری ازبرای راه سر نمودن پیدا کرده بیارند، تا آمدن آنهای که به اردو رفته بودند، سه چهار روز ازین منزل کوچ ننمودیم، رفتها هم راهبر خوبی نتوانستند آورد، توکل کرده سلطان پشائی را پیش انداخته، به همین راهی، که راه نیافته برگشته بودیم، روان شدیم، درآن چند روز تشویش ها و مشقتهای بسیار کشیده شد، چنانچه در مدت العمر این قدر مشقت کم کشیده شده بود، . .

نزدیک بیک هفته برف زیر کرده از یک کروه و نیم کروه زیاده کوچ نمی توانستیم کرد، برف زیر کننده من بودم با ده پانزده نزدیکی، و قاسم بیگ بود و دو پسرش تنگری بردی و

قول = A broad open valley between mountians

قنبرعلی با دو سه نوکرش - اینها، که مذکور شدند، پیاده گشته برف زیر می کردیم، در هر قدم نهادن تا کمر و تا سینه فرو رفته برف زیر میکردیم، بعد از رفتنِ چند قدم، عمل شخصی که پیشتر بود، سوخته می ایستاد، دیگر پیش می گذشت، این ده پانزده کسی، که برف را زیر میکردند، آن قدر می شد که اسپ خالی را کشیده می شد و این اسپ خالی که کشیده می شد و تا خوی گیر فرو رفته تا ده پانزده قدم راه رفته مانده می شد، این اسپ را بگوشه کشیده، یک اسپ خالی دیگری را پیش کشیده می شد، (به همین دستور همین ده پانزده بیست کس برف زیر کردیم - اسپان همین ده پانزده کس پیش کشیده میشد) دیگر تمام جوانانِ خوب و جماعت، که امرا نام داشتند، از اسپ خود فرود نیامده در راه طیّار کوفته زیر کرده درآمده، سرهای خود را پایان انداخته می آمدند - محل آن نبود که به کسی تکلیف و زوری توان کرد، هر کسی را همتی و جرأتی باشد، این طور کارها را خود طلبیده می کند، به همین طریق برف زیر کرده و راه ساخته از وبجوکان نام جای در سه چهار روز در پایان کوتل زرّین بخوال[1] قوتی نام خوالی آمدیم، همین روز غریب چاپقونی[2] بود برف می بارید، چنانکه بهمه وهم مُردن غالب شد، (مردمِ آن کوهستان غارها و

[1] بمعنی غار مبارک ✤ [2] چاپقون بمعنی باد و باران است ✤

کاواکها را خُوال میگویند) در وقتِ رسیدنِ این خوال چاپقون بغایت تیز شد، در کنارِ همین خوال فرود آمده شد، برف بلند و راه یکرِیمه، براه کوفته و زیر کرده هم اسپ بحیله می رفت، روز ها بغایت در کوتاهی، مردم پیش در روشنیِ روز در پیشِ این خوال آمدند تا نمازِ شام و نمازِ خفتن مردم از آمدن ماندند، بعد از آن هرکس هر جا که ایستاده بود، در همان جا فرود آمده، مردم بسیاری بر بالای اسپ صباح کردند، خوال تنگ نمود من در دهنِ خوال پارُوی[1] گرفته برف را روفته از برایِ خود برابر نمد تکیه جائی ساختم، برف را تا سینه کافتم هنوز بزمین نمی رسید، اندکی از باد پناه شد، همان جا نشستم. چندی بگفتند که درمیان خوال بروید، نرفتم، در خاطر گذشت که همه مردم در برف و چاپقون و من در خانه گرم و در استراحت، همه الوس در تشویش و مشقّت اینجا من در خواب بفراغت، از مروّت دُور و از هم جنتی بر کنار کاریست، هر تشویش و مشقّت باشد به بینیم، هر طور مردم طاقت آوردند بایستند، ماهم بایستیم، یک مثلِ فارسی ست که "مرگ به یاران عید است" در آن طور چاپقون در چوقوری[2] که کافته و ساخته

[1] پارُو = Shovel ; Spade

[2] غار خرُد = dugout , pit

بودم، نشستم، تا نمازِ خفتن برف آن چنان زور آورده ببارید که من بر سرِ پا نشسته ماندم، بر سرِ من و پشت من و بر گوشهای من چهار انگشت برف نشسته بود، همان شب در گوشِ من سرما تاثیر کرد، نمازِ خفتن، جماعت که غار را خوب ملاحظه نمودند، فریاد کردند که خوال بسیار فراخ است، تمام این مردم را جا می شود- این را که شنیدم، برف را، که بر سر و روی من بود، افشانده در خوال در آمدم، جوانانی را که در نواحی خوال بودند هم طلبیدم از برای پنجاه شصت کس بفراغت جا پیدا شد، آزوق[1] و یخنی و قاوورداغ[2] و هر چیز که حاضر بود، از هر که بود، آوردند، درین طور سرد و برف و چاپقون در عجب جای گرم و امن بفراغتی آمدیم-

صباح آن برف و چاپقون ایستاد، پگاه کوچ کرده بهمان دستور سابق برف زیر کرده و راه ساخته بر بالای دابان[3] بر آمدیم، راه خود در نهایت تندی بالا می بر آمده- کوتل زرّین می گفته اند تا بالا نه بر آمده به پایان دره روان شدیم پیش از آنکه بپایانِ دابان برسیم، روز به آخر رسید- در دهنه دره منزل کردیم- آن شب سرمای عظیم بود به مشقّت و صعوبت بسیار آن شب را گذرانیده شد، دست و پای کس بسیار را

[1] توشه + [2] Viands roasted in grease + [3] بمعنی کوه +

سرما برد، پای گیپه را دست سیوندوک ترکمان را و پای اخچی را همین شب سرما برد، صباح پگاه بپایان دره روان شدیم باوجود این که می دانستیم که این راه نیست، دیده و دانسته توکّل کرده پایانِ دره روان شدیم۔ از جاهای بدو اوچمه ها فرود آمدیم۔ و نماز شام بود که از دهنه دره برآمدیم ۞

هیچ پیر کهن و کلان سال یاد ندارد که از این کوتل در وقتی که برف این قدر کلان باشد کسی گذشته باشد، بلکه درین فصل معلوم نیست که عبور نمودن ازین کوتل در دلِ کسی گذشته باشد۔ اگرچه از بلندی برف چند روزی خیلی تشویش دیدیم، امّا آخر بسبب همین برفِ بلند خود را به منزل رسانیده شد۔ چراکه اگر این مقدار برف بلند نمی بود از آن چنان بی راهه و اوچمه که می توانست گذشت۔ بلکه اگر برف بلند نمی بود در اوچمه اوّل اسپ و شتر و مردم تمام می ماند۔ ۵

هر نیک و بدی که در شمار است　تا درنگری صلاحِ کار است

نمازِ خفتن بود که در یکه اولانگ فرود آمدیم، مردم یکه اولانگ در وقتِ فرود آمدن از ما خبر یافتند و ما را بخانهای گرم بُرده گوسفندهای فربه از برای ما آوردند و از برای اسپان کاه و جو

۵ Steep mountain sides; here apparently the Bakkar pass is referred to.

بی نهایت جمع شد و هیزم و سرگین را نهایتی نی ، از آن چنان سرما و برف خلاص شده این چنین ده و خانهای گرم یافتن، از آن چنان مشقّت و بلاها رهائی یافته آن چنان نان بسیار و گوسفندهای فربه یافتن حضوریست، که این چنین مشقّت کشیدگان می دانند، فراغتی است، که این چنین بلا گذراندگان می شناسند. خاطر جمع و دل آسوده یک روز در یکّه اولانگ توقّف کردیم. و از یکّه اولانگ کوچ نموده دو فرسنگ راه آمده فرود آمدیم، صباح[1] آن عید رمضان شد ، از میانِ بامیان گذشته و از کوتل شبرتو فرود آمده به جنگلیک نرسیده فرود آمده شد.

هزارهٔ ترکمان باکوچ ها و مالهای خود بر سرِ راه قشلاق کرده بودند و از ما اصلا خبر نداشتند، صباح آن کوچ نموده درمیانِ آغیل[2] ایشان و الاچوق های ایشان درآمدیم، دو سه آغیل بتاراج رفت، دیگران خانها و روزگارِ خود را برتافته فرزندانِ خود را بکوه کشیدند. . . . . [مردم] هزارها را دنبال کرده برکوه برآمدند و مثل آهوی شکاری پیش انداخته شکار کردند . . . . . پیشترک گذشتیم، از بلندیها و

[1] یکم شوال ۹۱۲ھ (= ۱۴- فروری ۱۵۰۷ء) ، [2] آغل بمعنی آغال و آن جای باشد که درکوه و صحرا بجهت خوابیدنِ گوسفندان سازند، [3] huts = کاشانه *

پستی های کوهستان گذشته، اسپ و گوسفند هزارها را پیش انداخته، به لنگر تیمور بیگ آمده فرود آمدیم ....

از لنگر سوار شده در برابر اشترشهر فرود آمده شد، ازآنجا پگاه سوار شده، نزدیک بشب از تنگی غوربند برآمده برسرپل فرود آمدیم، اسپان را خنک کرده وآسوده ساخته، نماز پیشین از سرپل سوار شدیم. تا تو تقاول[1] رسیدن برف نبود، چون ازین مقام گذشتیم، هر چند رفتیم، برف بلند تر شد، درمیان ذمه بخشی و منار سرما آن چنان بود که مدّت العمر آنچنان سرما کم دیده شده بود ...... از کوه منار گذشته در دامنه فرود آمده از سرما بی طاقت شده آتش ها روشن ساخته، خودها را گرم ساختیم .... صبح نزدیک بود که از دامنهٔ کوه منار سوار شدیم، درمیان کابل و منار برف تا رانِ اسپ بود، همه جا برف گرفته بود، کسی را که راه می برآمد، به تشویش می گشت، این میانِ را تمام در برف فرو رفته آمدیم، ازین جهت در وقتِ فرض به کابل به حیلهٔ تمام رسیدیم۔

---

[1] Lit-pass ; passage.

[۲- جنگ پانی پت]

از انجا[۱] کوچ کرده بر انغار[۲] جوانغار[۳] غول[۴] یسال راست ساخته "دیم" دیده شد- [دیم، رسمی است که مردم لشکر را سوار کرده کمانی یا چابقی بدست گرفته، بدستوری که درمیان ایشان مقرر است، لشکر را تخمین نموده، از روی آن حکم می کنند که این مقدار لشکر خواهد بود] آن مقدار که قیاس می کردیم آن مقدار لشکر در نظر نه درآمد، در منزل فرمان شد که جمیع مردم لشکر فراخور حال خود ارابه سازند، هفت صد ارابه شد، به اُستاد علی قلی فرمان شد که بدستور روم درمیان ارابها بجای زنجیر، از خام گاو ارغامچی[۵] ها تافته، بیک دیگر به بندد، درمیان دو ارابه شش هفت تورا[۶] باشد، تفنگ اندازان درعقب این ارابها و تورها ایستاده تفنگ اندازند. بجهت ترتیب این اسباب، پنج شش روز در منزل توقف شد- بعد از طیار و مکمل شدن این اسباب تمام امرا و جوانی را هم، که سخن می دانستند، بکنگاش طلبیده کنگاش

[۱] یعنی از منزلی که بر کنار رود جون [جمنا] بود، در اواخر جمادی الاولی ۹۳۲ھ) بابر از شاه آباد (ضلع انباله) یک کروه درمیان کرده در کنار دریای جون روبروی سرساوه (ضلع سهارنپور) فرود آمده بود، از آن منزل کنار دریا را گرفته پایان رویه چند منزل کرده بود، حالا از انجا کوچ کرده سوی پانی پت می آمد، [۲] the right wing. [۳] the left wing. [۴] the centre. [۵] ropes; cords. [۶] mantlets.

عام کرده، رای ها برین قرار گرفت، که پانی پت شهریست محلات[1] و خانهای بسیار دارد، یک طرف خانها می شود، اطراف دیگر را هم به ارابه و تورا مضبوط کرده تفنگ انداز و پیاده از عقب ارابها و توراها تعین می باید کرد- باین قرار کوچ نموده و یک منزل درمیان کرده روز پنجشنبه سلخ[2] جمادی الآخر [سنه ۹۳۲ھ] به پانی پت آمدیم،

دست راست محلات و شهر شد، پیش ما ارابها و توراها که ترتیب داده بودیم شد، در دست چپ و بعضی جاها خندق و شاخ شد، و هر یک تیرانداز جا آن مقدار که صد، صد (و) پنجاه کس برآید، جا گذاشته شد- بعضی از مردم لشکر خیلی متردد و متوهم بودند، توهم و تردد بی تقریب است- آنچه الله تعالیٰ در ازل تقدیر کرده است، دیگر نمی شود- اگرچه آنها را هم عیب کرده نمی شود، حق بطرف ایشان بود- چراکه از وطن دو سه ماهه راه آمده شده بود، به غریب قومی کار مردم افتاده بود، نی ما زبان آنها را می دانستیم، نی آنها زبان ما را۔

پریشان جمعی و جمعی پریشان گرفتار قومی و قومی عجائب[3]

لشکر حاضر غنیم را یک لک تخمین می کردند- فیل او را و امرای او را نزدیک بهزار فیل می گفتند که هست، از دو پدرش[4] مانده

۱ـ suburbs ، ۲ـ ۱۲- اپریل سنه ۱۵۲۶ع +

۳ـ شعر از سلمان ساوجی است + ۴ـ یعنی سکندر و بهلول +

خزینۂ خود در دستش بود۔

در ہندوستان یک رسمی است در وقت این چنین کار افتادن ہا زر داده بمیعاد نوکر می گرفته اند، این مردم را بدہند[1] می گویند۔ اگر اینچنین خیال میکرد یک دو لک ہم نوکر می توانست گرفت، اللہ تعالیٰ راست آورد، نی جوانانِ خود را راضی توانست کرد نی خزینۂ خود را توانست قسمت کرد۔ جوانانِ خود را چگونه راضی توانست کرد که امساک بر طبیعتش بسیار غالب بود و خود به جمع نمودنِ زر بی حد طالب۔ بی تجربه جوانی بود، نی آمدنِ او به سرانجام بود نی رفتنِ او، نی ایستادنِ او باہتمام، نی جنگ کردن۔

در آن فرصت، که در پانی پت اطراف و جوانب مردم لشکر به ارابه و شاخ و خندق مضبوط و مرتّب کرده می شد، درویش محمد ساربان به عرض رسانید که اینمقدار احتیاط که شد او چه امکان داشته باشد که اینجا بیاید، گفتم که تو اینها را به خانان و سلطانان اوزبک قیاس می کنی؟ آن سال[2] که از سمرقند برآمده به حصار آمدیم، جمیع خانان و سلطانان اوزبک اتّفاق کرده به عزیمت آمدن بر سر ما، که از دربند گذشتند، ما کوچ و مال و جمیع مغول و سپاہی را در محلّات در آورده، محلّات کوچه بند کرده مضبوط ساختیم، چون آن خانان و سلطانان حساب و یراغ ایستادن و رفتن را می دانستند دیدند که مُرده

[1] اصل: بدہند + [2] در سنه ۹۱۸ھ = ۱۵۱۲ء +

و زنده را در حصار دیده حصار را مضبوط کرده ایم. حساب آمدن بر سر ما را نیافته از تونداک[1] برگشتند، اینها را با آنها تشبیه مکن حساب کار را و یراغ رفتن را کجا می دانند. خدا راست آورد، همان طور که من گفته بودم شد.

هفت هشت روزی که در پانی پت بودیم. کم کم کس ها رفته بر دائرهٔ او و مردم بسیار او، تیر می باریدند، آنها هیچ حرکتی و جنبشی نمی کردند، آخر به رای بعض امرای دولت خواه هندوستانی عمل کرده مهدی خواجه و محمّد سلطان میرزا و عادل سلطان و خسرو شاه و میر حسین و سلطان جنید برلاس و عبدالعزیز میر آخور و محمّد علی جنگ جنگ و قتلق قدم و ولی خازن و محب علی خلیفه و محمّد بخشی و جان بیگ و قراگوزی امیر سرداران را با چهار پنج هزار کس به شبخون فرستادیم، اتّفاق خوبی نتوانستند کرد، و پریشان رفته، کار رسیده نه کردند، صبح کرده تا وقت روشن شدن نزدیک بدائرهٔ غنیم بودند، مردم غنیم هم نقاره های خود را نواخته فیلهای خود راست کرده برآمدند. اگرچه کاری نتوانستند کرد، امّا بآن مقدار کس بسیاری درآویخته هیچکس را نگیرانده سالم و سلامت برآمدند، در پای محمّد علی جنگ جنگ تیر رسیده، اگرچه مهلک نبود امّا روز جنگ بکار نیامد، این خبر را یافته، همایون را با لشکرش یک کروه، یک و نیم

[1] نواح چغانیان ٭

کروه پیش و از ایشان فرستاده، خود هم با لشکر مانده راست
کرده بر آمدم، شبخون رفتگان با همایون همراه شده آمدند۔
چون کس غنیم پیشتر نیامد ماهم برگشته فرود آمدیم، درین
شب در اردو غوغای غلطی افتاده تا نزدیک گزی سوران بود
و غوغا بود به مردمی که اینچنین غوغاها ندیده بودند خیلی تردّد
و توہّم شد، بعد از یک زمانی غوغا بر طرف شد،

[روز جمعه هشتم ماه رجب] وقت فرض از قراول خبر آمد
که غنیم راست کرده می آید، ماهم جیبه[۱] پوشیده و براغ بسته
سوار شدیم۔ بر انغار [و جوانغار و دست راست غول و
دست چپ غول و ایراول[۲] فلان فلان بود]، عبد العزیز
میراخور را طرح[۳] تعین کرده بودیم، در اوچ[۴] برانغار ولی قیزیل
و ..... را با مغولانش بتولغمه[۵] مقرّر کردیم، در اوچ[۶] جوانغار
قراقوزی و [فلان و فلان] را بتولغمه راست ساختیم که بمجرد
نزدیک رسیدن غنیم از عقب او بگردند۔

در وقت نمودار شدن سپاهی غنیم بطرف برانغار میں او

---

[۱] پیمانه جریب، [۲] the advance، [۳] the reserve، [۴] the point of the right wing، [۵] the turning party; Troops posted in ambuscade, for turning the enemy; action of turning the flank of the enemy. = فوجیکه از عقب غنیم بر آید .... [۶] the point of the left wing،

بسیار بود ازین جهت عبد العزیز را، که در طرح معیّن بود، به برانغار کومک فرستاده شد، سپاهی سلطان ابراهیم، که از دُور نمودار شد، هیچ جا درنگ ننموده تیز می آمد. پیشتر که آمد سپاهی ما که به آنها نمودار شد این ترتیب و یسال را که ملاحظه کردند حصر شده، بایستم نابیستم بیایم نبایم طور کرده، نی توانست ایستاد، نی مثل پیش بی درنگ توانست آمد،

فرمان شد که مردمی که در تولغمه تعیّن شده بودند از دستِ راست و دستِ چپ از عقبِ غنیم برگشته، تیر گذاشته، بجنگ مشغول شوند. برانغار و جوانغار هم رفته بغنیم برسند، مردم تولغمه از عقبِ غنیم گشته تیر گذاشتن گرفتند، از جوانغار مهدی خواجه پیشتر رسید، از روبروی مهدی خواجه یک فوج با یک فیل آمد، اینها هم تیر بسیاری گذاشته آن فوج را گرداندند، بکومک جوانغار از غول احمدی پروانچی [و فلان و فلان] را فرستاده شد، در برانغار هم جنگ قائم شد. به محمدی کوکلداش [و فلان و فلان] فرمان شد که در پیشِ غول از روبرو رفته بجنگ مشغول شدند، اُستاد علی قلی هم پیشِ غول چند مرتبه خوب فرنگیها[1] انداخت، مصطفیٰ توپچی از دستِ چپ غول ضرب زنها انداخت، برانغار جوانغار و غول و تولغمه گرداگرد غنیم را گرفته شیبه[2] گذاشته

[1] field-cannon، [2] تیر باران = Shower of arrows

بجد بجنگ مشغول شدند، یک دو مرتبه بطرف برانغار و جوانغار کوتاه حملها کردند۔ مردم ما تیر گذاشته به ضرب شیبه باز درغول انداختند، دستِ راست و دستِ چپ غول همه دریک جا جمع شده آنچنان غلو شده که نی پیش توانستند آمد، نی راه گریختن توانستند یافت۔

آفتاب یک قد نیزه برآمده بود که انگیز جنگ شد۔ تا نیم روز شدن ضرب جنگ بود۔ نیم روز شده بود که اعدا مغلوب و مقهور و احبّا مبتهج و مسرور شدند بفضل خود و کرم اللہ تعالیٰ این چنین کارِ دشواری را بما آسان کرد و آنچنان لشکر بسیاری را در نیم روز بخاک یکسان کرد، پنج شش هزار کس نزدیک ابراهیم دریک جا به قتل رسیده بودند، دیگر هر جا مُردها را درین معرکه پانزده شانزده هزار کس تخمین می کردیم۔ در وقت آمدن آگره، از تقریر مردم هندوستان، معلوم شد که چهل پنجاه هزار کس درین معرکه مُرده بوده اند۔

یاغی را زیر کرده فرود آورده، روان شدیم، از پیش رو اُمراءِ فرود آورده را و اُوغانان را آوردن گرفتند، خیل خیل فیلان را با فیلبانهای آنها آورده پیشکش کردند۔

از عقبِ غنیم رفته از تابین خاصه قسمتهای مرزا و بابا چهره و بوچکه را با همراهانش ابراهیم را برآمده خیال

کرده قاوغونچی[1] تعین کردیم که تا بآگره رسیدن به تعجیل رفته خود را بآنجا رسانند، از میانِ اُردوی ابراهیم گذشته سراچها و خانهای او را سیر کرده در کنارِ سیاه آبی فرود آمدیم۔

نمازِ دیگر بود که طاهر تبری ..... مردهٔ ابراهیم را درمیان مردهٔ بسیاری یافته سرِ او را بریده آورد۔

همین روز همایون میرزا و خواجه کلان [و فلان و فلان] را تعین کردیم که جریده تیز گشته آگره را بدست آورده خزانه را ضبط بکنند، مهدی خواجه [و فلان و فلان] را مقرر کردیم که از پرتال[2] جدا شده یلغار نموده در قلعهٔ دهلی درآمده خزانه ها را احتیاط بکنند۔

صباحِ آن کوچ نموده یک کروه راه آمده بجهت مصلحت اسپان در کنار جون فرود آمدیم۔

دو منزل درمیان کرده روز سه‌شنبه [۱۲- رجب] مزار شیخ نظام اولیا را طواف کرده در برابر دهلی در کنار جون فرود آمده شد، همین شب چهارشنبه قلعه دهلی را سیر کرده شبش آنجا بوده صباح آن روز چهارشنبه از قلعه دهلی مزارِ پُر انوار خواجه قطب الدین را طواف کرده مقبره و

---

[1] فوجیکه برای تعاقب غنیم مقرر شود (قاوغون = تعاقب)

[2] پرتال = lit. a horse laden with personal necessaries; hence, luggage.

عمارات سلطان غیاث الدّین بلبن و سلطان علاء الدّین خلجی و منارِ او را و حوضِ شمسی و حوضِ خاص را و مقابر و باغات سلطان بهلول و سلطان سکندر را سیر کرده در اُردو فرود آمده در کشتی فرود آمده عرق خوردن شد،

شقداری دہلی را به دلی قیرنیل عنایت کرده دوست را دیوان دہلی ساخته خزانهائی که بود، مُهر کرده، در عهدهٔ اینها کردیم،

روز پنجشنبه از آنجا کوچ کرده در برابر تغلق آباد در کنار جون فرود آمده شد،

روز جمعه [۱۵ رجب] در آن منزل توقّف کردیم، مولانا محمود و شیخ زین و بعضی دیگر رفته در دہلی نماز جمعه کرده بنامِ من خطبه خواندند، بفقرا و مساکین پارهٔ زر بخش کرده به اُردو آمدند،

روز شنبه از آن منزل کوچ نموده کوچ بر کوچ عزیمت آگره کرده شد، من رفته تغلق آباد را سیر کرده در اُردو فرود آمدیم،

روز جمعه بیست و دوم رجب در محلّاتِ آگره در منزلِ فرملی فرود آمده شد *

انتخاب

از

کلیله و دمنۀ بهرامشاهی

باب السّنور و الجرذ

رائے گفت برہمن را "که شنودم داستان آن کس که، بے رویت و فکرت، خود را در دریای حیرت و ندامت انداخته، و بستۀ دام پشیمانی و غرامت گردانید۔ اکنون بازگوی داستانِ آن کس که دشمنانِ بسیار از چپ و راست و پس و پیشِ او در آیند، چنانکه در چنگال ہلاک و قبضۀ تلف اُفتند۔ پس مخرج خویش در ملاطفت و موالات یکی از ایشان بیند.... و بسلامت بہ جہد..... و اگر ازین باب میسّر نتواند شد، گرد ملاطفت چگونه بر آید، و صلح بچه طریق التماس نماید؟"

برہمن گفت: "اغلب دوستی و دشمنی ثابت و قائم

لہ گربہ، ٭ قسمی از موش،

نباشد، و هر آیینه بعضی به حوادث زمانه استحالت پذیرد.... و بسیار دوستی است که بکمال لطف رسیده باشد، و نما و طراوت آن برامتدادِ روزگار باقی مانده، ناگاه چشم زخمی اُفتد، و به عداوت و استزادت کشد، و باز عصبیتهای موروث و دشمنی هائی قدیم به یک مجاملت ناچیز گردد، و بناءِ مودّت مستحکم. و خردمند روشن رای در هر دو باب.... نه تألّف دشمن فروگذارد، و نه طمع از دوستیِ او منقطع گرداند، و نه بر هر دوستی اعتمادِ کلّی جائز شمرد. و دانای عاقبت اندیش التماسِ صلح و مقاربتِ دشمن را غنیمت پندارد، چُون متضمّن دفع مضرتی و جلب منفعتی باشد، برای این اغراض که یاد کرده شد. و هر که درین معانی وجه تدارک پیش چشم داشت، و طریق مصلحت بوقت بدید، به حصولِ غرض و نُجح مراد برسید. و از قرائن و اخوات این حکایت موش و گربه است"۔

رای گفت: "چگونه است آن؟"

گفت: "آورده اند که به فلان شهر درختی بود، و در زیرِ آن سُوراخ موشی بود. نزدیکِ آن گربهٔ خانه داشت. و صیّادان آنجا بسیار آمدندی. روزی صیادی دام بنهاد، گربه در دام اُفتاد. و موش به طلبِ طعمه از سوراخ بیرُون

رفت، ناگاه نظر بر گربه انداخت۔ چون او را بسته دید، شاد گشت۔ درین میان دید، که راسوئی از جهت او کمین کرده است۔ سوی درخت التفات نمود، بومی قصد او داشت۔ بترسید و اندیشید، که اگر باز گردم، راسو در من آویزد، و اگر پیشتر روم، گربه بر راه است۔ متحیّر شد، و با خود گفت: "در بلاها باز است و انواعِ آفت به من محیط۔ با این همه دل از خود نشاید بُرد ..... و هیچ پناهی مرا بهتر از سایهٔ عقل نیست، و هیچ کسی مرا دستگیر تر از سالارِ خردِ نے، و قوی رای به هیچ حال دهشت بخود راه ندهد، و خوف و حیرت را در حواشیِ دل مجال نگذارد۔ و مرا هیچ تدبیر به از صلحِ گربه نیست، که در عینِ بلا مانده است و بی معاونت من از آنجا خلاص نتواند یافت۔ و شاید بود، که سخنِ من بگوشِ خرد استماع نماید، .... و بر صدق گفتارِ من وقوف یابد، و از نفاق بپرهیزد، و به طمعِ معاونت مصالحت من بپذیرد" و هردو را به برکاتِ راستی نجاتی حاصل آید *

پس نزدیکِ گربه رفت، و پرسید: که حال چیست؟" گفت: "مقرون به ابوابِ بلا و مشقّت۔" موش گفت: "هرگز شنوندهٔ از من جز راست نشنوده است، و من همیشه به غمِ تو شاد بودمی، و ناکامیِ تو عینِ شادیِ خود شمردمی،

لیکن امروز در بلا شریکِ تو ام، و خلاصِ خویش در آن پندارم که بر خلاصِ تو مشتمل است۔ و در این خیانت و بدسگالی ندارم، نیز راسو را بر اثرِ من، و بوم را بالایِ درخت، می توان دید، و هر دو قصدِ من دارند، و دشمنانِ تو و من اند۔ هرگاه که بتو نزدیک شوم، قصدِ ایشان از من بریده گردد۔ ~

لقاءِ تو سببِ راحت است در ارواح
بقاءِ تو سببِ صحت است در ابدان

اگر مرا ایمن گردانی، .... با تو بپیوندم، و غرضِ من بحصول رسد، و بندهای تو همه را ببرم" .... گربه این سخن باور داشت، و دانست که چون صلاح هر دو جانب بدان مقرون است، آن را تقدیم باید کرد .... پس گفت: "واثق باش، و اعتماد کن، که هیچ کس از یافتنِ حسنات و ادراکِ سعادات از دو تن محروم تر نماند: اوّل آنکه بر کسی اعتماد نکند، و بگفتارِ خردمندان ثقت او مستحکم نگردد، دوم آنکه دیگران را از قبول روایت و تصدیق شهادت او امتناع افتد، و در آنچه نماید و گوید، خردمندان آن را خوار دارند، و من از عهدهٔ وفا و صدقِ سخن خود نمی آیم و می گویم: ~

اگر یگانه شوی، با تو دل یگانه کُنم
زعشق و مهرِ دگر دلبران کرانه کنم
وگر جفا کنی، و بگذری ز راه وفا
دو دیده تیرِ جفاءِ ترا نشانه کنم

این ملاطفت بپذیر، و درین کار تاخیر منمای، چه رستگاریِ ما ببقاءِ یک دیگر متعلّق است۔" ......

چُون گربه سخن موش بشنید، شاد گشت و گفت: "سخنِ تو بحق می ماند و من این مصالحت و مناصحت می پذیرم۔"[۱]

موش گفت: "چون من بتو پیوستم، باید که ترحیبی تمام و اجلالی بسزا رود، تا قاصدان نومید شوند و باز گردند، و من بفراغت و مسرّت بندهای تو ببرم۔" گربه گفت: "چنین کنم۔"

موش پیشتر آمد، گربه او را گرم پرسید، راسو و بُوم رفتند، و موش به آهستگی بندهای او را بریدن گرفت۔ گربه گفت: "زود ملول شدی، و اعتقاد بکرمِ عهدِ تو به خلافِ این بود، چون بر حاجتِ خویش پیروز آمدی، مگر نیّت بَدَل کردی، و در انجاز وعد مدافعت می اندیشی؟"...

موش گفت: ــ

ـــــــــــــ
[۱] مرحبا گفتن ۔

"هر کس که در وفاءِ تو سوگند بشکند
پشت و دلش بزخمِ حوادث شکسته باد!"

و بدان که دوستان دو نوع اند: اوّل آنکه بصدق و رغبت و آرزو به موالات گراید، دوّم آنکه از رُویِ اضطرار صحبتی پیوندد، و هر دو جنس از التماس منافع و احتمالِ مضار غافل نتواند بود،

امّا آنکه بی مخافت به دواعیِ صفاءِ عقیدت افتتاحی کند، در همهٔ احوال باعتماد باشد، و آنکه به ضرورت در پناه دوستی آید، حالات میان ایشان متفاوت رود- گاه آمیختگی و مباسطت، و گاه دامن در چیدن و مجانبت- و من بدانچه قبول کرده ام، قیام می نمایم، و در صیانتِ نفس مبالغت لازم می شمرم، چه مخافت من از تو، زیادت از آن طائفه است، که به اهتمامِ جانبِ تو از قصدِ ایشان ایمن گشتم، و قبول صلح تو برایِ ردِّ حملهٔ ایشان فرض شناختم- و مجاملتی، که از جهتِ تو درمیان آمد، هم برای مصلحتِ وقت و دفعِ مضرّت بود، که هر کاری را حیلتی است- و هر که صلاح آن ساعت را فروگذاشت، چگونه توان گفتن که او را در عواقب کارها نظری هست؟ و من تمامیِ بندهایِ ترا می برم، و هنگامِ فرصت آن

نگاه دارم، و یک عقده را برای گروِ جان خود برقرار میگذارم،
تا بوقتی ببرم که ترا از قصدِ من فریضه تر کاری پیش آید،
و بدان نپردازی که به من رنجی برسانی +

و هم بر این جملت که تقریر اُفتاد، موش عقده ها ببرید،
و یک عقده بگذاشت - و آن شب ببودند، چندانکه سیمرغ
سحرگاهی در اُفقِ مشرق پروازی کرد، و بالِ نورگسترِ
خویش را بر اطراف بپوشانید، صیّاد از دُور پیدا آمد -
موش گفت: "وقت آن است، که باقی ضمانِ خویش بادا
رسانم" و آن عقده ببرید -

گربه به هلاکِ خود تیقّن شده بود، و بدگمانی و دهشت
چنان بر وی مستولی شده که از موش وی را یاد نیامد،
پای کشان بر سرِ درخت رفت و موش در سُوراخ خزید -
صیّاد دامِ گسسته و باطل شده برداشت و خائب و خاسر
و نومید باز گشت -

دیگر روز موش از سوراخ بیرون آمد، گربه را از دُور
بدید، کراهیت داشت که نزدیکِ او رود - گربه آواز داد:
"که تحرّز چرا می نمائی .... پیشتر آی تا مکافاتِ شفقت و
پاداشِ مروّتِ خویش، هرچه بسزاتر، مشاهده کنی" +
موش از رُوی طبیعت احتراز نموده - گربه گفت: "دیدار

از من دریغ مدار، و دوستی و برادری را ضائع مکن، چه هر که دوستی را به جهدِ بسیار در دائرهٔ محبّت کشد، و بی موجبی بیرون گذارد، از ثمراتِ موالات محروم ماند۔ و دیگر دوستان از وی نومید شوند۔

بدکسی دان که دوست کم دارد   زو بتر، چون گرفت، بگذارد
گرچه باز از تو باز گردد یار   سوی او باز گرد چون طومار

ترا بر من نعمتِ جان و منّت زندگانی است، و مادام که عمرِ من باقی است، حقوق ترا فراموش نکنم۔ و از طلبِ فرصت مجازات . . . . فرونایستم"۔ سوگندان یاد کرد . . . . البتہ مفید نہ بود۔

موش جواب داد . . . . : "بدان که خلقتِ ما بر معادات بوده است، اکنون بر دوستی، که برای حاجت حادث شده است، چندان تکیه نتوان کرد۔ که چون موجب از میان خاست، لاشک بقرارِ عداوت باز گردد۔ و ہیچ دشمن موش را چون گربه نیست، و هر دو تن را اضطرارِ حال و دواعی حاجت بدین مصالحت کشید، امروز، که موجب از میان برخاست، بی شبهت دشمنائگی تازه شود۔ و ترا با خویشتن آشنائی نمی شناسم، جز آنکه میخواہی بخوردنِ من ناهار بشکنی و به ہیچ تاویل در عقلِ خود روا نمی دارم،

که به زرقِ تو مغرور شوم۔ ع

گربه را با موش کی بوده است مهرِ مادری ؟

و به سلامت آن نزدیک تر که ناتوان از مصاحبتِ توانا، و عاجز از مقاومتِ قادر، پرهیز نماید، و هیچ چیز به حزم و سلامت از آن لائق تر نیست، که من از تو بحذر باشم، و تو از صیّاد محترز۔ بر این اختصار باید نمود، که اجتماع ممکن نگردد "

گربه اضطرابی و جزعی و قلقی ظاهر گردانید، و گفت:

دلِ من همی داد گوئی گوائی
که باشد مرا روزی از تو جُدائی
جُدائی گمان بُرده بُودم، ولیکن
نه چونان، که یک سُو نهی آشنائی
نگارا! من از آزمایش به آیم
مرا باش، تا بیش ازین آزمائی
بلی هر چه خواهد رسیدن به مردم
بر آن دل دهد هر زمانی گوائی

زمانی یک دیگر را برین کلمه وداع کردند و بپراگندند

انتخاب

از

لطائف الطوائف

مصنّفهٔ

مولانا علی بن صفی بن ملّا حسین واعظ کاشفی

(م - ۹۳۹ سنه هجری)

باب نهم

فصل دوم - در لطائفِ شعرا نسبت بتوانگران و بخیلان

شاعری از برای بزرگی، که با بخل منسوب بود، قصیدهٔ گفت و درآنجا او را ستایش بسیار کرد- بعد از آن برا و خواند، او نمی خواست که شاعر را صله دهد، بلکه میخواست که به تحیّتی برگذراند، و از سر باز کند- گفت: "ای فلان! نیک شعری گفتهٔ، اَحْسَنَ اللهُ اِلَیْکَ" (یعنی نیکی کند خدای تعالیٰ با تو، مرادش آنکه نیکی از خدا چشم بدار و بمن طمع مکن)- شاعر مرادش دریافت، و گفت: "احسن الله الیٰ من مظهرك" (نیکی کند

خدا بمن لیکن از مظهر تو یعنی واسطهٔ روزی من بسازد). آن بزرگ را جواب او بغایت خوش آمد، و او را رعایت کلّی نمود.

شاعری در مدح خواجهٔ بخیل قصیدهٔ بگفت، و بر او خواند، هیچ صله نداد، یک هفته صبر کرد، اثری ظاهر نشد، و قطعهٔ تقاضای بگفت و بگذرانید، خواجه التفات ننمود، بعد از هفتهٔ هجو کرد، خود را به آن نیاورد. و شاعر بیامد، و بر درِ خانهٔ او مُربّع نشست. خواجه بیرون آمد، او را بدید که بفراغت نشسته است گفت: "ای مبرم بیحیا! قصیدهٔ بگفتی، هیچی ندادم؛ قطعهٔ تقاضای آوردی، پروا نکردم؛ هجو کردی، خود را بآن نیاوردم، دیگر چه اُمید اینجا نشستهٔ؟" گفت: "بدان اُمید، که بمیری و مرثیه ات نیز بگویم، و بر مردم خوانم و بروم." خواجه بخندید و او را صلهٔ نیکو بخشید.

خواجهٔ بیمار شد و بر بسترِ مرض اُفتاد، و آن بیماری امتداد یافت، و شاعری که آشنا و دوستِ او بود، در آن مُدّت بعیادت او نیامد. چون خواجه صحت یافت، با او ملاقات کرد، از رُوی گله مندی گفت: "این همه بیماریِ صعب کشیدم، و تو یک بار مرا عیادت نکردی." گفت: "معذور دار که بمرثیه گفتن تو مشغول بودم."

شاعری را دیدند که از کوچهٔ بخیلی بیرون آمد، خلعتی نو پوشیده. گفتند: "خواجه این خلعتِ نو به تو داده باشد و این

کرم از و غریب و عجیب بوده است." شاعر گفت: "لا و اللہ! بخلِ او بمرتبہ ایست کہ اگر او را سرائی باشد مشتمل بر چند صُفّۂ بزرگ و خانہای بسیار، و تمام آن مالامال بود از سوزن، و یعقوب پیغمبر جمیع انبیاء مرسلین و ملائکۂ مقرّبین را، علیہم الصّلوات والسّلام، بشفاعت آرد، و ہمہ را ضامن خود گرداند، و از خواجہ یک سوزن بعاریت خواہد، کہ بہ آن پیراہنِ دریدۂ یوسف صدّیق علیہ السّلام را بدوزد، خواجہ قبول نکند۔ اینچنین کسی چگونہ مرا خلعت دہد۔" ہمان شاعر این مضمون را نظم کردہ، بدینوجہ:

لو انّ دارک انبتت لک واحتشت ... ابرا یضیق بہا فضاء المنزل

واتاک یوسف واستعارک ابرۃ ... لیخیط قد قمیصہ لم تفعل

(معنیِ بیت اوّل آن است کہ): "اگر چنانچہ در سرای بروید برای تو، و مملو شود سرای تو از سوزنہا، بمثابۂ کہ تنگ شود بسبب آن فضای منزل تو۔"

(معنی بیت دوم آنکہ): "بیاید نزدیک تو یوسف علیہ السّلام، و طلب کند بعاریت از تو یک سوزن، تا بدوزد پیراہنِ دریدۂ خود را، تو آن کار نکنی و بہ عاریت یک سوزن ندہی۔"

فصل سوم۔ لطائف شعرا و ظرافتہای ایشان بایکدیگر

سلمان[1] ساوجی در ہجوِ عبید[2] زاکانی کہ ہجو گوی بی حیا و ہزالِ

[1] جمال الدین محمد سلمان متوفی ۷۷۸ھ ہجری۔ [2] نظام الدین عبید اللہ متوفی ۷۷۲ھ ہجری۔

بی محابا بوده است، این قطعه بگفت که ؎

جهنمی، هجاگو عبید زاکانی　　مقرّر است به بی دولتی و بی دینی
اگرچه نیست ز قزوین و روستازاده است　　ولیک می شود اندر کلام قزوینی

و در خراسان مشهور است که "فلان قزوینی شد" یعنی "در قهر شد و غلیظ گشت". چون این قطعه به عبید زاکانی رسید، برای تعرّض سلمان از قزوین ببغداد رفت. اتّفاقاً سلمان را بر کنار دجله یافت که به حشمت تمام با جمعی از اعیان بغداد و گروهی از شعرا و ظرفا نشسته بود پیش رفت و سلام کرد. سلمان گفت: "چه کسی و از کجائی؟" گفت: "مرد مسکینم، و از ولایت قزوینم". گفت: "هیچ شعر سلمان یاد داری؟" گفت: "دارم". و این دو بیت بخواند ؎

من خراباتیم و باده پرست　　در خرابات مغان عاشق و مست
می کشندم چو سبو دوش بدوش　　می برندم چو قدح دست بدست

پس گفت: "سلمان مردیست از اهل فضل و بلاغت، مرا گمان نیست که این شعر او گفته باشد، بلکه غالباً ظنّ من آنست که این شعر را زن او حسب حال خود گفته"......

سلمان در حضور ظرفا و اعیان عظیم بهم برآمد، و بغایت خجل شد و منفعل گشت، چنانچه عرق تشویر از جبین او روان گشت، و به فراست دریافت که او عبید زاکانی است، سوگند

برو داد: "که تو فلان نیستی؟" گفت: "هستم". پس باسلمان آغازِ عتاب کرد، که "تو خود را مردی فاضل و دانا می گیری، کسی که هرگز او را ندیدهٔ و حقیقتِ حالِ او ندانستهٔ و میانِ تو و او کلفتی که موجب مذمّت باشد واقع نشده، هجو کردن چه معنی دارد؟ و من عزیمت بغداد خاص از برای گوشمال تو کرده بودم، و میخواستم که در مجلسِ بادشاه ترا سزا دهم، لیکن طالعِ تو قوی بود که بر کنارِ دجله بچنگِ من اُفتادی، تا اندکی بتو پرداختم." سلمان برخاست و عذرخواهی کرد و با وی معانقه نمود و بخانه بُرد و بروی او صحبت ها برآورد.

روزی حکیم انوری در بازارِ بلخ می گذشت. حلقهٔ دید که مردم بسیار جمع آمده بودند. پیش رفت، و سر درمیان آن حلقه کرد. مردی دید که در آن ایستاده و قصاید انوری بنام خود میخواند، و مردم او را تحسین می کردند. انوری پیش رفت و گفت: "ای مرد! این اشعار کیست که می خوانی؟" گفت: "اشعار انوری". گفت: "تو انوری را می شناسی؟" گفت: "چه میگوئی؟ انوری منم". انوری بخندید [و] گفت: "شعر دزد شنیده بودم، امّا شاعر دزد ندیده بودم".

طوسی را به گاو نسبت کنند، روزی در مجلس میرزا بابر لطفی شاعر بپهلوی طوسی شاعر اُفتاده بود، طوسی بر سبیلِ

ظرافت از لطفی پرسید: "که کجائی؟" گفت: "پهلوی گاو"۔

میرزا میران شاه فرزند امیر تیمور چون بحکومت تبریز رفت بملازمت مولانا محمد شیرین[1] بن مغربی رسید (که از عرفاءِ شعرا است) و آنجا مرید شد، و هر هفته یک بار بخانۂ او می رفت، بعد از چند وقت که بصحبت خواجه کمال[2] رسید و لطافتِ صحبتِ او دید از مریدیِ مولانا محمد خود را باز چید و بر ملازمتِ خواجه پیچید، و هر هفته دو بار بخدمتِ خواجه میرفت، و مولانا محمد ازآن صورت بغایت برنجید۔ و دابِ خواجه آن بود، که هر صباح سفرۂ می نهاد و تمام اکابر و اعیان نیز بر سفرۂ او حاضر میشدند و هر روز خواجه را ازآن جهت خرج کلّی می اُفتاد۔ روزی میرزا میران شاه کمر زرّین مرصّع بجواهر قیمتی بطریق نذر گویان پیش خواجه فرستاد، که این را خرج سفرۂ کنند۔ خواجه بفرمود تا آن را بفروختند، و بهای آن را که زر بسیار بود به تمام خرج یک سفره کردند۔ تمام خواص و عام تبریز را بر آن سفره حاضر گردانید، و هیچکس نماند که نیامد، الّا مولانا محمد شیرین و اتباعِ او، که ازآن سفره تخلّف نمودند۔ درآن مجلس میرزا میران شاه از بزرگی پرسید که "سبب چیست که مولانا محمد

---

[1] شاعر و صوفیِ مشهور متوفّی ۸۰۹ ہجری

[2] یعنی کمال خجندی متوفّی ۸۳۰ ہجری

نیامده اند؟" گفت: "غالباً دردمندی دارند." میرزا از خواجه پرسید: که "مولانا! چه درد دارد؟" خواجه گفت که "دردِ کمر دارد."

فصل چهارم - در لطایفِ عارفِ جام[1] نسبت به طوایفِ انام و شعرای ایام

وقتی که ایشان در سفرِ حجاز به بغداد رسیدند، پیر جمال عراقی با جمعی از مریدان بدیدن ایشان آمد، و وی شیخ معظّم بود که معتقد فیه اکثر خواص و عوام بود، و پوششِ او و مریدان او از سر تا پای همه پشم شتر می بود، چون چشمِ پیر بر ایشان افتاد، گفت: "جمالِ الٰهی دیدیم." ایشان نیز گفتند: "ما نیز جمال الٰهی دیدیم" (یعنی شترانِ خدا).

مولانا شیخ حسین در زمانِ میرزا سلطان ابوسعید محتسب باستقلال بود، چنانچه میرزا گفته بود که مولانا شریکِ ملکِ من است. روزی گبری را مسلمان ساخته بود و دستارِ خود بر سرش نهاده، و از خزانهٔ میرزا جامهٔ برای او گرفته بود، و سوار کرده با دُهل و نقاره و سرنای و کرنای، گرد بازارها میگردانید. پیش ایشان گفته شد، که مولانا امروز گبری را مسلمان ساخته و دستار خود بر سرش نهاده، ایشان گفتند: "مولانا شصت سال است که دستار بر سرِ گبر می نهد."

روزی شیخ صدرالدین روایتی، که از جملهٔ خلفاءِ شیخ

[1] مولانا نور الدین جامی رح +

زین الدین خوافی بود[۱]، بسر میرزا آمده بود، پیش ایشان در رنگِ کرامات می گفت: "در نیمهٔ ماه رمضان این سال امکان دارد که وبا شود". یکی از اهلِ مجلس گفت: "امکان دارد که نشود". شیخ گفت: "امکان عقلی ندارد". حضرت مخدوم فرمودند: "امکان بی عقلی دارد".

روزی حافظ غیاث الدّین محدّث، که از مشاهیرِ علماءِ زمان بود، بیمار شد و ایشان بعیادتِ وی آمدند، حافظ از حقایق و معارفِ صوفیه سخن درمیان آورد، و چون تتبّع آن علم کم کرده بود و اصطلاحات ایشان کم ورزیده، بعضی مسائل ایشان مخالف اصطلاح گفت ایشان در مقابلهٔ آن گفت و گوی سکوت کردند، چون از پیشِ حافظ رفتند، حافظ با جمعی از علما و فضلا، که بعد از آن بعیادت او آمده بودند گفت: "مولانا عبدالرّحمٰن جامی امروز اینجا حاضر بود، چندان از مسائل غامضهٔ صوفیه گفتم که گوش گرفت". این خبر بایشان رسید، فرمودند: "از آن سخنان، که او گفت، گوش می باید گرفت".

شیخ الاسلام هرات، مولانا سیف الدّین احمد نشبند، که ایشان بخانهٔ بعضی از مقرّبان سلطان حسین میرزا به عیادت رفتند و از طعام او خورده. گفت: "تا مولانا عبدالرّحمٰن جامی از طعام فلان تناول کرده ما دست از طعام اسلام شسته ایم".

---

[۱] برای تذکرهٔ احوالش رجوع کنید به نفحات الانس (طبع کلکته) صفحه ۵۶۹، وفات شیخ در ۸۳۸ھ واقع شد.

این خبر بایشان رسید، فرمودند: که "تا مولانا سیف الدین احمد شیخ الاسلام شده است ما دست از اسلام شسته ایم۔"

شیخی پیش ایشان می گفت، که علماء و فقهاء مرا از سماع منع می کنند، حال آنکه من از طرفِ مادر شافعی مذہبم، و در مذہبِ شافعی سماع رواست۔ ایشان گفتند: "تو از طرفِ مادر سماع می کن۔"

یکی از شعراءِ سمرقند پیش ایشان نشسته بود، یکی از اہلِ مجلس ازو پرسید: "که در شہرِ شما شاعر بسیار ہست یا نی؟" گفت: "درِ شہرِ ما شاعر از سگ بیشتر است۔" ایشان فرمودند: که "در شہرِ ما بارے از سگ کمتر است۔"

شاعری مہمل گوی پیشِ ایشان گفت: که "دوش خواجہ خضر را، علیہ السّلام، بخواب دیدم، که آبِ دہانِ مبارک در دہنِ من انداخت۔" ایشان گفتند: که "غلط دیدهٔ، خضر میخواست که تف بر روی و ریش تو افگند، تو دہن باز کردهٔ، در دہانِ تو اُفتاده۔"

یکی از شعرا پیشِ ایشان گفت: "دیوانِ کمال و دیوان حافظ و صد کلمهٔ حضرت امیر را، رضی اللہ عنه، جواب گفته ام۔" ایشان فرمودند: که "خدا را چه جواب خواہی گفت؟"

شاعری پیشِ ایشان غزلی بخواند، گفت: "می خواہم که این غزل را در دروازهٔ ملک بیاویزم تا شہرت کند۔" ایشان

فرمودند: "چه دانند که این شعرِ تست، مگر آنکه ترا نیز پهلوی شعر بیاویزند"۔

شاعری مهمل گوی پیش ایشان می گفت: "چون بخانۂ کعبه رسیدم، دیوانِ شعر خود را، از برای تیمّن و تبرّک، در حجرالاسود مالیدم"۔ ایشان فرمودند: "که اگر در آب زمزم می مالیدی بهتر بودی"۔

یکی از شیخ زادهای شهر، که خالی از بلادتی نه بود، و دعویِ شاعری و شعر می کرد، این غزل ایشان را تتبع کرده بود، و پیش ایشان آورد که **بیت**

بس که در جان فگار و چشم بیدارم توئی
هر که پیدا می شود از دُور پندارم توئی

بعد از آنکه این غزل خود را تمام گذرانید، بر مطلع ایشان اعتراض کرد، که شما فرمودید:

"هر که پیدا می شود از دُور پندارم توئی"

شاید خری و یا گاوی پیدا شود، ایشان گفتند: "پندارم توئی"۔ آن شیخ زادۂ ساده این قدر نه دانسته بود، که همچنانکه در کلام عرب لفظِ "مَن" در غالب احوال از برای ذوی العقول میباشد و لفظِ "مَا" برای غیرذوی العقول، در کلامِ فارسیان نیز لفظِ "که" برای ذوی العقول است و لفظ "چه" برای غیرذوی العقول ست؛ پس "هر که پیدا می شود" این معنی داشته باشد که "هر که از

جنسِ آدمیان پیدا شود"۔

مولانا ساغری، شاعری بود که بایشان بازگشتِ تمام داشت، و ایشان گاه گاه باوی مطایبه می کردند..... و مولانا ساغری به بخل مُتّهم بود، و غرّهٔ رمضان پیش ایشان نشسته، و درآن روز شکّی اُفتاده بود در رویتِ ہلال، و حاکمِ شرع منادی فرمود که مردم باید که تا وقتِ زوال چیزی نخورند۔ ایشان فرمودند: "مولانا ساغری باری علی الصّباح چیزی خورده"۔ یکی از اصحاب گفت: "به فراموشی خورده باشد"۔ ایشان گفتند: "اگر در حجرهٔ خود خورده بفراموشی خورده"۔

ایشان درشانِ مولانا ساغری این قطعه فرموده اند:

"ساغری میگفت: "دزدان معانی بُرده اند،
ہرکجا در شعرِ من معنی رنگین دیده اند"
دیدم اکثر شعرہایش را یکی معنی نداشت،
راست میگفت، آنکه "معنیهاش رادزدیده اند"

این قطعه شهرت کرد، چون بر مولانا ساغری خواندند پیشِ ایشان آمد، گله آغاز کرد و گفت: "خادمِ دیرینهٔ این آستانم، و شما قطعه فرموده اید، که در تمام شهر شهرت کرده، و مردم یاد گرفته اند، و هرجا میرسم، بر من میخوانند و میخندند، و این قطعه مرا رسوای عالم ساخته۔ ایشان فرموده اند که ما گفته ایم "شاعری

میگفت" کاتبان و ظریفانِ شهر آن را به تصحیف "ساغری" ساخته اند...

روزی مولانا ولی نام کسی، نزدِ ایشان آمده بود، و او قوی نادان و ساده لوح بود، که الفاظِ ناموزون بر یکدیگر می بست و آنرا نظم خیال میکرد، و بقید کتابت در می آورد، و همه جا میخواند؛ و مردم میخندیدند۔ پس از ایشان منشور نامه طلبید و ابرام و مبالغه از حد گذرانید و بروح عزیزان سوگند داد، که البتّه برای من چیزی نویسید، که بآن درمیانِ شاعران و ظریفان مفاخرت و مباهات کنم، ایشان دوات و قلم و کاغذ طلبیدند۔ برای مراعات خاطر او این رقعه در مجلس نوشتند: که "خدمت مولانا ولی، فقیران را بحضور خود مشرّف ساخت و بخواندنِ اشعار دلآویز دلپذیرِ خود بنواخت، پایۂ شعرش ازآن بلندتر است که در تنگنای وزن گنجد، یا کسی تواند که آن را بمیزانِ طبع سنجد"

فصل ششم در بدیهه گفتنِ وزرا و بدیههٔ شعرا پیش ایشان

بزرگان گفته اند هرگز وزیری باستحقاق نظام الملک[۱] ماضی (که وکیل سلطان جلال الدین ملک شاه سلجوق است) بر مسندِ وزارت ننشسته۔ در آخر کار اهلِ سعایت مزاج سلطان را بر او متغیّر ساختند۔ و ترکان خاتون، که حرم بزرگ سلطان بود،

[۱] نظام الملک طوسی

بتربیت ابو الغنائم تاج الملک فارسی مشغول شد، و سلطان او را برای استرضای خاطر ترکان خاتون بجای نظام الملک نصب کرد، و منصب خطیر وزارت و نقابت بوی ارزانی داشت۔ یک سال و چهار ماه ابو الغنائم بی استحقاق، وزارت و نقابت کرد۔ خواجه نظام الملک درآن مدّت مصادرها داد- در یورش بغداد، جمعی از ملاحده در حدود نهاوند خواجه را کارد زدند، و به آن زخم بدرجهٔ شهادت رسید، و در وقت نقل از عالم قطعه بر بدیهه بگفت، و نزدِ سلطان فرستاد و در دلِ سلطان اثر عظیم کرد، و بسیار بگریست، و بر کردهٔ خود اظهارِ ندامت کرد، و آن قطعه اینست: قطعه

چل سال باقبالِ تو ای شاه جوان بخت ۔ زنگِ ستم از چهرهٔ آفاق ستردم
طغرای نکونامی و توقیع سعادت ۔ نزد ملک العرش بالطاف تو بردم
چون شد زقضا مدّتِ عمرم نود و شش ۔ در حدِّ نهاوند بیک زخم به مردم
بگذاشتم آن خدمت دیرینه بفرزند ۔ او را بخدا و خداوند سپردم

خواجه شمس الدّین محمد صاحب دیوان که بعد از نظام الملک باستعداد و قابلیّتِ او وزیری کم بوده است و به غایت کرم پیشه و عالی همّت بود، و رسالهٔ شمسیّه[1] در منطق، بنامِ اوست- روزی در دیوانِ وزارت بر مسندِ حکومت نشسته بود، یکی از فضلاءِ شعرا رقعهٔ بدستِ او داد که درآن رباعیی در مدحِ

---

[1] نجم الدین علی الکاتبی نے یہ رسالہ خواجہ شمس الدین محمد کی فرمایش پر لکھا سپرنگر نے اُسے شائع کیا ہے +

او گفته بود، و آن این است: **رُباعی**

دریا چو محیط است، کفِ خواجه نقط ❊ پیوسته بگرد نقطه میگرد دو خط
پرورده تو که و مه و دون و وسط ❊ دولت ندهد خدا کسی را به غلط

خواجه قلم برداشت، و بی تأمّل در جواب او این رباعی نوشت، و بر ظهر رقعهٔ شاعر نوشت، و مُهر کرده بدستِ وی داد: **رُباعی**

سیصد برهٔ سفید چون بیضهٔ بط ❊ کآنرا ز سیاهی نبود هیچ نقط
از گلهٔ خاصِ ما نه از جای غلط ❊ چوپان بدهد بدست دارندهٔ خط

خواجه شمس الدین محمّد را در قراباغ تبریز چهارم ماه شعبان سنه ثلث و ثمانین و ستّمایة بحکم ارغون خان بقتل رسانیدند و مجد همگر که فاضل و دانشمند و بی نظیر وقتِ خود بود، و ملک الشعراء عراق و فارس و معاصر شیخ مصلح الدّین سعدی، و ندیم مجلسِ سعدِ زنگی، که شیخ کتابِ گلستان را بنامِ او نوشته، در مرثیهٔ خواجه شمس الدّین محمّد رباعی بر بدیهه گفته شیخ سعدی آنرا شنیده، و بسیار گریسته، و مجد همگر را بر آن شعر تحسین و تعریف کرده،

رُباعی

در ماتمِ شمس از شفق خون بچکید ❊ مه چهره بکند، و زهره گیسو ببرید
شب جامه سیاه کرد در ماتم، و صبح ❊ بر زد نفس سرد و گریبان بدرید

و شعراءِ متاخّرین اتّفاق دارند، که هیچ شاعری از متقدّمین و متاخّرین، در مرثیهٔ اکابر، مثل این را رُباعی نگفته است، الّا

امیرشاهی سبزواری، که در فوت میرزا بایسنغر این رُباعی گفته، والحق گوهری قیمتی سُفته و آن این ست: رُباعی

در ماتمِ تو دهر بسی شیون کرد   لاله همه خونِ دیده در دامن کرد
گل جیب قبای ارغوانی بدرید   قمری نمدِ سیاه در گردن کرد

شاهفور نیشاپوری شاعر فاضل بود، شاگرد ظهیر فاریابی است، و تربیت یافتۂ خواجه نورالدّین منشی که وزیر با استقلال سُلطان جلال الدّین محمّد خوارزم شاه است۔ و خواجه بغایت فاضل و دانا بوده، امّا به ادمان شرب مبتلا بود، چون نوبتِ اوّل شاهفور بدرخانۂ او آمد، بار نیافت، همچنین پنج بار بپایی آمد، و ملاقات میسّر نشد۔ آخر خواجه را خبر کردند که شاهفور نیشاپوری مردی فاضل و شاعر و مشهور عراق و خراسان است، و پنج بار شد که بدرخانۂ تو می آید، و بار نمی یابد، مناسب آن ست که التفات فرموده، او را بخوانی، و در مجلسِ خود بنشانی۔ خواجه کسی بوی فرستاد که اوّل مناسبِ حالِ ما بدیهه بگوی، تا قوّت طبع تو از شعر معلوم کنم، پس با تو صحبت داریم۔ شاهفور بر بدیهه این رُباعی بگفت و نوشته پیش خواجه فرستاد: رُباعی

فضل تو و این باده پرستی باهم   مانند بلندی است و پستی باهم
حال تو بچشم ماه رویان ماند   کانجا ست مدام نور و مستی باهم

خواجه نورالدّین را این رُباعی بسیار خوش آمد، و او را پیش

خود خواند و به تربیت او متوجّه شد.

جلال الدّین عضد از افاضلِ شعرا ست و از ساداتِ یزد است، و پدرش در زمانِ دولتِ محمّد بن مظفّر مقدّم ساداتِ ولایتِ خود بود. روزی محمّد بن مظفّر بمکتب خانه درآمد، سیّد زادهٔ را دید با روی چون ماه و دو گیسوی سیاه، که خط می نوشت. از معلّم پرسید که: "این جوان چه کس است؟" گفت: "پسر سیّد عضد یزدی است، و جلال الدّین محمّد نام دارد، درین سن بسی فضائل کسب کرده، و انواعِ شعر را بغایت نیک می داند، و اصنافِ خط را بسیار خوب می نویسد." محمّد بن مظفّر گفت: "چیزی بر بدیهه بگوی و بنویس، تا شعر و خطِ ترا ملاحظه و مشاهده کنم." او بر بدیهه، این قطعه بگفت و نوشت و بدستش داد: **قطعه**

چار چیز است که در سنگ اگر جمع شود ... لعل و یاقوت شود سنگ بدان خارائی
پاکئِ طینت و اصلِ گهر و استعداد ... تربیت کردنِ مهر از فلکِ مینائی
با من این هر سه صفت هست، چه می باید؟ ... تربیت از تو، که خورشیدِ جهان آرائی

محمّد بن مظفّر از لطفِ شعر و حُسنِ خطِ او متحیّر شد، و پدرش سیّد عضد را طلبید و گفت: "می خواهم، که فرزندِ تو پیشِ من باشد، تا به تربیتِ او، چنانکه شاید و باید، قیام نمایم، که عجب قابلیّتی دارد، و اگر تربیت یابد نادرهٔ زمان و اعجوبهٔ دوران می شود، و بعد چندی او را نزدِ من آر." پس ده هزار دینار صله بوی داد، و او تحصیلِ

علوم اشتغال نمود، و متداولات بورزید، و کسب فضائل بسیار کرد، و در فنونِ شعر ماهر شد، برای آل مظفّر قصاید غرا بگفت، و رعایتهای کلّی یافت *

سیّد شرف الدّین رضاءِ سبزواری از ساداتِ عریضی بوده، که بصحّتِ نسب متقرّرند، و در شعر طبع بلند داشت، و پدرانِ او در عهد سربداران سبزوار، وزارت کرده اند- و در زمانِ میرزا شاهرُخ پیشوائی و کلان تریءِ مردم سبزوار تعلّق بوی داشت، و ازو پیش خواجه امیر احمد خوافی، که چهل سال وزیر با استقلال میرزا شاهرخ بود جمعی سعایتی کرده- خواجه کسی فرستاد تا سیّد را بند گران بر پای نهاده، از سبزوار به هرات آوردند- و کسی پروای او نکرد، و مُدّتی آن بندِ گران بر پای او بماند- و در آن وقت در هرات پیری بود، هفتاد ساله، در کمال برودت و خنکی، که اورا میر ویس صدر میگفتند- و عادتِ او آن بود، که هنوز آفتاب در حوت بُودی که کلاهِ نوروزی از نمد سفید بر سر می نهاد، و در آن سن، بآن برودت که او داشت، آن کلاهِ نوروزی بر سرِ او عظیم خنک می نمود- و آن کلاهِ نوروزی او در برودت و خنکی در هرات ضرب المثل بود- روزی خواجه امیر احمد فرمود، که تا سیّد را بآن بندِ گران بر سر دیوان آوردند- اتفاقاً در آن مجمع میر ویس صدر. کلاهِ نوروزی بر سر نهاده حاضر بود- خواجه رو به سیّد کرد و

گفت: "شنیده ام، که تو شعر را نیک می گوئی، و بدیهۀ روان داری، بگوی در حسب حال میر ولیس و کلاهِ نوروزیِ او" سیّد فی الحال این رُباعی را بگفت: رُباعی

ای آصفِ جم مرتبۀ کیوان قدر
مانندِ هلال، حلقه در گوشِ تو، بدر
بسیار خنک شد است در شهرِ هرات
زنجیرِ من و کلاهِ نوروزیِ صدر

خواجه را آن رُباعی بسیار خوش آمد، بفرمود تا بندِ گران از پای او برداشتند، و او را خلعتِ خاص و صلۀ کلّی دادند، و نشان امضا کرده به آبروی تمام بسبزوار باز فرستادند.

فصلِ هفتم- در بدیهه گفتنِ شعراء با یک دیگر

فردوسی طوسی بی نظیر زمان خود بوده، و شاهنامه بر فضل و کمالِ او دلیلی واضح است و لایح- نام وی حسن بن اسحٰق بن شرف شاه است، و از دهقان زادهای طوس بوده، و در مبادیِ حال باهر زراعت شغل گرفته- و گویند عمید والی طوس چار باغی در غایتِ خوبی ساخته بود، آنرا فردوس نام نهاده، و پدر او اسحٰق بن شرف شاه بتربیتِ آن باغ مقرّر بود، و وی باین نسبت و مناسبت فردوسی تخلص کرده- و عاملِ طوس بر وی ظلمی کرده، وی بغزنی رفته از برای داد خواهی، و آنجا بوسیلۀ عنصری بمجلس سلطان محمود غازی رسید، و شعر گذرانید، و

سلطان او را بنواخت، و بنظم شاهنامه مشغول گشت۔ روز اوّل، که بغزنی رسید، بر درگاهِ سلطان سیر میکرد، و وسیلهٔ می جست که خود را بنظرِ سلطان رساند۔ ناگاه مجمعی دید و از کسی پرسید: که "اینها چه مردم اند، که این جا جمع شده اند؟" گفت: "شعراءِ پایِ تخت سلطان اند، و این مرد عنصری ملک الشعرا ست، با دو شاگرد خود فرخی و عسجدی، که هر دو فاضل و قادر بر سخن اند۔ پیش رفت و سلام کرد۔ عنصری گفت: "چه کسی که غریب می نمائی؟" گفت: "مردی شاعرم، و از جانبِ طوس آمده ام۔" گفت: "بیا بنشین، که تا باهم بدیهه گوئیم و طبع آزمائی کنیم۔" فردوسی بیامد، و پهلوی عسجدی بنشست۔ عنصری گفت: "ما چهار شاعریم۔ رُباعی بمشارکت بگوییم، که هر کس یک مصراع بگوید۔" پس عنصری آغاز کرد، مصراع اوّل را چنین گفت: ع

چون طلعتِ تو ماه نباشد روشن

مصراع دوم را فرخی گفت: ع

چون قامت تو سرو نخیزد ز چمن

مصراع سویم را عسجدی گفت: ع

مژگانت همی گذر کند از جوشن

مصراع چهارم را فردوسی گفت: ع

مانند سنانِ گیو در جنگِ پشن

چون عنصری از فردوسی این مصراع شنید، بر سبیل تعجب در یاران نگریست۔ بعد از آن فردوسی را گفت: "ازین مصرع چنان معلوم می شود، که ترا بر تاریخ ملوک عجم اطلاعی تمام است" و این بدیهه را بسمع سلطان رسانید، و فردوسی را بمجلس او برد۔ چون سلطان بر فضائل و کمالات او وقوف یافت، و قوتِ طبع او را بر سخن معلوم کرد، بنظمِ شاهنامه حکم فرمود۔ و او در آن نظم داد سخن داد۔

شمس الدین طبسی ماضی، عالم و فاضل و خوش طبع بوده است، و چون آوازۂ علم و فضل و شعر و طبع صدر الشریعه شنید، از خراسان بعزم صحبت او به بخارا رفت، و از گرد راه بمدرسۂ او در آمد، سلام کرد، و در حوزۂ درس بنشست۔ وقتی که او بشاگردان قصیدۂ میخواند که آنرا شب تمام کرده بود، و هر یکی از شاگردان بقوتِ طبع خود در آن سخنی میگردند، و دخلی میکردند، و از آن قصیده است این [سه] بیت:

برخیز که صبح است شراب است من و تو ۔ و آواز خروس سحری خاست ز هر سو
برخیز که برخاست پیاله به یکی پا ۔ بنشین که نشسته است صراحی بدو زانو
از شیشۂ مینا مئ رنگین خور و بفگن ۔ سنگی تو برین شیشۂ گردندۂ مینو

درین اثناء صدر الشریعه در او نگریست، او را نیک متوجه یافت، گفت: "ای مرد غریب! در شعر هیچ وقوفی داری؟" گفت:

"موزونی از ناموزون فرق می توانم کرد." گفت: "این شعر چون شعریست؟" گفت: "کلام موزون است." طلبهٔ درس دراو افتادند که چرا به ازین صفت نکردی؟" گفت: "اگر من بدیههٔ به ازین بگویم، شما چه میگوئید؟" گفتند: "ترا در شعر مسلّم داریم، و الّا ترا بیازاریم." او کاغذ و قلم و دوات را طلبید، و بی تأمّل آن قصیده را پنجاه بیت جواب داد در مُدّت یک دو ساعتِ نجومی، و از آن قصیده چهار بیت این است: ؎

از روی تو چون برد صبا طره به یک سو | فریاد برآورد شب غالیه گیسو
از شرم خط غالیه بوی تو فتادست | در وادی غم با جگر سوخته آهو
آن زلفِ شب آسا، و رُخ روز نما را | چون عنبر و کافور بهم ساخته هر دو
جانان دل مجنون مرا چند برآری | زنجیر کشان تا بسر طاق دو ابرو

چون صدر الشریعه قوّتِ طبع او دید او را بر همه شاگردان مقدّم نشانید. بعد از آن او را بشناخت، و بخانه بُرد، و کما ینبغی بحال او پرداخت. و او چندگاه در حوزهٔ درسِ اُستاد بود، و استفادهٔ علوم نمود.

امامی هروی عالمی بوده است بعلوم نقلی و عقلی، و از اقرانِ شیخ مصلح الدّین سعدی ست، و مجد همگر شعر او را در برابر شعرِ شیخ سعدی ترجیح کرده، چنانچه درین رُباعی گفته: رُباعی

ما گرچه بنطق طوطی خوش نفسیم | بر شکّر گفتهای سعدی مگسیم
در شیوهٔ شاعری به اجماع اُمم | هرگز من و سعدی با امامی نرسیم

روزی فخر الملک، که از اکابر افاضل زمان بود، قطعهٔ گفته و بدست قاصدی داده، بطریق استفتاء نزد امامی فرستاد - قاصد را وصیّت کرد، که از پا ننشینی، تا جواب نگیری۔ قطعه این ست:

سر افاضل دوران، امام ملّت و دین
پناه اهل شریعت، درین چه فرماید
که گربهٔ سر ده قمری و کبوتر را
به شب، ز تن، بتعدّی و ظلم، برباید
خدایگان کبوتر، بحکم شرع و قصاص
به خون گربه اگر تیغ برکشد، شاید؟

قاصد فخر الملک چون این قطعه گذرانید، و جواب را فی الفور طلبید، امامی قلم برداشت و بدیهه جواب او را بر ظهر رقعه این قطعه نوشت و فی الحال باز فرستاد:

ایا لطیف سوالی! که در مشام خرد
ز بوی نکهت خلقت نسیم جان آید
بگربه نیست قصاصی، که صاحب ملّت
چنین قصاص بشرع متین نه فرماید
نه کم ز گربهٔ بید ست گربهٔ صیّاد
که مرغ بیند بر شاخ و پنجه نگشاید
اگر بساعد و بازوی خود سری دارد
بخون گربه همان به که دست نالاید
بقاء قمری و عمر کبوتر ار خواهد
قرارگاه قفس را بلند فرماید

سلمان ساوجی و سراج قمری قزوینی در مجلس بعضی حکّام، که جمعی اکابر و افاضل حاضر بودند، با یک دگر مناظره و مشاعره کردند - میر مجلس حکم کرد که هردو برین مصراع مشهور:

که ع "ای باد صبا این همه آوردهٔ تست"

طبع آزمائی کنند و دو رباعی بگویند - اوّل سلمان بدیهه گفت: رباعی

ای آب روان سرو آوردهٔ تست ای سرو چمان چمن سراپردهٔ تست
ای غنچه عروسِ باغ پروردهٔ تست "ای بادِ صبا این همه آوردهٔ تست"

بعد از او سراج قمری بی تامّل گفت : رباعی

ای ابر بهار خار پروردهٔ تست ای خار درون غنچه خون کردهٔ تست
گل سرخوش و لاله مست و نرگس مخمور "ای باد صبا این همه آوردهٔ تست"

ناصر بخاری شاعری فاضل درویش مشرب بود و عمری در سیاحت گذرانیده، و این بیت مشهور ازوست :

درویش را که کنج قناعت مسلّم است
درویش نام دارد و سلطان عالم است

و این مطلع قصیده ایست که دراو ابیاتِ نیکو درج کرده. گویند وقتی بسفرِ حج می رفت، ببغداد رسید، و بر کنار دجله سلمان را با جمعی از فضلا و شعرا نشسته ، پیش ایشان رفت و سلام کرد. اتّفاقاً فصل بهار بود، و آب دجله طغیان عظیم داشت، سلمان گفت : "چه کسی؟" گفت : "مردِ شاعرم". گفت : "بدیهه می توانی گفت؟" ناصر فرموده : "تواند بود". سلمان بر بدیهه این مصراع گفت : ع

دجله را امسال رفتاری عجب مستانه بود

ناصر علی الفور گفت :

پای در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانه بود

سلمان را و سائر حضّار را حیران ساخت سلمان گفت: "از کجائی؟"
گفت: "از بخارا" گفت: "ناصر بخاری نباشی؟" گفت: "بلی
ناصرم" سلمان برخاست، او را در بر گرفت و پهلوی خود
بنشاند، پس او را بخانه بُرد۔ تا ناصر در همان جا بود، سلمان بخدمتِ
وی قیام نمود +

خواجه علی بن شهاب ترشیزی شاعر فاضل بوده و میانِ
وی و شیخ آذری، که حمزه نامِ اوست، مناظره و مشاعره واقع
شد۔ روزی در مجلسی، که بسی از فضلا و شعرا بُودند، شیخ
آذری او را مخاطب ساخته این رُباعی بر بدیهه گفت: رُباعی

ای آنکه ز لطف طبیعت ازلی ست — سر دفتر ارباب هنر خواجه علی ست
داند همه کس که حمزه اُستادِ علی ست — خواهی تو مرا پسند و خواهی مپسند

و خواجه علی بن شهاب، از روی بدیهه، بی توقف جواب او
گفت: رُباعی

ای حمزه بدان که عرش حق جای علی ست — بر دوش رسُول از شرف پای علی ست
صد حمزه بفضل و علم لالای علی ست — اُستادِ علی ست حمزه در جنگ، ولی

مولانا حسن شاه بدیهه گو درین فن بی نظیر زمان بود، روزی
از خیابانِ هرات بشهر می آمد، و میرزا منوچهر، جوانی صاحب جمال
و خوش طبع از اولادِ امیر تیمور، از شهر بخیابان می رفت۔ بر روی
پل روان دروازهٔ ملک بهم رسیدند۔ میرزا، که مولانا حسن شاه

را دید، فی الحال چشم پوشید، و گفت: "چشم نخواهم کشاد، الّا وقتی که بر بدیهه بیتی گفته باشی". مولانا حسن شاه فی الفور گفت:

از آن چشم پوشیده شاه از گدا | که پوشیدنی چشم داریم ما

مرزا بخندید، و چشم بکشاد و خلعتی گران مایه داد +

فصل هشتم۔ در بدیهه که عرفا و شعرا در وقتِ وفات گفته اند

چون اوکتای خان در شهر اصفهان قتل عام کرد، خواجه کمال الدّین اسماعیل آنجا بدرجهٔ شهادت رسید۔ و وی عالم و فاضل و قادر بر سخن و ماهر در فنونِ شعر بوده است، چنانکه بزرگان وی را "خلّاق المعانی" گفته اند۔ و گویند که در آن وقت، که یکی از لشکریان وی را زخمی کاری زده بود، این رباعی بر بدیهه بگفت، و بخون خود بر دیوار خانه نوشت: رباعی

دل خون شد و شرطِ جانگدازی این است | در حضرت او کمینه بازی این است
با این همه خود هیچ نمی یارم گفت | شاید که مگر بنده نوازی این است

راقم این رساله و قائل این مقاله از والدِ خود، علیه الرحمة، چنین شنیده، که این رُباعی از حضرت فرید الدّین عطّار ست، قدّس سرّهٗ، که در وقت قتلِ عام نیشاپور، یکی از لشکریانِ ہلاکو شیخ را شهید کرد، در آن وقت شیخ برین وجه خواند: رُباعی

در راه تو رسم سرفرازی این است　　عشّاق ترا کمینه بازی این است
با این همه از لطف تو نومید نیم　　شاید که ترا بنده نوازی این است

چون ہلاکوخان در نیشاپور قتلِ عام کرد، یکی از مغولان تاتار دست شیخ عطّار گرفته بود، و می برد که او را در مقتلِ عام سر از تن بردارد ۔ شیخ را در آن حال وقت خوش گشته بود، و توحید غلبه کرده، روی در قاتل کرد و گفت: "با این که تاجِ نمدی به سر نهی، و تیغِ هندی بر کمر بندی، و از جانبِ ترکستان به مکر و دستان بر آئی، پنداری که ترا نمی شناسم"۔ پس در آن محل که آن لشکری تیغ از نیام برکشید، و شیخ را بر سر پا نشانید، شیخ، قدّس سرّہٗ، بدیہہ این رُباعی گفته: رُباعی

دلدار به تیغ برد دست ای دل ہین　　بر بند میان و بر سرِ پا بنشین
وانگه بزبانِ حال میگو که بنوش　　جام از کفِ یار و شربتِ بازپسین

پہلوان محمود پوریا از مجرّدان و مفردانِ روزگار بود، چون پدر مرگ رسید و بر بستر مرض بغلطید و اصحاب گرد او در آمدند، وقتی که محتضر شده بود، بو الفضولی گفت: "ای مخدوم! وقتِ رفتن است دلت را چه می بُباید، و خاطرت بچه میکشاید؟ تا بخدمت جان فشانیم، و بایستِ ترا بتو برسانیم"۔ پہلوان درآن حالت بر بدیہہ این قطعه بگفت: قطعه

چه پُرسی چه می بایدت وقتِ مرگ　　بجز وصلِ جانان چه می بایدم

جُدائی مبادا مرا از خدا دگر هرچه پیش آیدم، شایدم

مولانا لطف الله نیشاپوری از شعراءِ خوش گویست، و قصاید او مشهور. گویند وی را ضعف طالعی بوده است، و درآن باب ازو حکایاتِ غریبه آرند. از آن جمله این است: که روزی با جمعی از یاران و شاگردان به لب آبی رفته بود، که جامها بشوید. بعد از آن که یاران از جامه شوئی فارغ شدند، در صحرا جامها را بر آفتاب انداختند، و مولانا دستاری نیکو داشت، که اوّل بار بود که آن را شسته بود، بر صحرا انتک ساخته، ناگاه گرد بادی پیدا شد، و به هیچ جامه تعرّض نه کرد، و دستار مولانا را درهم پیچید، و به هوا بالا برد بمثابهٔ که از نظرِ یاران غایب شد، و هرچند در حوالی و نواحی بگشتند، از آن دستار نشانی نیافتند. و درآن محل مولانا این رُباعی را بر بدیهه گفت، در شکایتِ روزگار و گردشِ فلکِ دوّار:

رُباعی

فریاد ز دستِ فلکِ بی سر و بُن کاندر برِ من نه نو گذارد نه کهن
با این همه هیچ بر نیارم گفتن گر زین بترم کند که گوید؟ که مکن

مولانا در آخرِ عمر در قریهٔ اسفریس از اعمالِ نیشاپور منزوی شد، و از آمیزشِ خلق کناره کرد. بعد از چندگاه جمعی یاران عزیمتِ زیارتِ او کرده از شهر رُو بآن دیه کردند، و بدرِ باغِ

او آمدند۔ در بسته بود، هر چند در زدند و فریاد کردند کسی جواب نه داد۔ یکی به دیوار بالا رفت و از درون باغ در را کشاد۔ یاران در باغ در آمدند و بدر خانهٔ او رفتند، و دیدند که آن را نیز فرو بسته۔ در بسیار زدند، و فریاد ها کردند، کسی جواب نه داد و در نکشاد۔ و یکی بحیلهٔ بسیار ببالای بام برآمد، و از راه زینهٔ بام بخانهٔ او در آمد۔ دید، که مولانا بر سجادهٔ خود سجده کرده۔ زمانی ایستاد۔ مولانا سر بر نه داشت۔ دوید، و برای یاران در بکشاد، و قصّه بگفت۔ یاران بر سر او آمدند، و ملاحظه کردند، دیدند که مولانا سر بسجده نهاده و جان به حق داده۔ بسیار گریستند و کس به شهر دوانیدند تا مردم را ازان حال خبردار گردانیدند۔ و خلق شهر تمام بآن دِه آمدند تا برو نماز گذارند۔ یاران چون خواستند که او را بخوابانند در کف دست راستِ او کاغذ پارهٔ دیدند که در وقتِ جان دادن این رُباعی گفته بُوده است: رباعی

دی شب ز سر صدق و صفای دِلِ من　　در میکده آن روح فزای دلِ من
جامی بمن آورد که بستان و بنوش　　گفتم: "نخورم"۔ گفت: "برای دِلِ من"

مردم بر آن رُباعی گریها کردند، و فغانها بر آوردند، و بعد از غسل و تکفین و تجهیز برو نماز گذاردند، و او را هم در آن باغ دفن کردند۔ در شهور سنهٔ ست عشر و ثمانمائیه (۸۱۶ھ)+

انتخاب از نگارستان

مصنّفهٔ

مولانا احمد غفّاری

(م. ۹۷۵ھ)

(۱)

در حینی که شیخ ابوعلی سینا در اصفهان بود، علاء الدّوله ابوجعفر بن کاکویه دیلمی، والی آنجا، نسبت بدو در مقام تعظیم و تبجیل بوده اصناف رافت و مکرمت بتقدیم رسانیدی، تا آنکه روزی کمر نقرهٔ زرنشان با کارد و آویزهای مرصّع بدو عنایت نمود.

پس از چند روز همان را در میان یکی از خواصّ غلامان خود دید، علاء الدّوله حقیقت سوال کرده، وی گفت: "حکیم این را به من بخشیده."

علاء الدّوله ازین معنی بغایت بر آشفته، غلام را آزار بلیغ نموده حکم جزم بقتل شیخ فرمود۔ یکی هم از اصحاب وی شیخ را خبیر گردانیده، وی هم آن ساعت در زیّ صوفیه درآمده بصوب ری فرار نمود۔ چون بدان حوالی رسید، بنا بر تحصیل قوت ببازار آنجا درآمده بهر طرف می نگریست۔ ناگاه

نظرش بر جوانی موزون افتاده، ملاحظه نمود که جمعی نزد او مجتمع گشته به استعلاج اشتغال داشتند، تا آنکه عورتی قارورهٔ در دست پیش آمده۔ جوان پرسید: "این قارورهٔ یهودی است؟" عورت تصدیق کرد، بعد ازآن گفت: "او امروز ماست خورده؟" زن گفت: "چنین است۔" بعد ازآن فرمود: که "خانهای شما درین شهر در مقامِ پستی است؟" عورت گفت: "آری!" شیخ ازآن متعجّب شده، ناگاه جوان را نظر بروی افتاد، پس روی بدو آورده گفت: "تو بوعلی سینا نیستی که از علاءالدوله گریختهٔ؟" شیخ را حیرت زیاده شد، جوان چون از کاروبارِ خود فراغت یافت، دست شیخ را گرفته بصوبِ منزل شتافت۔ بعد از شرایط میزبانی و طیِّ تکلّفات، شیخ از وی پرسید: "که از چه دانستی که آن زن یهودی است؟" جوان گفت: "در دستِ آن عورت پیراهنی دیدم و درآن پیراهن وُصلهٔ[1] یهود، لاجرم بخاطر تافت، که دور نیست که این ازآن یهود بوده باشد۔" پس گفت: "ازکجا دانستی که ماست خورده است؟" وی جواب داد: "که آن را هم آلودهٔ ماست دیدم، بنابرین گفتم که ماست خورده۔" پس از پستیٔ خانه سؤال کرد و گفت: "چون درین شهر محلّهٔ یهودان در مقامِ پستی است، لهذا گفتم که منازلِ شما این حال دارد۔" شیخ دیگر باره پرسید: که "ازچه دانستی که من

[1] پارچهٔ زرد که یهودان بر جامه نزدیک دوش می دوزند تا معلوم شود که از قوم یهود است۔

ابوعلی ام و از علاء الدّوله گریخته ام؟" جوان گفت: "چون صیتِ شمایل، و آوازهٔ اصناف فضایل، و کمال حدس و فراستِ تو شنیده بودم، در ناصیهٔ تو شمّهٔ ازین اوصاف مشاهده نمودم، بنابرین بخاطرم گذشت که شاید که تو شیخ باشی، علاءُ الدّوله باختیار از تو تجویز جدائی نمی کرد، و دور نباشد که از وی فرار کرده باشی". صاحب صوان الحکمة گوید: که "شیخ بوی گفت: که "مسئول تو از من چیست تا مبذول اُفتد؟" وی فرمود: که "علاءُ الدّوله دست از تو بر نخواهد داشت، التماسِ من آن ست که چون نزدِ وی روی ماجرائی که منظور تو شد، به عرض وی رسانی و مرا در سلکِ ندمایش منتظم گردانی". بعد از چند روز علاء الدّوله کسان به عُذر خواهی نزد شیخ فرستاد، وی جوان را همراه بُرده در صحبت علاء الدّوله چندان تعریف او کرد، که در جرگهٔ ندما منسلک گردید.

(۲)

در مقامات حریری مذکور است: که ایاس بن معاویه مُزنی، قاضیٔ بصره، (که بکمال ذکاء و فراست، درمیانهٔ عرب، انگشت نما بُود)، یک مرتبه بمدینهٔ طیّبه رفته در مسجد رسول الله، صلّی الله علیه وسلّم، بُنیاد نماز کرد. جمعی در آنجا حاضر بود، و بر حقیقتِ حال وی واقف نه. بعضی از روی فراست گفتند: که

وی قاضی ست." و بعضی فرمودند: که "معلّم است." پس شخصی جهت استکشاف حال نزد وی فرستادند آن شخص وی را از گفت و شنید آن جماعت خبیر ساخت. او گفت: "آن فرقه که مرا قاضی گفته اند، درست گفته اند، امّا بیا، تا حقیقت هر یک را از ایشان بیان کنم. و دُور ایستاده، یگان یگان را، به صنعتی که موصوف بودند، بیان کرد. تا آنکه یکی از آن جماعت را گفت: "نجّار است." آن شخص گفت: "درینجا غلط کردی، چه او مردی بزرگ است از قریش." گفت: "هر که هست، البتّه نجّار است." آن کس نزد قوم آمده خبرداد، که این مرد از اعاجیب دهر است، زیرا که کیفیّت حال شما را، چنانچه باید، بیان کرد، امّا نسبت به فلانی غلط کرده. وی را گفت: "نجّار است." او گفت: "غلط نه کرده، من سابقاً نجّاری میکردم، و عود تراشیده ام." پس همگنان را حیرت زیاده شده، بکمال حدس او تصدیق نمودند.

(۳)

گویند، سلطان محمود غزنوی، در اوانِ کودکی، در باغستان غزنین طوف نموده، بر کنار چشمه نزول نموده. احمد حسن میمندی که از اقران و ملازمان بود، همراه او می بود، ناگاه نظرِ سلطان بر شخصی که در آن حوالی می گشت، اُفتاد. سلطان از خواجه احمد سؤال کرد: که "آیا این شخص چه کس است؟" گفت: "نجّار است."

باز پرسید: کہ "چہ نام دارد؟" گفت: "احمد"۔ سلطان پرسید: "کہ اورا مگر می شناسی؟" گفت: "ہرگز اورا ندیدہ ام"۔ سلطان گفت: "از چہ میگوئی، کہ نامِ او احمد است، و نجّاری میداند؟" وی گفت: کہ "چون سلطان مرا آواز داد، او می خواست کہ جواب دہد، پس معلوم شد کہ احمد نام دارد۔ و چون ہموارہ بگرد این درختِ خشک میگردید، و نظارۂ آن میکرد، و با خود تخیّلی می نمود، با خود گفتم، کہ دُور نیست کہ نجّار باشد"۔ سلطان گفت: "اگر بگویی کہ چہ خوردہ است کمال حدس باشد"۔ احمد گفت: "عسل یا دوشاب خوردہ"۔ پس سُلطان آن شخص را طلب داشتہ، اوّلاً استفسار نمود، کہ "تو این کودک را می شناسی؟" گفت: "ہرگز اورا ندیدہ ام"۔ پرسید: کہ "چہ نام داری، و چہ کارۂ، و چہ خوردۂ؟" گفت: "احمد نام دارم، و نجّارم، و امروز عسل خوردہ ام"۔ سلطان را حیرت افزودہ، از خواجہ احمد پرسید: کہ "از چہ دانستی کہ عسل خوردہ است؟" وی عرض کرد: کہ "ہموارہ دہن را پاک می کرد، و مگس را از حوالیٔ خود میراند، بنابرین دانستم کہ عسل خوردہ است"۔

(۴)

در مآثر اوکتای قاآن مذکور است کہ شخص پیری بہ درگاہِ قاآن آمدہ التماس دویست بالش زر نمود، کہ برسمِ مساعدہ بدو دہند، تا بدان تجارت کند۔ نوّاب او درآن باب مضایقہ نمودند

قاآن بر تسلیم آن وجه اشارت کرده گفت: "این پیر سالها در آرزوی این فرصتی بوده، اکنون که او را دریافته، او را محروم ساختن از مکرمت و مروّت دُور است، و لایق بشان سلطنتی، که خدای جاوید بما ارزانی داشته، نیست۔ چون وجه را تسلیم وی کردند، گرفتن همان بود و مُردن همان "

(۵)

ابن جوزی در منتظم ذکر کرده که بغداد، در زمانِ ابوجعفر بمثابهٔ معمور بود، که درو شصت هزار حمام دائر گشت۔ وچون شهر رُو بخرابی نهاد، بعضی اوقات به بیست هزار و شش هزار رسید، و بعضی ایام بهفده هزار رسید۔ امّا در ایّام رشید، سوادِ بغداد بچهار فرسنگ طول، و یک فرسنگ عرض، رسید۔ صاحب **نزهت القلوب** آورده است، که هرات، در عصرِ سلاطینِ غور، بمرتبهٔ معمور بود، که دوازده هزار دُکان، و شش هزار حمام، و کاروانسرا، و طاحونه، درو دائر گشت۔ و سیصد و پنجاه و سه مدرسه، و خانقه، و آتشخانه، داشت۔ و درو چهار صد و چهل هزار خانهٔ مردم نشین بود۔ و در زمان پادشاه مغفرت انتماء سلطان حسین میرزا بایقرا آن جمعیّت و معموری بسرحدّ کمال رسیده۔ از جمله، در اندرون شهر یک حرفتِ خبّازی بمرتبهٔ بود، که بقولِ رُواتِ ثقات، هر روز موازیِ بیست و یک خروار تخم بر وی نان می کردند۔ و دوازده

ل ششصد (نزهه)

هزار طالب علم موظّف بودند، گویا در آن زمان گفته اند: ؎

گر کسی پُرسد ز تو، کز شهرها بهتر کدام؟ گر جوابِ راست خواهی گفت او را، گو: "هری"
این جهان را همچو دریادان، خراسان را صدف در میانِ آن صدف، شهر هری، چون گوهری

(۶)

وَمِنْ مَآثِرِ الْکَرَم

آورده اند که جعفر[1] در استیصال مروانیه کوشیده، اکثر را به تیغِ انتقام، از هم بگذرانید- امّا از جملهٔ ایشان معن بن زائده شیبانی، که در پهلوانی چون رستم بی بدل، و در کرم همچون حاتم ضرب المثل بوده؛ چنانکه گفته اند: ؎

ای چو حاتم بجود گشته سمر پیش تو صد چو معن بسته کمر
چیست جُودِ کفِ تو در عالم طعن معن ست و ماتم حاتم
نزدِ تو یادِ معن بی معنی است هر گدائی ز جُودِ تو مغنی ست
(جامی)

متواری شده، عمرها در زاویهٔ خمول، بخون خوردن مشغول بودی + از وی منقول است، که در اوانِ انزواء خواستم، که از شهر روی بصحرا آرم- هیئاتِ خود را بالضروره تغییر داده، از دربِ حرب بغداد روی ببادیه نهادم- چون از پیش راه داران گذشتم، شخصی سبز فام، دست در زمامِ شترِ من زده، گفت: "تو آن کس نیستی، که جعفر به پیدا کردنِ تو زری بجد و مر وعده کرده"- گفتم: "من

[1] در همهٔ این حکایت جعفر بجای ابوجعفر (یعنی منصور (عباسی) نوشته است،

کیستم؟" گفت: "تو معن بن زائده نیستی؟" چون اصرار بانکار موجب اضرار بود، عقد جواهری که داشتم، بدو دادم و گفتم: "این را بگیر، و دست از من باز دار، و به پرهیز از آنکه بوسیلۂ تو خون من بریزد۔" وی چون آن را گرفت، و بر قیمت آن مطلّع شد، گفت: "بشرطی دست از تو باز دارم، که جواب آنچه از تو بپرسم، راست بگوئی۔" گفتم: "سمعنا و اطعنا"۔ گفت: "تو بصفتِ جود موصوفی، و به شیوۂ سخا معروف، بیا! بگو، که هرگز تمامی اموالِ خود را بکسی بخشیدۂ؟" گفتم: "نی"۔ گفت: "نصفی؟" گفتم: "خیر"۔ همچنین سوال کرد تا به عُشر رسید۔ شرمم آمد، که قبول نکنم۔ گفتم: "می تواند بود، که بدین وجه رسیده باشد"۔ گفت: "این خود سهل است، چه من پیادۂ ام، جعفر هر ماه بیست درم می دهد، و ثمن این عقد، که بمن دادۂ، چندین هزار هزار درم میشود، اکنون من این را بتو بخشیدم، تا بدانی که از تو کریم تری هست"۔

این بگفت، و آن عقد را در کنارِ من انداخته، روان شد۔ من او را فریاد کردم، که "واللہ! پیش من، کشته شدن بخواری، بهتر ازین شرمساریست، باز گرد، و این را رد مکن، که این بتو اولیست۔ ازین سخن متبسّم گشته گفت: "میخواهی که دعویٔ ما را فاسد کنی؟ این التماس از تو نپذیرم، و مدّت العمر جزاءِ نیکی از تو باز نگیرم"۔ القصّہ بعد از آن که جعفر از تقصیراتِ من گذشته،

مرا از حضیض حقارت باوجِ امارت رسانید، ہرچند اورا طلب داشتم، کہ تلافی و عذر خواہی نمایم، پیدا نہ شد ÷

(۷)

مِن مآثر البُخل

گویند، ازہر بن سعد باہلی، کہ از ارباب حدیث است، در وقتی کہ ابو جعفر رتبۂ نداشت، ہموارہ با او شیوۂ موالات مرعی میداشت۔ و چون ابو جعفر بحکومت رسید، ازہر، بنابر سابقۂ مقرّر، خواست، کہ خود را بہ مجلسِ او رساند، و مرتبۂ یابد۔ در مرتبۂ اوّل راہ نیافت۔ در روزی کہ بارِ عام بود، ازہر بہ صحبت ابو جعفر رسیدہ۔ از وی سؤال کرد: کہ "بچہ کار آمدۂ؟" گفت: "بہ تہنیت آمدہ ام۔" ابو جعفر ہزار دینار بدو دادہ گفت: "دیگر خود را کلفت و زحمت مدہ۔" و ازہر سال دیگر ہمچنان خود را بہ مجلسِ او رسانیدہ۔ ابو جعفر را از دیدنِ او کدورت بیشتر از پیشتر دست دادہ۔ پرسید: کہ "باز سبب تصدیع چیست؟" گفت: "شنیدم، کہ تو مریضی بعیادت آمدہ اَم۔" ابو جعفر باز ہزار دینار بدو دادہ گفت: "دیگر بارہ ما را بقدومِ خود میازار۔" و او سالی دیگر، بدستور بہ مجلس ابو جعفر حاضر شد، درین نوبت، کہ چشمِ ابو جعفر بدو اُفتادہ، در تاب شدہ، پرسید: "کہ باز باعث این تصدیع چیست؟" گفت: "یکباری من از تو دُعائی شنیدہ بودم، اکنون التماس تعلیم آن

دارم". ابو جعفر گفت: "ای ازهر! این دعا را اصلا اثری نیست، چراکه من بواسطهٔ ندیدنِ تو مواظبت نمودم، مطلقاً اثری بران مترتّب نه شد"*

(۸)

مِن بَدَائِعِ الوَقَائِع

آورده اند، که در زمانِ مهدی بن جعفر، شخصی حکمؒ بن حاکم نام که سابقاً در دیوانِ ابومسلم بامر کتابت مشغول بودی، خروج کرد۔ چون کراهیت دیدار داشت، و مع ہذا، در یکی از حروب زخمی قبیح بر روی او آمده بود، بنابرین برقعی فرو میگذاشت و به "برقعی" معروف شده بود۔

آن روی را بهرکس منمای الله الله
یا برقعی بر افگن یا پردهٔ فرو هل (جامی)

امّا اعتقادِ آن سر حلقهٔ اربابِ فساد آن بود، که حضرت حق سبحانهٔ تعالیٰ در جسم آدم حلول نموده، لاجرم مسجود ملائک گشته، و ابلیس بنابر مخالفت مردود شده، و همچنین بصور انبیاء و حکما متمثّل گردیده، تا نوبت به ابومسلم، و حالا آن کیفیّت بمن منتقل شد۔ القصه آن ضالّ مضلّ خلق را اضلال نموده، بپرستاریِ خود دعوت میکرد، (تعالیٰ شانهٔ عما یقولون،) و آن مردود در مردِ آغازِ

۱؎ صوابش ہاشم بن حکیم است که به حکیم برقعی یا المقنع اشتہار دارد*

دعوت کرده - چون در سحر و سیمیا، بی قرینه و همتا بود، عامه را بدان فریب داده، جمعی کثیر در ظلال شقاوت مآل آن ملعون ضالّ مجتمع شدند- و ازآنجا به ماوراء النّهر شتافته، از چاهِ نخشب بشکل ماه صورت منوّری (که در دو فرسنگ پرتو انداختی) بیرون می آورده- حکیم سوزنی بدین معنی ایما می نموده - ؎

سودا فتاده خیره سری را، هم از خری
تا آفتاب و ماه برآرد ز چاهِ کش
دعویٰ کند خدائی، و مرهیچ خلق را
نتوان، که دست گیرد از جوع و ازعطش

و آن صورت موجب ازدیادِ فساد اعتقاد آن گمراهان شده، روز بروز کارِ آن نابکار بالا می گرفت، تا چند حصن حصین آنجا بدست آورده، ندای "انا و لاغیری" در میداد، تا آن که مهدی عبّاسی، مُسَیَّب بن زُهیر را بدفعِ او فرستاد، و مُسَیّب کار برو تنگ گرفته- برقعی چون دانست، که ازآن ورطه نخواهد جست و ازآن مهلکه نمی تواند رست، بنابرین در شهور سنه ست و ستّین و مائة اتباعِ خود را در شراب زهر داده، خود در خمِ تیزابی نشست، و اجزاءِ اعضاءِ ناپاکش بتحلیل رفته، بغیراز موی سر، هیچ اثری نماند، و اللّٰه اکبر! ع

بس رنگ بو العجب، که درین نیلگون خُم است

(۹)
مِنَ المُضحِکات

آورده اند، که مهدی روزی در شکار، از اعوان و انصار باز مانده، تشنه و گرسنه بخانۂ اعرابیٔ رسید، و از کمال بیتابی از عرب نان و آب طلبیده - وی قدری گاورس و ظرفی شیر پیش مهدی آورده نهاد، آنرا بکار برده، پرسید: که "دیگر چه داری؟" اعرابی کوزۂ شرابی که داشت، حاضر کرد - مهدی جرعۂ از آن آشامیده گفت: "هیچ می دانی، که من چه کسم؟"

گفت: "لا و اللّٰه!" فرمود: که "من یکی از نزدیکان خلیفه ام"- اعرابی گفت: "مرحباً بك اهلاً وسهلاً"- چون جرعۂ دیگر در کشید، گفت: "مرا می شناسی؟" گفت: "شما فرمودید، که یکی از مقرّبانِ خلیفه ام"- گفت: "خیر! یکی از اُمراء خلیفه ام"- باز اعرابی شرطِ تحیّت بجای آورده - چون پیالۂ سیُم خورد، گفت: "هیچ پی بردهٔ که من کیستم؟" اعرابی گفت: "شما فرمودید، که من از اُمراء خلیفه ام"- مهدی گفت: "من اینها نیستم، بلکه بادشاه روی زمینم"- عرب فی الفور شراب را از پیش برداشته - وی پرسید: که "چرا چنین کردی؟" گفت: "می ترسم، که اگر قدحِ دیگر بیآشامی، دعویٔ نبوّت، بلکه بالاتر، فرمائی - مهدی در خنده شد *

مقارنِ آن حال، جوق جوق، ملازمانش از اطراف و

جوانب جمع آمدند - اعرابی از آن جرأت ترسیده - و مهدی او را به عواطف خود اطمینان داد، و بخلعت و بخرجی خوشحال گردانید - اعرابی از آن انعام و اکرام مسرّت تمام یافته گفت: "اَشْهَدُ اَنَّكَ صَادِقٌ وَ لَوِ ادَّعَيْتَ الرَّابِعَةَ وَ الْخَامِسَةَ" (یعنی گواهی میدهم، که تو راست میگوئی اگرچه دعوی مرتبۂ چهارم را، که نبوّت ست، و پنجم را، که الوهیّت است، نیز میکردی +

(۱۰)

مِنْ مَآثِرِ الْكَرَم

در "فرج بعد الشدّة"، از یحیی نقل کرده اند، که در عهدِ مهدی، احوالم بغایت پریشان بود، چنانچه کار به جائی رسید، که پیراهن از تن بدر کرده بفروختم، و صرف معاش کردم، ثمّ از حالِ مختلّ به ابی خالد احول را، که در آن حین کاتب ابو عبدالله اشعری، وزیرِ مهدی، بود، درمیان نهادم - وی اصلا التفاتی نکرد - من خود را ملامت کرده بغایت اندوهناک گشتم - امّا وی در اندیشۂ من بوده، هم در آن چند روز، در یک معامله، بمن سی هزار درم رسانید، و عذر بسیار خواست +

گویند که آن مدد معاش موجب انتعاشِ یحیی شده، در ایّامِ حکومت، پسرِ وی، احمد، را بمکافات آن، تربیتِ تمام کرده، در اواخر حال او را به شغل از وی فرستاد +

از احمد منقول است: "که چون از آنجا معاودت کردم، با من شش هزار دینار منافع آنجا بود. به لطایف الحیل خود را به زندان رسانیده، یحیی را بدان موضع دیدم، گریان گردیده، در برابر حقوق او وجه مذکور را بدو تکلیف نمودم. وی سه هزار دینار قبول نمود، و گفت: "ای فرزند! چنان می بینم، که رشید رخت زندگانی بسر منزل جاودانی خواهد کشید، و میانهٔ فرزندانش هم بوحشت انجامیده، کار بر مامون قرار خواهد گرفت، و فضل بن سهل در سرکار او اقتدار خواهد یافت. پس رقعه نوشت و دو پاره کرده نصفی بمن داد، و نیمهٔ دیگر در زیر مصلی نهاده گفت: "در آن حین اگر این را بدو رسانی دور نیست." من از آنجا بیرون آمده بجهت سه هزار دینار ندامت داشتم، و آن را بی فائده می انگاشتم، تا آن که روزگاری بر آن گذشت، و میانهٔ فرزندان رشید، رسید بدآنجا که رسید. و طاهر ببغداد آمده والی گردید +

من در آن اوان، از غایت افلاس و بیکاری، در خانهٔ خود نشسته، و در خروج و دخول بر خود بسته بودم. در آن اثناء کسی حلقهٔ در من زد. آن قدر کسی نداشتم، که در باز کند. عورت خود را گفتم: "بنگر تا چه کس ست؟" وی باز آمده گفت: "سرهنگی چند می نمایند." مرا توهم تمام روی نموده، بالضرورة بیرون رفتم. چنان ظاهر شد، که طاهر مرا طلبیده، و مرا خود الاغی نبود، که سوار

شوم۔ ایشان مرکبی دادند، برنشستم، چون چشم طاهر بر من افتاد، تعظیم فراخور نموده، مثالی، که فضل در طلب من ارسال داشته بود، نمود۔

خلاصۂ آن: "که احمد را پنجاہ ہزار درم و بیست مرکب داده بصوب خراسان روانه کن"۔ من بخاطر خوش بمنزل آمده، یراق کرده، متوجّه خراسان شدم۔ بعد از وصول بمقصد، چون بصحبت فضل رسیدم، مرا نزد ماموں برده، تعریف بیش از بیش نمود۔ و ہم در آن مجلس ہم، دیوانِ توقیع را جهت من قرار داد۔ فضل، که شب بمنزل آمد، مرا طلبیده، در اثناءِ سخن، از من پرسید: "که ہیچ میانۂ تو، و اُستاد من، یحیٰی، آشنائی بُود؟" مرا وصیّت یحیٰی بخاطر رسیده، نصف رقعه که نوشته بود از بغل بدر آورده بدستش دادم۔ فضل دست در زیرِ مصلّیٰ کرد، و نصف دیگر را بدر آورده بر پهلوی ہم نهاده، نگریست۔ مضمونِ آن: "که عمر و دولتِ ما بآخر رسید، اکنون زمان ظهور دولتِ تست، چون احمد و پدرش ابی خالد را بر ذمّت ما حقوق ثابت است، و توفیق عذرخواہی از ما فایت، اگر آن فرزند عذر بخواہد دور نیست۔"

(۱۱)

مِنْ مَآثِرُ الصَّدَاقَةِ

از واقدی، صاحب سِیَر و اخبار (که در ایّام ماموں، در سنۂ سبع و مائتین رحلت نموده) منقول است، که گفت: "من دو

دوست داشتم، که یکی از آنجمله هاشمی بود، و هر سه خود را کنفسٍ واحدةٍ تصوّر میکردیم۔ (حکمت:

حکیمی را پرسیدند: که "اصدقا کیستند؟" گفت: "نفسی واحد در ابدانِ متفرّقه" ؎

بسی دوستان را بود جان یکی	چو باران، که باشد در اجزاءِ میغ

و ناظر باین معنی مضمون شعر مولانا جامی: ؎

من کیم؟ لیلی، و لیلی کیست؟ من	ما دو رُوحیم، آمده در یک بدن

نکته ـ مردم بدوست درهمه حال، محتاج اند، در رفاهیت، بنابر استلذاذ بحضورِ ایشان و موانست، و در هنگام شدّت، بنابر امداد و معاونت، ؎

مرد را دوستانِ صاحبدل	زیورِ دین و زینتِ دُنیاست)

القصّه، در حینی که افلاسِ من درجۂ کمال داشت، ودرآن عیدی که نزدیک ما آمده بود، مادرِ فرزندان با من گفت: "ما در شدّتِ فقر می توانیم صبر کرد، ولیکن دلِ من تحمُّلِ بینوائیِ اطفال ندارد، چه ابنای جنس ایشان درین عید اثوابِ مُلوّن خواهند پوشید، و این بی چارگان با جامهای دریده خواهند بود، اگر می توانی تدبیری کن، تا محقّری بدست آوری، و در وجه مصالح جگر گوشگان مصروف داری۔" وی گوید، که سخن او در من تاثیر کرد، و دو کلمه بدوست هاشمی نوشتم و ایماءِ احتیاج

کردم۔ ع   بینوائیم و عید می آید

چون رقعہ بدو رسید، کیسۂ سر بمہر نزد من فرستاد، و آورندہ گفت: "درین جا ہزار درم است"۔

اتفاقاً ہنوز سر او را نگشودہ بودیم، کہ از دوستِ دیگر بہمان مضمون رقعۂ رسید: ؎

شد مدتی کہ خستۂ تیغ تحیرم   گر ہیچ ممکنست، مرا مرہمی فرست

من آن کیسہ را، ہمچنان سر بمہر، نزدِ او فرستادم، و از شرمندگیٔ فرزندان بخانہ نرفتہ، آن شب در مسجد بسر بردم، و روز دیگر دوست ہاشمی، کیسہ را ہمچنان سر بمہر، پیشِ من آوردہ، گفت: کہ "بگوی کہ وجہی را کہ دیروز برای تو فرستادم چہ کردی؟"

من صورت واقعہ را با او درمیان نہادم، وی گفت: "چون نوشتۂ تو بمن رسید، با آنکہ غیر ازین ہیچ نداشتم، مروت تقاضای آن نمی کرد، کہ آن وجہ را بالتمام نزد تو نفرستم، و چون مرا نیز اخراجات ضروری واقع بود، تدبیری جز این نداشتم، کہ نزد فلان، کہ دوستِ من و تو است، فرستم، و چیزی ازو التماس کنم۔ چون نزد او ارسال داشتم، او ہمین کیسہ را، سر بمہر، نزد من فرستاد، ؎

بسیار بودہ است کہ مرد از رہِ وفا   پا بر سر محافظت سیم و زر نہاد

لاجرم در تعجب افتادہ، پیشِ تو آمدم، کہ حقیقت استکشاف نمائیم، ؎

مشرق و مغرب، ہمہ پر ہمدم است   لیک از آن گونہ کہ باید، کم است
دیدۂ بد دُور! از آن ارجمند   کو شود اندر سر یاران سپند
(خسرو)

واقدی گوید: ”بعد از آن، آن دوست دیگر را طلب داشتند بعد اخراج یک صد درم، کہ در وجہِ اطفال مقرّر شد، آن مبلغ را باثلاث تقسیم کردیم“۔

(۱۲)

مِنْ مَآثرِالتّہَوُّر

چُون در تہوّر و شجاعت شاہ منصور بی قرینہ بود، فصلی درین باب گفتہ می شود:

کہ چون در سنۂ خمس و تسعین و سبعمأیۃ (۷۹۵ھ) بادشاہِ جہان، امیر تیمور گورگان، از راہ شوستر بہ حوالیِ شیراز رسید، ہمگنان را گمان آن بُود، کہ چُون شاہ منصور بن شاہ مظفّر بن مبارز الدّین محمّد، خبر موکب صاحبقران را دریابد، عنانِ سلامت را بصوب ہزیمت تابد، تا آنکہ در روزِ جمعہ، چہاردہم جمادی الاوّل سنۂ مذکورہ، صاحبقران با سی ہزار جوان، کہ در آن وقت ملازم رکاب ظفر انتساب او بودند، بہ حوالیِ شہر رسیدند۔ ناگاہ شاہ منصور، کہ بہ شجاعت و تہوّر مشہور بود، با پنج ہزار جوان، کہ ہر یک را از اقلیمی گزیدہ بود: ؎

ہر یک بجای جامہ دیبا، و جام می،   در بر فگندہ جوشن و بر کف گرفتہ تیغ

وقت نماز جمعه، در کوه پاتیله، بر قول مغول حمله آورده صفوف را بر هم زد- و از پس پشت صاحب قران در آمده، خود را چون شیر ژیان بدو رسانید، و شمشیر حوالهٔ آن سرور کرده، عادل اختاجی و خماری یساول سپر بر سر او کشیده، آن حمله را رد کردند، و بغیر ازین دو کس، باقی مقربان، بهزیمت رفته بودند، چنانچه نوّاب امیر میخواست، که به نیزه دفع صدمهٔ آن جهان پهلوان کند- فولاد چهره، که از نیزه داران آن کامگار بود، فرار کرده، حاضر نبود *

القصّه آن نهنگ دریای وغا، و آن شیر بیشهٔ هیجا، چون به صاحب قران آشنا نبود، او را نشناخته، بطرفی دیگر تاخت، و قشون قشون بهادران، کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ، از حملهٔ ضرغام انتقام او رو گردان شده، خال عار بر رخسار روزگار خود می گذاشتند، و اقتدا بمضمون این بیت می کردند: بیت

گریزی بهنگام، و سر بر بجای، به از پهلوانی و سر زیر پای،

حاصل، که در آن معرکه کارزاری نمود، که داستان هفت خوان پور دستان بر طاق نسیان ماند، ع

چون که سعادت نبود، کوشش بی حد چه سود؟

آخر الامر او را تیری بر گردن، و شمشیری بر رخسار آمد-

و در اثناءِ گیر و دار، یکی از ملازمانِ شاه رُخ میرزا او را از اسپ فرود آورده، سرش را از تن جُدا کرد۔

بدخواه تو قصدِ سرِ خود داشت، ولیکن
تیغِ تو زیک دیگرشان نیک جُدا کرد (سلمان)

و سرِ پرِ نخوّتِ او را بملازمتِ حضرتِ صاحب قران آورده،

سری، که گردن از امرت کشید، گردونش
بر آستانِ تو، اینک کشان کشان، آورد

و امیر علاء الدّین اینانق در تاریخِ آن تهمتنِ آفاق گوید:

شهریارِ عصر منصور آن که او در زمینِ ملک تخمِ داد کشت
ملکِ هشت از دارِ دنیا چون برفت لاجرم تاریخِ او شد "ملکِ هشت"
۷۹۵

(۱۳)
حکایت

در "روضة الصّفا" مذکور است که شاه یحیی بن شاه مظفّر بن مبارز الدّین محمّد، روزی در شکارگاه از ملازمانِ خود دور اُفتاده بدهقانی رسید، پُرسید: "که آیا عملهء دیوان، بخلافِ حسابِ خود، دریںولا چیزی از تو نمی گیرند؟" چون دہقانِ فقیر، آن مکّارِ پُر تزویر را نمی شناخت، شکایتِ بی نہایتی از نوّابِ وی اظهار کرده۔ شاه یحیی گفت: "پادشاه در فلان جایگاه نزول کرده، من متعهّدم که چون بدیوان آئی، در بابِ رفعِ تعدّی و تخفیف

خراجات، از برای تو حکمی حاصل کنم، البتہ بیائی" وی گفت: "البتہ نخواہم آمد" او سبب نیامدن پرسید۔ گفت: "بنا بر آن کہ تو جوانی نیک می نمائی، و آن بیش چشم، سر در پیش افگندہ، چشم بر زمین خواہد انداخت، و گوش بہ سخن تو نکردہ، شرمندۂ من خواہد ساخت۔ شاہ یحییٰ گفت: "مرا در مزاج پادشاہ بقدر تصرفی ہست، تو بیا کہ البتہ مہم ترا می سازم" القصہ آن درویش بہ اُمید وعدۂ آن وفا کیش، بدرگاہ شتافت۔ و چون او را بارگاہ در آوردند، نظرش بر چہرۂ حریف اُفتادہ، او را بشناخت، و از کمال دہشت و بیم لرزہ بروی اُفتادہ۔ شاہ یحییٰ را بر حالِ آن مستمند ترحّم آمدہ، نشانِ معافی، و مبلغی گران مند، بوی مکرمت فرمود و گفت: "الحمد للہ! کہ بیش چشم سر در پیش و چشم بر زمین نینداخت، و مُدّعاءِ ترا بر حسب دلخواہ ساخت۔"

خواہی کہ خدا در دو جہان پاسِ تو دارد،
زنہار، کہ در پاسِ دلِ خستہ دلان کوش (جامی)

مشہور است، کہ چون خبر ولادتش بجدّش مبارز الدّین محمّد رسید، بہ مصحفی کہ در دست داشت، تفاؤل نمود، این آیہ بر آمد: "اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ يَحْيٰى" لاجرم بدان مستبشر و مسرور گشتہ، وی را مسمّٰی بشاہ یحییٰ گردانید۔

ﮯ ہم تمہیں ایک لڑکے کی خبر دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

(۱۴)

من نوادر الآثار

صاحب قران در شوال خمس و تسعین و سبعمایه (۷۹۵ھ) بعزم تسخیر عراق عرب توجّه نموده، صبح شنبه بیست و یکم ماه مذکور به بغداد رسید. سلطان احمد، والی آنجا، از آن معنی واقف شده از دجله بگذشت، و جسر را بریده، چون اثر لشکر بیگانه دید، پشت داده بطرف حِلّه بدر رفت۔ امیر فوجی از امرا را از عقب او فرستاد، و ایشان ایلغار نموده، از فرات بگذشتند۔ و در دشت کربلا بسلطان احمد رسیدند۔ چون در آن وقت به تعجیل رانده بودند، چهل و پنج نفر امیر و نویین بودند۔ و با سلطان احمد دو هزار سوار جرّار همراه۔ از آنجمله دویست جوان برگشته، حمله برایشان آوردند۔ و امراء بزیر دویده، مخالفان را بزخم سهام حوادث انجام یک تیر پرتاب باز داشتند۔ و چون ایشان پشت دادند، بهادران سوار گشته، تعاقب نمودند۔ ایشان باز گردیده، حمله آوردند، و لشکر منصور بدستور پیاده شده، معاندان دیو نشان را بتدبیر صایب و سهام نصر عواقب، فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ روگردان ساختند۔ ؎

خدنگ از سینه جان می کرد غارت — کمان می کردش از ابرو اشارت
نیِ ناوک نواءِ راز می کرد — نواءِ او بدل ها کار می کرد
(خسرو)

ل ۔ ک ۔ بہ ظفرنامہ یزدی ج ۱ ص ۶۳۲ ۔

نویینان همچنان سوار گردیده به دنبال ایشان شتافتند- و آن گروه بستوه آمده- درین نوبت بروجهی عطفهٔ عنان عزیمت کردند، که امراء را مجال فرود آمدن نشده، بالضّرورة درهم آویختند و طرفین داد مردی دادند- امّا چون همیشه نصرت و اصطبار، شعار لشکر جرّار امیر نامدار بود، بمقتضاء مؤدّاء: "وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ" نسیم ظفر بر پرچم رایات نصرت آیات نویینان وزیده، حریفان عنان به وادی فرار معطوف داشتند، و ایشان سالماً غانماً مراجعت نمودند- .

. . . .

لیکن در آن دشت بی آب از غایت شدّت حرارت آفتاب، بی تاب گشتند- شعر

زبس کافتاب از هوا یافت تاب دل سنگ می سوخت بر آفتاب

از کمال تشنگی بی طاقت شدند، شعر

در دشت دلم آه چنان شد، که ز گرمی مرغان خدنگ تو، کشودند دهان ها
(آصفی)

بالضّرورة، هر یک، بشتاب، از پی آب روان شدند- ایباج[۱] اوغلان و امیر جلال حمید، که از اعاظم جوجی نژادان، و معارف نوینیان بودند، جمعی را به تفحّص آب فرستادند- و آن جماعه بعد از سعی تمام، دو شربت یافته، بدیشان رسانیدند- ایباج اوغلان حصّهٔ

[۱] در صحت این اشتباه است: در ظفرنامهٔ مطبوعه ایباج نوشته است، و در نگارستان (نسخهٔ مطبوعه) اسباح، و در یک نسخهٔ خطّی از آن ایباح دابناج،

خود آشامیده، تشنگیءِ او بدان تسکین نیافته، جلال حمید را گفت: "حسبةً للّٰه! از تشنگی بخواهم مُرد، اگر حصّهٔ خود را بمن تفقّد فرمائی، هر آینه نام تو در جریدهٔ ارباب طُوبیٰ لَهُم وَ حُسنُ مَآب، مرقوم گردد." امیر جلال گفت: "درین باب از صاحب قران حکایتی شنیده ام":

گفت: "یک نوبتی عربی با عجمی رفیق شد، در بادیه بدین گونه نائبه فرو ماندند، اتفاقاً عرب را قدری آب مانده بود، عجمی بدو گفت: "جوانمردی و مکرمت عرب شهرتی تمام دارد، چه شود؟ اگر بشربتی آب، مرا از ورطهٔ هائلِ ممات نجات دهی، و رقبهٔ اهلِ عجم را به ربقهٔ منّت خود آوری." عرب بعد از تامّل گفت: "اگرچه یقین میدانم، که این مکرمت مستلزم عدم من است، امّا به هیچ وجه روا نمی دارم که ..... این فضیلت موروث از ما ساقط گردد. پس "اغناءِ ذات در ابقاءِ صفات" اختیار کرده، آب بدو داد، و دل بر هلاک نهاد.

هر کس که در طریق محبّت زند قدم | بهرِ رفیق ترک سرِ خویش گو، بگو
کو در وفاءِ دوست نکند فکر از عدم | باشد حرام دوستی و رهبر، بزدلی

غرض که من نیز بمثل آن عرب عمل نموده، حق بر دودمان جوجی و چنگیز خان ثابت میگردانم، بشرطِ آنکه چون به مجلس صاحبقران

لهٔ در ظفرنامه افزوده است: تا این نیک نامی الوس جغتائی را باقی ماند۔

رسی، از جانبازیٔ ما یاد آری، و این حکایت را بر صحیفۂ تاریخ نگاری". ایباج اوغلان قبول کرد، و امیر جلال دل بر استیصال نهاده، آب را بدو داده، او را، که بسرحدّ ہلاک رسیده بود، خلاص ساخته، و خود نیز بہ یمن آن مکرمت ازآن لجّۂ ہائل بہ ساحل رسید، ؎

میل کسی کن کہ وفایت کند جان ہدف تیر بلایت کند
بہر چنین دوست، کہ جانی بود، دوستیٔ جان ز گرانی بود.

(۱۵)

مِنَ الْبَدَایِع

چون امیر بی نظیر و ہمال [یعنی تیمور]، در یک سال صبح اقبال فرمان دہ مصر و شام را، بشام زوال رسانیده، آن بلاد را لکدکوب عساکر بیداد گردانیده، و بغداد را بسرپنجۂ قہر و غلبہ مسخّر و مفتوح ساخته، قتل عام بتقدیم رسانید۔ چنانچہ در آن دیار از دیّار اثر نہ گذاشته، زمستانش در قراباغ قشلاق کرد۔ در آن اثناء ارادۂ تسخیر روم از خاطرش سر زده۔ امراء و ارکان دولت این معنی را کاره بودند۔ بتوسّط ایلچیان و مقرّبان معروض داشتند: کہ اکنون سہ سال شد، کہ ہموار چریک در زحمت یورش، و تشویش جنگ و جدل اند۔ و عرصۂ روم مملکتی

ؒ رک بہ ظفرنامۂ یزدی ج ۲ ص ۳۹۶ ببعد۔

است عریض، و پادشاه آنجا را نسبتی بدیگر سلاطین نیست، چه از کمال ابهت و کثرت عدّت و حشر از سائر قیاصره و جبابره ممتاز است، و نیز مظنّهٔ اہلِ نجوم آن است، که لشکر چغتائی را از یورش روم بیم ضرر است۔ صاحب قران، چون آن یورش را با خود مصمّم داشته بود، از آن سخنان اعتبار نگرفته، بنابر رفع غائلهٔ امراء و نوینان، مولانا عبد الله لسّان[1] را طلب داشته، حقیقت سوال کرد، مولانا مذکور، که در شهور و سنین، چون او شہابی از افق اختر شناسی، طالع نگشته بود۔ ؎

ہمہ زیج فلک جدول بجدول باصطرلاب حکمت کرده بُدحل

معروض داشت، که "درین ولا ذو ذوابه در برج حمل ظاہر میشود۔ چنانچه در آخر روز تا انذہاب شفق می ماند۔ و حکم آن در رسائلِ استادان این فن، بتخصیص مولانا محی الدّین مغربی مسطور است"۔ و آن نسخه را بمجلس آورده۔ در آنجا مرقوم بود، که ذو ذوابه در برجِ حمل، دالّ است بر آن که لشکری از جانب مشرق بر روم مستولی گردد، و والیِ آنجا اسیر شود۔ لاجرم آن معنی صاحبقران را خوش اُفتاده، به استصواب رای صواب نما آن نیّت را به امضاء رسانید۔ و روز یکشنبه، ہفتم شعبان، سنهٔ اربع و ثمانمایه، موافق روز نوروز سُلطانی، ایت ئیل از حوالی یورت قشلاق

[1] کذا در ظفرنامه و نگارستان (مطبوعه)، امّا در یک نسخهٔ خطّی نگارستان لبنان نوشته است۔

قراباغ، به عزمِ تسخیرِ ولایاتِ روم توجّه نمود۔

شاہ انجم چو مشرّف کند ایوانِ حمل

عامل نامیه را باز فرستد به عمل (سلمان)

اوّل افتتاح از قلعه کماخ، که کمند تسخیر خواقین صاحب تدبیر، به شرفاتِ کاخش نرسیده است، کرد۔ آن قلعه را، که از امّهاتِ قلاعِ آن ولایت، و بر ذروهٔ کوہی منیع واقع است، که وہم تیزتگ در ارتقاءِ معارجِ آن، چند نوبت به سنگ تفرقه بر آید، و نفسِ طائرِ خیالِ سبک بال، از عروج بر بروجِ فلک مثالش به تنگ آید،

از چهار ارکان و از سبع سمٰوات طباق

نردبانی گر کند ترتیب عقلِ دُور بین

ناید از دستش، که پا بر گوشهٔ بامش نهد

گر شود آن سبعه اش سبعین و آن چار اربعین

القصّه حصنِ حصین چنین را، که قاضی شنجان گوید: احمد

سپهر منقّش پلنگی درو چو البرز ہر پاره سنگی درو

و نعم ما قال:

بخود فرو شد صد بار، و ہم دور اندیش

که تا کمندِ نظر چون توان بران افگند

عُلوِّ کنگرهٔ آن به غایتی برسید،

که آسمان را از چشم اختران افگند

زمرهٔ از مبارزان امیر کبیر، قلعه را، بسر پنجهٔ قهر و غلبه، تسخیر کردند و بموجب: ع

سالی که نکوست از بهارش پیداست،

پیکر ظفر، از عرصهٔ دلها، جلوه گر گشت +

صاحب ظفرنامه گوید: "از غرایبِ آن سرزمین است، که هر سال، در فصل بهار، سه روز متوالی، صغار طیور مثل بچّهٔ عصفور، که از نو پر برآورده باشند، از هوا فرود می آیند، و اهالیِ آنجا، آنرا جمع نموده، نمک سود میکنند، و در اوانی و ظروف ذخیره می سازند۔ و هرچه در آن سه روز گرفته نمی شود، پرش بزرگ شده می پرد +

بالجمله در روز جمعه، نوزدهم شهر ذی الحجّه سنه مذکور، آفتاب در ششم درجهٔ اسد، در حوالیِ انگوریه با ایلدرم بایزید مصاف داده غالب آمد۔ و او را وقتِ خفتنِ شبِ شنبه دست بسته، نزد صاحبقران آوردند۔ مضمون "اَصْبَحْتُ اَمِیْرًا اَمْسَیْتُ اَسِیْرًا" در باب او به ظهور رسید" ۵

تابِ تو صد هزار سلاطین نداشتند

قیصر، چه گونه دارد، و فغفور، تابِ تو؟ (انوری)

در ظفرنامه مسطور است: که چون مصاف میانِ این دو

لشکر عظیم واقع شد، اوّل کسی که با قشون خود حمله کرده، خصم برابر خود را متفرّق ساخت، قراعثمان پایندری بود. قیصر پسری داشت، موسوم به کرشیخی[1]، که در جلادت، بر برادران تفوّق داشت، از دست راست قیصر و سپرلاس[2] افرنجی از دست چپ او با ده هزار فرنگی[3]، که جیبه های ایشان از فرق تا قدم آنچنان به یک دیگر مربوط و مضبوط می شود، که بغیر از قفلی، که قریب به ساق پای ایشان است، از جای دیگر نمیتوان کشاد، کوششهای بهادرانه کردند. آخر کرشیخی به مردم خود گفت: که "هردم روم حریف این سپاه نیستند"، و هزیمت کرده، بدر رفت. و سپرلاس افرنجی نیز، تا قریب شام، کوشش نموده، او نیز مغلوب شد. درین حالت قیصر بر بلندی برآمده، نظاره بر چپ و راست لشکر خود کرد، دید، که اکثر کشته و بسته گشته اند، و کار از دست رفته. چندان کوشش نمود، که شام نزدیک شده، راه گریز پیش گرفته بدر رفت. امّا روز دیگر اسیر شده، بنظر صاحب قرانش آوردند.

[1] کذا در نگارستان (مطبوعه)، امّا در ظفرنامه کرشنجی نوشته است،

[2] کذا در نگارستان و در ظفرنامه "پسر برلاس" است، بقول صاحب ظفرنامه (۲: ۴۲۷) این "پسر برلاس افرنجی" "برادر زن ایلدرم بود"، غالباً صوابش سپرلازر (Stejan Lazarevic) است که شاه سربیا و برادر (Despina ov Roxana) زن ایلدرم بود،

[3] نصّ عبارت ظفرنامه (۲: ۴۲۷ سطر آخر): از سر تا قدم بفولاد و آهن می پوشند که بغیر از چشم عضوی دیگر پیدا نیست و بند های آن را بر بیشت پای بهم پیوسته قفل می زنند و تا آن قفل باز نمی کنند جیبا و خود از ایشان جدا نمی شود،

حکایت۔ در رسالۂ دیدم نوشتہ بود: "کہ در وقتی کہ ایلدرم بایزید را دست بستہ پیشِ محمود خان (کہ امیر کبیر، او را از نسلِ اوکتائی خان، بہ خانی برداشتہ بود) آوردند۔ امیر کبیر بدو بہ نظر مرحمت نگریستہ گفت: "ہرچہ کردی بخود کردی، ندانستۂ:

ہرکہ با فولاد بازو پنجہ کرد ساعدِ سیمینِ خود را رنجہ کرد

حالا دغدغۂ بخاطر خود راہ مدہ، کہ بشکرانۂ فتحی (کہ واہبِ منّان بہ من کرامت کردہ) ہیچ بدی بتو نمی رسانم"۔ و قیصر، روی تضرّع بخاک نہادہ، بگناہ خود معترف شدہ، بعرض رسانید: کہ "سہ پسرِ من، موسیٰ و عیسیٰ و مصطفیٰ، درین جنگ بودہ اند، از مردہ و زندۂ ایشان خبری ندارم"۔ امیر کبیر جمعی را تعیین نمود، کہ تفحّص کنند۔ موسیٰ را، کہ گرفتہ بودند، پیش ایلدرم آوردند عیسیٰ و مصطفیٰ جان بہ تگِ پا بدر بردہ بودند +

(۱۶)

مِنَ البَدَایِع

میرزا شاہ رُخ از غایت صفائیِ نیّت و خلوصِ طویّت، ہر جمعہ بواسطۂ اداءِ نماز جمعہ بمسجد جامع رفتی، تا در روزِ جمعہ، بیست و سیم ربیع الثانی سنہ ثلاثین و ثمانمایہ، وقتی کہ از نماز فارغ شدہ، متوجّہ بیرون بود، و اکثر امراء بیرون شتافتہ، سوارہ ایستادہ بودند، و نقّارہ چیان بقاعدۂ معمول و مقرّر، بنیاد

نقّاره زدن کردند- ناگاه شخصی نمد پوش، احمد تُرک نام، از مریدانِ مولانا فضل الله استرآبادی، بطریق داد خواهان بر سر راه آمده- پادشاه به یکی از مقرّبان گفت: "که مُدّعای وی را معلوم کن"- تُرک جُرأت نموده پیش دویده، کاردی بر شکم میرزا رسانید- اُمراء مضطرب گشته بعد از رخصت او را پار پاره کردند- یکبار غوغا و رستخیز عظیم برخاست، و خلائق سراسیمه گشتند، و نقّاره‌چیان را دست از کار باز ماند- و غریو مردم بیرون و اندرون بگردون رسیده- پادشاه امیر فیروز شاه را طلب داشته- او از غایت دهشت سواره به اندرون راند- میرزا می خواست، که در محفّه نشیند- دولت خواهان، نظر بر رفع مظنّهٔ بداندیشان، نگذاشتند- و آن زخم را بسته، باز بطریقِ سابق، پادشاه را سوار کردند- و نقّاره چیان بهمان طریق پیش پیش نقّاره می نواختند- تا بباغِ زاغان شتافته آن جراحت را معالجه کردند تا در اندک فرصتی آن جراحت به راحت مبدّل شد، و یکی از شعراء در آن واقعه گفته:

سال تاریخ هشتصد و سی بود | روزِ جمعه پس از اداءِ صلوٰت
قصّهٔ بس عجیب واقع شد | در خراسان ولی بشهر هرات

کجروی در بساط چون فرزین
خواست تا شه رُخی زند، شد مات

گردون

انتخاب از مجلّۂ مہر (طہران)

جشنِ مہرگان

پس از آن کہ تاریخ اوستائی بقول "وست[1]"، مستشرق آلمانی (؟) در حدود سال ۵۰۵ ق۔م (زمانِ داریوش بزرگ، یا بقول "گوت[2] شمید" المانی در حدود سال ۴۲۸، ق۔م (زمانِ داریوش دوم) مقبول دربار شاہانِ ہخامنشی گردید، ماہ ہای پارس بہ شہور اوستائی مبدّل شد۔ اسامی ماہ ہای اوستائی یعنی شہوری کہ فعلاً معمول ایرانیان است ماخوذ از اسامیِ امشاسپندان[3] و ایزدان مذہب زردشتی است *

در تقویم اوستائی ہر ماہ را سی روز بودہ است، و از آنجا کہ سال در نزدِ ایرانیان شمسی تقریبی یعنی ۳۶۵ روز و کسری بود، چار پنج روز را باسم "اندرگاہ" یا پنجۂ[4] دزدیدہ بر ایّام سالی می افزودند، و درین امر پیرو آیین خاصّی بودند، کہ ذکرِ آن

---

[1] west ، [2] جرمنی کا مشہور مستشرق ہے،

[3] فرشتگان و ملایک، [4] بتازی خمسۂ مسترقہ گویند،

از موضوعِ بحثِ ما خارج است۔ درین تقویم بجای اینکه ایّام سی گانۂ ماه به هفته ها تقسیم شود، هر یک نامی مخصوص دارد، این اسامی نیز ماخوذ از اسامیِ خداوندان و امشاسپندان و فرشتگان است، و بدین ترتیب می باشد :-

هورمزد[۱]، بهمن[۲]، اردی بهشت[۳]، شهریور[۴]، اسفندارمذ[۵]، خرداد[۶]، مرداد[۷]، دیباذر[۸]، آذر[۹]، آبان[۱۰]، خور[۱۱]، ماه[۱۲]، تیر[۱۳]، گوش[۱۴]، دی مهر[۱۵]، مهر[۱۶]، سروش[۱۷]، رشن[۱۸]، فروردین[۱۹]، بهرام[۲۰]، رام[۲۱]، باد[۲۲]، دیبدین[۲۳]، دین[۲۴]، ارد[۲۵]، اشتاد[۲۶]، آسمان[۲۷]، زامیاد[۲۸]، مارسفند[۲۹]، انیران[۳۰] +

بنابرین می بینیم، که در هر یک از شهور اسامیِ یکی از ایّام با اسم ماه مطابقت می کند۔ و بنابر توصیۂ زردشت در اقسامِ این ایّام، زردشتیان ناگزیر از برپا داشتن جشنی بودند، و ایرانیان نیز معمولاً باین گونه از اعیاد، نام همان روز را داده و به آخر آن ادات "گان" را اضافه میکرده اند، تا نشانۂ عید باشد۔ چنانچه دربارۂ "اردی بهشتگان" و "خردادگان" و "تیرگان" وغیره کرده اند +

مهرگان نیز در جزو همین اعیاد هست، زیرا در شانزدهمین روز ماه مهر که بنام "مهر" موسوم است، می باشد۔ و چنانکه می دانیم در اثر توافقِ اسم این روز با نام ماه مهر پیدا

شد- ولی این عید را نباید از جنبهٔ مذهبی نگاه کرد، چه بعضی از حوادث خارجی اهمیّت خاصّی به آن داده است، و ازآنجا که شناختن مقام و مرتبهٔ عظیم فرشتهٔ "مهر" در اوستا در تشخیص اهمیّتِ مذهبیِ عید مهرگان کاملاً مؤثر است، ما بدواً بشرحِ آن می پردازیم +

مهر

مهر از ایزدان بسیار مهمی است که در اوستا بنام وی برمی خوریم- دو ایزد در اوستا از تمام ایزدان مهم تر دانسته شده اند، یکی از آن دو، "سروش" و دیگری "مهر" است- این دو در مذهب بهدینان[1] از حیث مرتبت بلا فاصله بعد از امشاسپندان قرار دارند +

اسم مهر در سانسکریت "میتر" آمده، و بعد از "وارونا" (آسمان) از سایر فرشتگان مهم تر دانسته شده است، و معنیِ آن دوستی و پیمان، و او خود طرفدار جدّلی و راستی و دوستی و عقیدهٔ پاک، و دشمن قادر دروغ و نفاق معرفی گردیده +

و در اوستا مهر بنام "میثر" و در پهلوی بنام "میتر" یاد شده است، معنیِ آن را یوستی[2] "واسطه و رابطهٔ مابین فروغ

[1] به دین = دین خوب، و پارسیان آئین کیش خود را به دین میگویند + [2] Justi

محدث و فروغ ازلی" می داند، ولی وندیداد آن را به معنیِ "عهد و پیمان" ذکر می کند +

بقول دارمستیتر[1] این فرشته بنام 'میترای' و "منزهه" و "مترم" نیز خوانده شده و معنیِ آن "محبت و دوستی" است +

در ویدا[2] نیز مانند اوستا برای مهر اهمیت و مقام مخصوصی فرض شده است، و علاوه برین وظایف او در ویدا اندکی شبیه به وظایفش در اوستا می باشد، و در اثر وجود همین شباهت می توان گفت که مهر در یک عهدی خدا، یا فرشتهٔ مشترک نژادهای ایرانی و هندی بوده است ـ قدمت مهر از همین جا درمیان قوم ایرانی معلوم و هویدا ست +

یکی از جمله اشتباهاتی که درمیان فرهنگ نویسان و ادباءِ بعد از اسلام ایرانی بشدّت ریشه دوانیده است، یکی دانستن مهر با خورشید است، و این اشتباه به حدی قدمت دارد، که گاه شخص را به تردید می اندازد، مثلاً استرابون یکی از مؤرّخین محقّق قدیم یونان درمیان مهر و خورشید فرقی نگذاشته است + ولی در اثر قدمت این عقیده نباید به صحت آن حکم کرد، چه مندرجات و مسطورات اوستا خلاف این عقیده را کاملاً آشکار می سازد، و فی المثل مادر مهر یشت[3] می خوانیم :

---

[1] مستشرق مشهور فرانسوی ؛ [2] وید کتاب مقدّس هندوان ؛ [3] یکی از اجزاء اوستا

"مهر را می ستائیم ..... اولین ایزدی که پیش از خورشید فنا ناپذیر تیز اسب در بالای کوه هرا[1] بر میآید و از آنجا آن مهر بسیار توانا بتمام منزل گاه های آریائی می نگرد."

آئین مهر به تدریج در اثر غلبهٔ ایرانیان بر بابل، به بابل، و از آن جا به آسیای صغیر، و بالآخره از همان راه به اروپا رفت و در قرون اولیهٔ میلادی اهمیتی فراوان یافت، و امروز وجود مجسمهٔ مهر در قصر واتیکان[2] روم درجهٔ اهمیت و مقام مهر را درمیان پرستندگان مهر برای ما بیان می کند.

به عقیدهٔ مهرپرستان مهر از تخته[3] سنگی به وجود آمده و برای رفاه بشر با بدی ها از پی جنگ برخاست. و معتقد بودند که عاقبة الامر فتح و ظفر او را خواهد بود. و از آن جا که از اطالهٔ کلام بیم داریم، در باب آئین مهر، که در جای خود دارای اهمیت فراوانی است، سخن نمی رانیم، و ناگفته از از سر آن می گذریم.

صفات مهر در اوستا بسیار است، و ما اگر بخواهیم

---

[1] نام کوهی است که آن را به اختلاف کوه البرز یا یکی از جبال شرقی فلات ایران دانسته اند. و بظن قوی این کوه باید در قسمت شرقی فلات ایران قرار داشته باشد.

[2] Vatican قصر پاپای روم. [3] Rock

به ذکرِ تمامیِ آنها به پردازیم، این مقاله مفصّل خواهد شد، ولی بجا است که مختصری از آنچه را، که از مهر یشت بر می آید، در این جا بنگاریم - القاب و صفات مهمّی که در مهر یشت برای مهر یاد شده است، بدین ترتیب می باشد:-

دارندهٔ دشت هایِ فراخ - قوی ترین موجودات - آگاه از کلام راستین - زبان آور - هزار گوش - خوش اندام - دارندهٔ هزار چشم - زورمند - پاسبان بیدار - بسیار توانا - ایزد مینوی فربخشنده - سرکوبی کنندهٔ دیوان - نیرو و قوّت دهندهٔ مملکت - بی رونق کنندهٔ مملکتِ خصم - توانا - از همه چیز آگاه - حافظ ستون های کاخ های مرتفع - توانا تر - توانا ترین - فریفته شدنی - آرایندهٔ سپاه - دارندهٔ هزار چستی - شهریار توانا و دانا - پاسبان بیدار دل تر - بسیار هوشمند - بخشندهٔ زندگی و سعادت و نعمت و راستی - سزاوارِ ستایش - سردارِ باشکوه - دارندهٔ ده هزار چشم - بزرگ جسمانی و روحانی - قوی ترین و دلیر ترین و چالاک ترین و تند ترین و فیروزمند ترین ایزدان - پاسبان و نگهبان سعادت کلیهٔ نوعِ بشر - دارندهٔ دستهای بسیار دراز - تیزِ گوش - آراستهٔ به هزار مهارت - در بردارندهٔ زهِ زرّین - صاحب سپرِ سیمین - سرورِ نیرومند - دلیر رزم آزما - حامیِ مزدیسنای - نیک - نخستین دلیر - بسیار رحم - ایزد بزرگ

نیک منش ـ وغیره . . . . . .

این ایزد را به نام "سردار محبت" و "تمام دانندهٔ کار عدل" نیز یاد کرده اند +

بنابر آن چه از مسطورات اوستا و مخصوصاً مهر یشت برمی آید، خداوند مهر را در شائستگیِ ستایش مانند خویش آفریده است و او را طرفدار دوستی معرفی کرده می گوید: که "اگر کسی به مهر دروغ نگوید مهر به او اسپ های تیز رفتار، خوش خرام می بخشد، و ایزد آذر راه راست را بدو نشان می دهد، و فروهر[۱] های مقدّس وی را صاحب فرزندانِ کاری و نیک فطرت می کنند، و احتیاجات وی از هر حیث رفع می شود +

هشت تن از یارانِ مهر از جانب او بر فراز کوه ها و برج ها برآمده در آن اماکن می نشینند و مراقب پیمان شکنان ومخصوصاً دروغ گویان به مهر زند ـ اهورمزد مهر را هزار چستی و چالاکی و ده هزار چشم بخشید، تا به نیروی آنها نگهبانِ احوالِ اشخاص پیمان شکن و دروغ گو شود ـ و او را هزار دیدبانی است، و ازین رُو هیچ کس بدو دروغ نتوان گفت ـ حتیٰ بزرگان و رؤسای خانواده و ده کده ها و نواحی و ایالات ـ

---

[۱] جوهر ضد عرض +

و اگر احیاناً یکی از آنان به وی دروغ بگوید مهر غضب ناک می شود و خانه و ده و ناحیه و ایالات و رؤساء آنها را تباه می کند۔ و اسبان آن مردم نسبت به ایشان نافرمانی میکنند و پای از رفتار می کشند، و نیزهٔ آنها در حال پرتاب شدن بسوی دشمن به عقب باز می گردد، و اگر نیز به بدنِ خصم رسد بدان آسیبی نخواهد رساند *

مهر حامیِ ممالک آریائی و سرو سامانِ دهندهٔ آنها است ـ و نخستین ایزدی است که پیش از خورشید جاودان تیز اسب از فراز "کوه هرا" سر بر آورده از آن جا به تمام منزل گاه های آریائی می نگرد۔ و اهورمزد از برای مهر در بالای کوهی بلند و رخشان، (که در آن نه تاریکی و نه شب و نه گرما و نه مرض، و نه پلیدی دیو، هیچ کدام وجود ندارد، و مه و بخار از آن متصاعد نشود) آرام گاهی قرار داد ـ این آرام گاه را امشاسپندان به یاری خورشید به طیب خاطر بر فراز کوه مزبور بر پای کردند، تا مهر از آن جا بر سراسر دنیای مادّی بنگرد *

مهر را گردونه ای است، که چهار اسب سفید یک رنگ آن را در فضاء به حرکت در می آرند۔ و رانندهٔ آن اِردِ[۱]

[۱] فرشتهٔ ثروت *

می باشد۔ و چنانچه از مهر یشت بر می آید تمام آلات و ادوات جنگ در آن وجود دارد۔ و در همان جا راجع به این گردونه و تشریفاتِ مهر به تفصیل سخن گفته شده است +

مهر برانگیزانندهٔ جنگ و دوام دهندهٔ آن می باشد، و در جنگ پایداری کرده، صفوف اعدا را از هم می شگافد۔ و در دشمنان وحشت و اضطرابی عظیم تولید می کند +

این ایزدِ بزرگ همیشه بیدار است، و بر فراز بُرجی بزرگ ایستاده پاسبانیِ جهان می کند۔ و یکی از کارهایِ او این است که آب ها را فراوان می کند و باران را از آسمان می باراند، و گیاه را می رویاند۔ و او را از عقل طبیعی چندان بهره است که کسی را در جهان به پایهٔ وی نتوان یافت، و گوش او در شنوائی نظیر ندارد +

باری، چنانکه بطورِ کلّی از نتیجهٔ آن چه گفتیم، بر می آید۔ ایزد مهر، فرشتهٔ راستی و درستی و عهد و پیمان و فروغ و جنگ و شجاعت و مهر و محبّت و نگهبان خان و مان و قبیله و جنگ جویان راست گفتار و طرفدار راستان و درستان و دلیران قوم ایرانی و پاسبانِ ممالک آریائیِ ایران می باشد +

چون وظایف مهر بسیار زیاد است، برای او هزار گوش و ده هزار چشم تصوّر شده، و مقصود ازین خیال این است

که هزار ایزد هر آنچه را که می شنوند، به او می گویند، و ده هزار ایزد هر آنچه را که می بینند بدو نشان می دهند*

علاوه برین چون در اجراءِ بعضی از مقاصد دیگر خود محتاج به همدستانی ایزدانی "داموییشن اویمن" (نمایندهٔ اندیشهٔ نفرین و لعن از طرف دانا) و فرشتگانِ آب ها و گیاه ها، چیستا (فرشتهٔ علم)، آذر (فرشتهٔ آتش)، فرکیانی (فرشتهٔ شکوه و جلال سلطنت ایران)، سروش (مظهر فرمانبرداری و نمایندهٔ صفت رضا و تسلیم، و موکل بر حساب ثواب و گناه خلق در روز رستاخیز)، آشن (فرشتهٔ عدالت)، بهرام (فرشتهٔ پیروزی)، آرد (فرشتهٔ ثروت)، باد (همکار امشاسپند)، خرداد (نگهبان آب)، و بعضی دیگر از ایزدان در گرد مهر بوده، او را در اجراءِ نیات کمک و مساعدت می کنند- اسامی ایزدانِ مزبور در مهریشت بتکرار ذکر شده است*

اهمیتِ جشن مهرگان از حیث جنبهٔ مذهبی، از نتیجهٔ مقالاتِ فوق بر ما کاملاً هویدا می شود، زیرا جشنی که مربوط به چنین فرشتهٔ بزرگی باشد، پیدا ست، که در بزم مزدیسنا[1] چه مقامی خواهد داشت، و در نتیجهٔ همین اهمیت است، که پارسیان را در باب روز مهرگان پندارهای مخصوص بود، و

---

[1] خدایان*

علماء زردشتی روز مهرگان را فضیلتی مخصوص قائل بودند، و می گفتند، که در قلۀ کوه شاهین، با آنکه در تمام ایامِ تابستان سیاهیی دیده می شود، در بامداد روز مهرگان سفیدیئ مشاهده می گردد، که در تمام احوال، چه در تاریکی و چه در روشنائی، و چه در ابر بودن هوا، پیدا و آشکارا است +

دارمستتر می گوید، که اهمیّت این روز از آن جهت است که ابتداءِ ایامِ زمستان بزرگ ("زین"[۱]) می باشد، و از حیث موقعیّت در نقطۀ مقابل نوروز قرار دارد - امّا از اتّفاقاتِ تاریخی آنچه که بنابر عقیده پارسیان سببِ اهمیّت جشنِ مهرگان شده است، ظفریافتنِ فریدون بر ضحاک و قیام نمودن کاوه بر بیوراسب (ضحاک) و پیدایش "مشیه و مشیانه" (آدم و حوّاء) درین روز است، چنان که بعد بیاید +

باری اهمیّتِ مهرگان به حدّی است که آن را تالیئ جشن نوروز می دانند و جهتش این است که این دو عید دو حد

[۱] همَ (Hama) و زین (Zayana) بنابر آنچه در بوندهشن آمده است دو فصل می باشد که اوّلی یعنی همَ تابستان و مشکل از هفت ماه یعنی ۲۱۰ روز و دومی زمستان مرکّب از ۵ ماه و پنج روز یعنی ۱۵۵ روز بوده است، و همین دو فصل است که در عصر ساسانیان چهار فصل، "وهار" و "هامین" و "پائیز" و "زمستان" تبدیل یافته است +

فاصل از سال می باشد۔ نوروز بر آمدن فصل گرما یعنی بهار و تابستان (ہمَ)، و مهرگان دلیل بر دخول فصل سرما یعنی پائیز و زمستان (زین)، می باشد ۔

و از نویسندگان عمرو بن حجر جاحظ بصری در یک جا بدین امر اشاره می کند، امّا جای تعجّب است که "برخی مهرگان را بر نوروز برتری داده اند۔ هم چنانی که پائیز را به مرتبت از بهار برتر شمرده اند، و اعتماد آنان در احتجاج برای اثبات این عقیده قول ارسطو است در جواب اسکندر (وقتی که از او در باب بهار و پائیز سوال کرد)، ارسطو در جواب اسکندر گفت: "که ای پادشاه! بهار ابتداء نشو پشگان است و پائیز اوّلِ نابود گشتنِ آنان، پس به همین جهت پائیز از بهار برتر است"۔

ولی بنا بر قولِ دیگر پارسیان، چنان که سلمان پارسی از صحابهٔ بزرگ محمدؐ بن عبد الله گفته است، نوروز و مهرگان را در مقام یکی فرض کرده می گفتند: "که خداوند در نوروز یاقوت را برای زینت بندگانش ظاهر کرده و در مهرگان زبرجد را، پس فضل این دو روز بر سایر ایام مثل برتریِ یاقوت و زبرجد است بر سایر گوهرها"۔

سبب پیدایش جشن مهرگان

بهترین سببی که می توان برای پیدایش جشن مهرگان بیان کرد، وقوع روز مهر است در ماه مهر، چنان که قبلاً گفته شده است. ولی بعضی گویند که جهت پیدایش مهرگان غلبهٔ فریدون است بر ضحاک و حبس کردن او در کوه دماوند. و نیز برخی گویند که درین روز فریدون قبل از دفع ضحاک بر تخت جلوس کرد و ازین روی مردم آن را جشن گرفتند. و دسته ای سبب آن را استبشار مردم به خروج فریدون بر ضحاک بعد از قیام کاوه دانسته اند. و پارسیان گویند که در این روز خداوند زمین را بگسترانید و اجساد را خلق کرد، تا این که قرارگاه ارواح باشند، و درین روز ملائکه یاری و مددگاریٔ کاوهٔ آهنگران کردند. و چنان چه از مندرجات بندهشن برمی آید "مشیه و مشیانه" درین روز بوجود آمده اند.

اُستاد ابو القاسم فردوسی جشن مهرگان را منسوب بزمانِ فریدون دانسته می گوید:

به رسم کیان تاج و تخت مهی ‌‌‌‌ بیاراست با کاخِ شاهنشهی
زمانه بی اندوه گشت از بدی ‌‌‌‌ گرفتند هر کس ره بخردی
به روز خجسته سر مهر ماه ‌‌‌‌ به سر بر نهاد آن کیانی کلاه

می روشن و چهرهٔ شاه نو | جهان نور داد از سر ماه نو
نشستند فرزانگان شادکام | گرفتند هریک زیاقوت جام
دل از داوری ها بپرداختند | به آئین یکی جشن نو ساختند
به فرمود تا آتش افروختند | همه عنبر و زعفران سوختند
پرستیدن مهرگان دین اوست | تن آسانی وخوردن آئین اوست

و گویند که درین روز خداوند ماه را روشنی داد وحال آن که پیش ازین کره ای تاریک بود - و ایران شهری گفته است که خداوند بیثاق نور و ظلمت در روزهای نوروز و مهرگان گرفته است *

وجه تسمیه مهرگان

در وجه تسمیهٔ مهرگان، و این که این کلمه چگونه پدید آمده است، اغلب در فرهنگ ها و بعضی از کتب قدیمه، عقایدی اظهار شده است که چندان به حقیقت نزدیک نمی نماید - و و بهترین وجه تسمیهٔ مهرگان، همان است، که قبلاً ذکر کرده ایم*

فقط چیزی که هست، اهمیت و مقام شامخ مهرگان در نزد پارسیان باعث ایجاد افسانه های راجع به این جشن گردید، و قلم را به دست افسانه سرایان داد - به هر حال اقوال دیگری که در وجه تسمیهٔ مهرگان و معنیٔ آن آمده است،

و بعضی از آن ها تا حدی به صواب نزدیک، و اغلب از حقیقت دُور است، به قرار ذیل است:

گویند که چون فریدون پس از دفع ضحاک بر تخت سلطنت نشست، مردم به شکرانهٔ این اتفاق جشن گرفتند- و بعد از آن حکام نسبت به رعایا مهربان شدند، و چون مهرگان بمعنی محبّت و پیوستن است، و بنابر این جشن جلوس فریدون بدین نام خوانده شد- و برخی گویند که پارسیان را پادشاهی بود که مهر نام داشت و او که مردی ظالم و ستم پیشه بود، در نیمهٔ ماه مهر رخت از جهان بربست- و مردم شادمان شدند- و چون مهر بمعنی مرگ و گان مترادف "پادشاه" یا "پادشاه ظالم" است این روز به "مهرگان" یعنی "مرگ پادشاه ظالم" موسوم شد ٭

ابوریحان مهرگان را محبت روح می داند و در باب نامیدن این روز به مهرگان می گوید: "گویند که مهر اسم آفتاب است و آفتاب در این روز برای عالم ظهور کرد و ازین جهت این روز موسوم به مهرگان گردید ..... و کسروی[1] گفته است که موبد متوکلی را شنیدم که

[1] یعنی حمزه بن حسن اصفهانی، بعضی نام کسروی را موسی بن عیسی ضبط کرده اند (تاریخ سنی ملوک الارض و الانبیاء) ٭

می گفت: "چون روز مهرگان فرا رسد، آفتاب در دائره ای که درمیان نور و ظلمت فاصله است، طلوع کرده، ارواح را در اجساد تباه می کند و ازین روی پارسیانش "میرگان"[1] نامیده اند".

زمانِ پیدایشِ جشنِ مهرگان

درین باب، چنان که باید، نمی توان عقیدهٔ ثابتی اظهار کرد، زیرا که درین موضوع نه سندی درست است، و نه قرائنی قوی ـ ولی باز به اتکاءِ یکی دو قرینه می توان زمانِ آن را از تقریب و حدس معلوم ساخت ـ اگر مهرگان را، چنان چه مشهور است، از جشن های مذهبیِ دینِ زردشت بدانیم، ناچاریم که زمانش را از اواسطِ قرنِ ششم قبل از میلاد فرود تر نیاوریم[2].

امّا چنان که می دانیم، تمام مؤرّخین سلف مهرگان را به فریدون بادشاهِ داستانیِ ایران نسبت داده اند، و ما ازآنجا که نمی توانیم قلمِ سهو بر جملهٔ عقایدِ آنان درین باب بکشیم، مجبوریم که بدوِ فریدون را، چنان که باید، بشناسیم، و آنگاه

[1] "میر" چنانکه امروزه در مازندران و سمنان (و شاید در بعضی از ولایات دیگر) مرسوم است اسم مصدر "مردن" و به معنی "فنا و زوال" است،

[2] چراکه زمان زردشت را از شش تا هشت هزار سال قبل از میلاد گرفته تا نیمهٔ قرن ششم قبل از میلاد باختلاف نگاشته اند.

برای یافتن زمان پیدایش جشن مهرگان به جستن عهد سلطنت فریدون همت بگماریم *

بنا بر این مقدّمه باید دانست که:

این شخص را (که اغلب از نویسندگان و مؤرّخین قدیم، صاحب سلطنت پانصد ساله اش می دانند)، می توان مؤسّس سلسله ای شمرد، که پانصد سال دوام کرده باشد. راجع به فریدون سخنان اغلب نویسندگان قدیم یک نواخت، و ازآن جا که تکرار اقوال آنان را نتیجه ای نیست، ما در این جا فقط به ذکر آن چه که از آثار ایرانی ماقبل از اسلام راجع به فریدون می آید اکتفا می کنیم *

قضیّهٔ ضحّاک و فریدون از داستان های بسیار قدیمِ آرین هایِ[1] هند و ایرانی می باشد، و ازآن جا که در زبان سنسکرت و اوستا هر دو ذکر شده است، باید آن را راجع به ایا می دانست که هنوز هندوان و ایرانیان از یک دیگر جُدا نه شده بودند *

چون ضحّاک بر 'جمشید'[2] پسر 'ویوانهات'[3] تسلّط یافت، و

ﮦ۱ Indo-Iranians *

ﮦ۲ Yima *

ﮦ۳ Vivanhat

دستیاری "سپی تی یور"[۱]، برادرِ جمشید او را با ارّه دونیم کرده، دست به ظلم و جور کشود، تا اینکه اهورمزد فریدون را ازپیٔ قلع و قمع ضحاک برانگیخت، اسم این مرد در اوستا "ترےتئون"[۲] و اسم پدرش "اثویہ"[۳] آمده است +

و بنابرآنچہ از ہوم یشت برمی آید، عقیده مذہبیٔ زردشتیان بر این است کہ "اثویہ" دومین کسی است کہ عصارۂ گیاه "ہوم"[۴] را در تشریفات مذہبی بکار برد- و در پاداش این کار فرزندی به وی عطا شد موسوم بہ "ثرے تئون" کہ "ازی ذہاک"[۵] سہ پوزه و سہ سر و ششش چشم را بکُشت +

اسم فریدون در حماسۂ ملیٔ[۶] ہندوان "ترے تنہ" و نام پدرش در ودا[۷] "اپ تیہ" آمده است، وہمیں کلمۂ اخیرمیباشد کہ در پہلوی بہ "آسپیان" مبدّل شده + ...

---

[۱] Cpityura برادر جمشید است کہ برای خاطر ضحاک برادر خود را، بنابرآن چہ از اساطیرِ ایرانی برمی آید، با ارہ دونیم کرد و معنیٔ این لفظ "مرد سپید سینہ" می باشد + [۲] Thraetanoa [۳] Athwya

[۴] Haoma - عصارۂ این گیاه، فقط اختصاص بہ یک ایزد یا یکی از عبادات مذہبی نداشتہ و در جملۂ تشریفات مذہبی بکار می رود +

[۵] اساطیر ایرانی کے مطابق "ازی دہاک" (ضحاک) کے تین منہ، تین سر اور چھ آنکھیں تھیں +

[۶] یعنی مہابھارت + [۷] وید، کتاب مقدس ہندوان +

محل تولّد فریدون شهر "ورن"[1] است، و تفسیرهای پهلوی این شهر را در جنوب دریای خزر قرار می دهند، و معهذا ذکر می کنند که بنا بر بعضی مآخذ 'ورن' نام قدیمی "کرمان" می باشد-

. . . .

امّا درباب زمان حکمرانیٔ فریدون عقیدهٔ صریحی نمی توان اظهار کرد و فقط به حدس می شود گفت که این شخص در بین قرون ۱۴ و ۲۰ ق.م می زیسته است. و این حدس در اثر بدست آوردن زمان هایٔ تقریبیٔ سلطنت جمشید و ایام تسلّط منوچهر پیدا می شود (زمانِ منوچهر را که باید پس از انقراض سلطنت فریدونیان به سلطنت رسیده باشد، قرن نهم قبل از میلاد تصوّر کرده اند)، و چون نمی توان سخن را درین باب بیش ازین به درازکشانید، دیگر راجع به این موضوع بحثی نکرده و خوانندگان را به قرائت کتاب داستانهای قدیم، که در امثال این مواضیع بحث های مفصل و مفیدی می کند، هدایت می نمائیم +

در نتیجهٔ دانستن زمان تقریبیٔ فریدون چنین معلوم می شود که جشن مهرگان با دو جشن سده و بهنجه، اگر واقعاً از محدثات زمان فریدون باشد، تقریباً در سنینِ مابین قرونِ

---

[1] Varena

۱۴۰۰ و ۲۰ قبل از میلاد مسیح به وجود آمده است. ونیز اگر در پدید آمدن جشن مهرگان معتقد به وجود اعقاب فریدون باشیم، می توانیم زمانِ تداول آن را در بینِ قرون نهم و چهاردهم ق - م، قرار دهیم *

باری به هیچ وجه نمی توان زمان پیدایش جشن مهرگان را از اوائل عهد هخامنشی فروتر آورد، زیرا که آثار مؤرخینِ یونانی، چنانکه بعد خواهیم دید، به ما اجازهٔ این تفریط و سهل انگاری را نمی دهند *

دار مستتر می گوید: "که این عید طبیعی همان قدر قدیم است که ملت ایران"، ولی باید مذعن بود که قدمت این عید متناسب است یا قدمت نیایش مهر *

سیر جشن مهرگان از شرق تا غرب

پس از آن گاه آئین مهر در اروپا ریشه دوانید، و گروهی از مردم به نیایش مهر پرداختند. به عنوان روز ولادت خدایِ خویش در هر سال جشنی برپا کردند، و درحقیقت به متداولِ ساختن جشن مهرگان در اروپا مبادرت جستند. و "جشن روز ولادت خورشید مغلوب نه شدنی" در روم، که مصادف با بیست و پنجم دسامبر[1] می باشد، و بعد از نفوذ دینِ عیسی در

[1] ماه دسمبر *

اروپا به جشن "روز ولادتِ مسیح[1]" مبدّل شده است، همین جشن مهرگان است ٭

عددِ ایامِ مهرگانِ بزرگ و کوچک

عدد ایّام مهرگان را به اختلاف ذکر کرده اند، و درین مورد دو عقیدهٔ مختلف می توان تشخیص داد ـ عده ای (از علماء)... مدّت جشن مهرگان را شش روز دانسته و گفته اند که ابتداءِ این عید از روز شانزدهم مهر است، و آن را "مهرگانِ عامّه" (مهرگان کوچک)، و انتهایش روز ۲۱، و آن را "مهرگانِ خاصّه" (مهرگانِ بزرگ) می نامند، درین صورت ...... جشن مهرگان جشنی شش روز بوده است ٭

در مقابل این دسته ای علمای دیگر .... معتقد اند که مهرگان جشنی سی روز بوده است، که پنج روز اوّل مهرگانِ عامّه یا مهرگان کوچک نام داشت و بقیهٔ ایّام به ترتیبی که بعد خواهد آمد، به پنج قسمت شده، و هر یک به صنفی مخصوص از طبقاتِ مردم اختصاص داشت، و مهرگان خاصّه یا مهرگان بزرگ نامیده می شد ٭

[1] کرسمس ٭

مراسم جشن مهرگان

از اختصاصات مهرگان درمیان سائر اعیاد ایرانیان این است، که اغلب مراسمش را با نوروز شباهتی کامل می باشد، چنانچه جاحظ در کتاب های "التاج فی اخلاق الملوک" و "المحاسن و الاضداد" رسوم مهرگان و نوروز را باهم و در تحت یک عنوان ذکر کرده است - ولی البته بر اثر اختلاف زمان نوروز و مهرگان و بواعث دیگر اختلافی کوچک درمیان این دو عید پدیدار شده بود، و ما در جای خود بذکر این رسوم زائده، و شرح رسوم مشترکهٔ نوروز و مهرگان مبادرت می کنیم - و اینک برای آن که از قدیم ترین عهدی، که تاریخ به ما اطلاعاتی درین باب می دهد، شروع کرده باشیم، به شرح آئین مهرگان در عهد سلاطین هخامنشی می پردازیم *

مهرگان در دربار هخامنشیان

رسوم جشن مهرگان در دربار سلاطین هخامنشی، مانند این عید در دورهٔ ساسانیان کاملاً معلوم نیست، چه اوّلا در کتب و تواریخی، که به وسیلهٔ دورهٔ اسلامی تدوین شده است، به هیچ وجه اثری از آن دیده نمی شود، و این خود در اثر عدم

اطلاعی است که ایرانیان این زمان نسبت به سلاطین هخامنشی داشتند، و ثانیاً مؤرّخین خارجی، که در قرون سابقه به ذکر این مراسم پرداخته اند، چون به جزئیات امور متوجّه نبودند، و خود نیز فی الحقیقة از عظمت این جشن اطلاعی کافی نداشتند، در ذکر آن به اختصار کوشیده اند.

بهر حال ما را، چنان که باید، از رسوم این عید در عهد سلاطین مزبور، اطلاعی کاملی در دست نیست. ولی برخی از مراسم آن را درین دوره به قرینه، و بعضی را از روی اسناد تاریخی می توان بیان کرد.

قبل از بیان مراسم مهرگان در دربار شاهان هخامنشی باید متذکر بود، که سلاطین مذکور فرشتهٔ مهر را چنان مقدّس شمرده، و چندان اهمیّتش می داده اند، که حتّی بنام وی قسم یاد می کرده اند. و این مطلب از آن چه که گزنفون[۱] مؤرّخ یونانی (۴۳۰ - ۳۵۲ ق-م) در کتاب ''تربیت کوروش''[۲] و پلوتارک[۳] مؤرّخ یونانی (۵۰ - ۱۲۰ میلادی) نگاشته اند بخوبی بر می آید، و چنانکه می دانیم، در دوره های بعد از هخامنشی و حتّی در عهد ساسانیان نیز دربارهٔ تعظیم و تکریم مهر کسی تا بدین حد غلوّ نه کرده است. بنابر این مقدّمه تصوّر این امر بسیار طبیعی

---

[۱] Xenophone . [۲] Cyropedie . [۳] Plutark

است که عیدی را که منسوب به چنین فرشتهٔ بلند مقامی باشد، شاهان هخامنشی بسیار اهمیّت می داده، و در اجراءِ مراسمِ آن به هیچ وجه کوتاهی نمی کرده اند +

یکی از مراسم مهم اعیاد نوروز و مهرگان در عهد سلاطین ساسانی، دادن بار عام بوده است، که جز درین دو جشن نامی از آن درمیان نمی آید - و چون شاهان ساسانی در اغلب از مراسم درباری تقریباً از اجدادِ پارسیءِ خویش تقلید می کرده اند، اشکالی ندارد، که رسمِ مزبور را در عهد سلاطین هخامنشی نیز از خصایص درباری شماریم. زیرا اوّلاً شاهان هخامنشی، که به شهادت مورّخین یونانی جشن مهرگان را با شکوهی تمام بر پا می کردند، ناچار از دادنِ بار عام نیز دراین جشن خودداری نمی توانستند کرد. بخصوص که هدایاءِ والیان و حکام ایالات و ولایات دراین اوقات به دربار می رسید، (چنان که خواهیم دید)، و لازم بود که از نظر شاهنشاه بگذرد. ثانیاً، چنان که از گفتار آقای دکتور ارنست هرتسفلد برمیآید، شاهان هخامنشی، که برای بار عام عمارتی خاص داشتند، در جشن نوروز به بار نشسته و نمایندگان بادشاهان و شهرداران را که با هدایا به دربار حاضر می شدند، بخدمت می پذیرفته اند-

+ Dr. Ernest Hertsfield ـه

بدین ترتیب چگونه می توان گفت که در مهرگان (که از حیث عظمت و موقعیت طبیعی، تالی جشن نوروز می باشد)، بار عام مرسوم نبوده است. بنابراین مقدمات باید مذعن بود، که پادشاهان هخامنشی در جشن مهرگان به بار عام می نشسته اند.

از جملهٔ مورخین قدیم اروپا، که راجع به رسوم مهرگان در دربار هخامنشی چیزی نگاشته اند، یکی "کتزیاس"[+] یونانی طبیب اردشیر دوم است، که خود مدتی در دربار پادشاه هخامنشی می زیست. او می گوید: "شاهان هخامنشی نمی باید مست شوند. مگر در روزی که ستایش و نیایش مهر را جشنی برپا می کنند" و به ترتیبی که آقای پور داود از "کتزیاس" نقل کرده است، شاه در این روز لباس ارغوانی می پوشید.

در جشن مهرگان شهرداران (والیان ایالات و ولایات که به یونانی ساتراپ شده، و در فارسی هخامنشی "خشترپاون" بوده است) و پادشاهان دست نشانده و مطیع، هر یک به نوبهٔ خود هدایا ای راکه لایق خدمت پادشاهان بلند مرتبهٔ هخامنشی باشد، بوسیلهٔ نمایندگان خود بخدمت می فرستادند. و شاید به همان ترتیبی، که در نوروز مرسوم بود، صاحب بار، هر یک از نمایندگان مذکور را، به نوبت بحضور شاهنشاه می برد، تا هدایاء

+ Ktesias ـه

خود را از نظر وی بگذرانند +

باری استرابون[1]، جغرافیادان مشهور یونانی در کتاب یازدهم از جغرافیای خویش می گوید که ساتراپ ارمنستان هر ساله برای شاهنشاه هزار کرهٔ اسب می فرستاد، تا آن که در جشن مهرگان از نظر وی بگذرند +

"آتنه[2]" از "دوریس[3]" که در قرن چهارم میلادی می زیسته است، شرح مفصلی راجع به مهرگان نقل می کند و مخصوصاً می نویسد که بادشاه هخامنشی در جشنِ مهرگان بنفسه می رقصید +

و روز مهرگان در جزء اشیا ای که به حضور شاه می آوردند، یکی گیاهی بود، که شاید سینفسبر باشد، چه در "بوندهش" آورده اند که این گیاه مقدّس مخصوص بهرام ایزد است +

امّا پس از تسلّط یونانیان، چنان که مشهور است، تاریخ اوستائی در دربار متروک گردید، و تاریخی بمیان آمد، که در نزد ما به تاریخ اسکندری معروف است - و مبدأ آن شاید سال ۳۱۲ ق-م، یعنی سال تاسیس سلسلهٔ "سلوکی" باشد +

ماه های این تاریخ مقدونی بوده است - بدین ترتیب دیده می شود که ماه های اوستائی، و به تبع آنها اعیاد ملّی و مذهبیٔ ایرانیان، در دربارِ سلاطینِ از نام و نشان نیفتاد - و

[1] Strabon + [2] Athenee + [3] Dowris +

شاید درین اوقات فقط ملّت ایران را بتوان پشتیبان وضامنِ بقاءِ آنها دانست۔ از این جهت نمی توانیم در باب اعیاد ایرانی و مخصوصاً مهرگان که موضوع بحث ما است، به تحقیق چیزی بگوئیم، و مراسم آن را در این هنگام معلوم سازیم +

در عهد اشکانیان پارتی، باز مهرگان سر از بالش اختفار برداشت و دوباره پای در دربار شاهان نهاد۔ و این معنیٰ از حکایتی که ثعالبی در کتاب "غرر اخبار ملوک الفرس و سیرهم" در باب موبدان موبد وقت و خسرو پسر فیروز اشکانی می نویسد بخوبی بر می آید، و برای اطلاع از آن، باید به صفحات ۱۷۴ و ۲۷۴ از کتاب مزبور رجوع کرد۔ مطلب مهمی که ازین حکایت بر می آید این است که شاه در روز مهرگان بار می داد، و بزرگانِ مملکت به تقدیم هدایا مبادرت می کردند، و موبدان موبد نیز در این کار از دیگران پیروی می نمود، و شاید هدایاء او زودتر از سائر پیش کشی ها، بخدمتِ شاه فرستاده می شد +

بهر حال وجود جشن هائی تاریخ اوستائی در دربار اشکانی، از وجود اسامیٔ شهور تاریخ مزبور بر روی سکه ها و اسناد دولتی، و نیز از اقدامی، که در کتاب "دین کرت" به "ولگش" بادشاه اشکانی (۵۱ء - ۷۵ء میلادی) در باب

جمع آوریٔ اوستا نسبت داده شده است، بر ما ثابت میشود- و ازین روی می توان قولِ ثعالبی را قبول کرد، و حکایت فوق را، اقلاً، دلیل مرسوم بودن جشن مهرگان در دربار شاهان اشکانی دانست +

مهرگان در عهد ساسانیان

دربار شاهان ساسانی برای مهرگان مراسمِ مخصوصی قائل می شد، و اساساً، ازآن جاکه سلاطین ساسانی پایۂ قدرت شان بر اصل مذهب استوار بود، و در احیاءِ مراسمِ قدیم ایران، و قوانین مذهب زرتشت سعی بلیغ داشتند، تشریفات جشن های ایران و مخصوصاً نوروز و مهرگان را به اقصی الغایۃ افراط رسانیده بودند - بجز در موقع نوروز و مهرگان، که یکی در هنگام بهار، و دیگری به فصلِ خزان است، بار عام معمول نه بود، و شاید شاهان ساسانی، در این امر، پیروی از سلاطین هخامنشی کرده باشند +

یکی از خصایصِ درباریِ ساسانیان این است، که هر روز از ایّام سال را شعری جدید و نواختنیِ تازه در خدمتِ شهنشاه مرسوم بود - و بنابر این در هر یک از ایام اعیاد آوازها و آهنگهای وجود داشت، که به همان روز

اختصاص داده می شد، چنان که در ایام نوروز، آهنگ‌های "نوروز بزرگ" و "نوروز کیقباد" و "نوروز خردک" و "ساز نوروز" و "باد روز" و اقسام این الحان نواخته می شد، و نیز چنان که جاحظ می گوید:

در این ایام مغنّیان به آوازهای از قبیل "غنا و مخاطبه" و "آوازهای بهاری" و آوازهای که اخلاف زردشتیان از آنها یاد کرده اند و به اغانیٔ "آفرین" و "خُسروانی" و "ماذرستانی" و "ماژندرانی" مترنم می شدند.

در ایام مهرگان نیز ناگزیر از اقسام این آهنگها نامی به میان می آید که امروزه از آن جمله جز اسامیٔ الحان "مهرگانی" و "مهرگان بزرگ" و "مهرگان خردک" برای ما چیزی نمانده است.

در روزهای مهرگان و نوروز معمولاً پارسیان مشک و عنبر و عود هندی به یک دیگر هدیه می دادند، و ملوک روغن بان را تبرّکاً بر خود می مالیدند - و گاه عوام الناس نیز بدین کار مبادرت می نمودند.

رسم پادشاهان ساسانی در مهرگان بر سر نهادن تاجی بود، که صورت آفتاب بر خود داشت - و سببش اعتقادِ ایرانیان است به این که در روز مهرگان خورشید در جهان آشکار شد، و به قولی، اولین کس که درین روز بنزد شاه

می آمد، موبدان موبد بود، و او طبقی با خود می آورد، که در آن ترنج و قطعهٔ شکر و کنار و بهی و عناب و سیب و خوشهٔ انگور سفید و هفت دستهٔ مورد که بر آن زمزمه خوانده باشد، وجود داشت ÷ . . . .

درین روز شاهان ساسانی جامهای از بُردِ یمانی و وُشی می پوشیدند. و . . . . . . درین روز (و نیز در روز جشن نوروز) چون بادشاه زینت خود را می پوشید و به مجلس حاضر می شد، مردی خجسته نام و مبارک قدم و کشاده صورت و نیکو بیان، که از هنگام شب تا صبح گاهان، بر در خانهٔ شاه توقف می کرد، بامدادان، بدون اجازه، بر شاه داخل می شد، و چندان بر پای می ایستاد، تا شاه وی را به بیند. پس شاه از او می پرسید که: "کیستی؟ و از کجا آمده ای؟ و ارادهٔ کجا داری؟ و نامت چیست؟ و که ترا آورد؟ و با کدامی کس آمده ای؟ و با تو چیست؟" آن مرد در جواب می گفت: "من نیرویِ فتح و ظفرم و از جانب خدا می آیم، و ارادهٔ بادشاهِ نیک بخت کرده ام، اسمم خجسته، و آورندهٔ من نصرت و ظفر می باشد و سال جدید به همراه من است، و سلامت و بشارت و گوارائی ره آوردم". پس بادشاه می گفت: "اجازهٔ ورودش دهید" وسپس خود به وی می گفت

که: "درون آی". آن مرد درون رفته می نشست. و بعد از او مردی داخل می شد که با وی طبقی سیمین بود که در اطرافش نان های گردی، که از انواع حبوب، مانند گندم و جو و ارزن و زرت و نخود و عدس و برنج و کنجد و باقلی و لوبیا پخته می گردید، جمع بود و از حبوب مزبور نیز، هر یک هفت دانه، و هفت خوشه، و قطعه ای از شکر، و دینار و درهم جدید، و شاخه ای از اسپند برین طبق گذاشته می شد. درمیان طبق هفت شاخه از درخت های که بدانها و به اسم آنها تفاؤل کنند، و نظر کردن بدانها نیکو است، مثل بید و زیتون و بهی و انار گذاشته می شد. بعضی ازین شاخها بر یک گروه، و بعضی بر دو گروه، و برخی بر سه گروه بریده می شده و هر یک را به نام شهری از شهرها می نامیده و بر روی آنها "ابزود" و "ابزاید" و "ابزون" و "پردار" و "فراخی" و "فراهینه" می نوشته اند، که معنئ آنها عبارت است از "بیفزود" و "بیفزاید" و "افزون" و "رزق" و "فرح" و "سعة".

آن مرد تمام این چیزها را به دست گرفته، خلود و دوام ملک، و سعادت و عزّت شاه را می خواست. و بادشاه درین روز درباب هیچ کاری به مشورت نمی پرداخت، از ترس این که مبادا از آن چیزی پدید آید که ناپسند باشد و در تمام

سال جاری شود *

اولین چیزی که درین روز برای شاه آورده می شد، سینیٔ زرین یا سیمینی بود که بر آن شکر سفید و جوز هندی مقشر تازه و جامهای سیمین یا زرّین قرار داشت. پادشاه از شیر تازه ای ابتداء می کرد که در بعض آن خرمای تازه خیسانیده بود و نارگیل و خرمای چند بر می داشت و به کسی که در نزدش از همه عزیزتر بود، می داد. و از شیرینی، آنچه را که می خواست، می خورد. پس ازین مقدّمات هدایا، به عرض شاه می رسید *

امّا در باب هدایا ای که درین عهد به خدمت شاه فرستاده می شد، باید دانست که این هدایا را یا پادشاهان ممالک مجاور و متعاهد، و والیان ایالات و ولایات، و امراء دست نشاندهٔ شاهان ساسانی به دربار می فرستادند، یا خواص و اطرافیان و اقرباء پادشاه و سایر مردم به وی تقدیم می کردند *

نوع هدایاء دستهٔ اوّل عبارت بود از طرائف هر زمین. چنان که از هند فیل و شمشیرهای هندی و مشک و پوست حیوانات، و از سند طاؤس و طوطی، و از روم دیبا و فرش های قیمتی می فرستادند. قوّاد شاه و مرزبانان، تیرها و شمشیرهای مصمت از سیم و زر تقدیم می کردند. و اگر از عمال کسی بود که بقایاء مالیات سال گذشته در نزد وی باشد، آنها را جمع کرده و در بدره های

حریرِ چینی بسته و بخدمت می فرستاده است - و همچنین می کرد از از عمّال، هر کس که می خواست، که به زیادیِ اموال و فزونیٔ عمل یا اداءِ امانت خویش تزیین کند *

امّا در باب نوع هدایاءِ دستهٔ دوم باید گفت که معمولاً مردم مملکت، اعم از خواص و عوام، آنچه را که خود بدانها تعلّقی و میلی داشتند، و یا حرفهٔ آنان بدان منحصر بود، به شاه تقدیم می کردند - و ما در این جا مخلوطی از آنچه را که جاحظ در کتابهای "المحاسن و الاضداد" (در تحت عنوان "الهدایا") و در کتاب "التاج فی خلاق الملوک" نوشته است، نقل می کنیم:

معمولاً وزراء و دبیران و خواص اقرباء شاهنشاه جامهای طلا، و نقرهِ مرصّع به گوهر، و جامهای سیمین مطلا، و بزرگان و اشراف لباس ها و عقابها و شاهین ها و یوزها و زین ها و آلات آنها را به شاه هدیه می دادند - و گاه نیز ممکن بود که بعض از مردم بزرگ تازیانه ای به شاه تقدیم کند. حکماء به شاه حکمت هدیه می داوند، (یعنی شاه را به پند و حکمت متنبّه و آگاه می ساختند) و شعراء شعر، و خطباء خطبه، و ندما تحفه و چیز نو و خوش آیند و نوبر، و پرورانندگان نتاج چارپایان، اسپانِ تیز رفتارِ خوش خرام، و دراز گوش مصری و استر و اسپانِ غیرتازی، ظرفها و مشکهای پوشیده از حریر چینی مملو از گلاب،

و جنگ جویان کمان و نیزه و تیر. و آهن گران و زره گران شمشیرها و جوشن ها و سنان ها تقدیم می نمودند. و صاحبان کسوت وثیاب لباس هایِ بلند از خز و جامه های رنگین و دیبا وغیره، و گوهریان گوهر و صیرفیان آلات نقره و طلا و جامه های سیمین مملو از دینار. اواسط النّاس دینارها و درهم های همان سال، و یا ترنج یا بهی، یا سیب، به پادشاه اهداء می کردند - از اعیانِ مملکت آنکه مشک را دوست می داشت، مشک به هدیه می فرستاد، و آن که به عنبر خوش دل بود، عنبر، و اگر از سواران و شجاعان بود، اسب، یا نیزه، یا شمشیر، به رسم هدیه به خدمتِ شاه می فرستاد، و اگر تیر انداز بود، بنابه سنت زمان، تیری نثارِ خدمت شاه می کرد. و مرد ثروت مند سیم و زر هدیه می نمود.

و بر زنان خواص و جواریِ او بود که هر آن چه را که بهتر می دانستند، و بیشتر می پسندیدند، تقدیم خدمت وی کنند، چنان که در ذکر رجال گذشت، مگر اینکه بر زنان پادشاه واجب بود که اگر نزد بعضی از آنان کنیزکی نیکو منظر باشد، و آن زن بداند که پادشاه را به وی تعلقی و میلی است، و به دیدنش دل خشنود می باشد، او را به اکمل حالات و بهترین زینت ها و نیکوترین هیئت ها به پادشاه به رسم هدیه دهد. و چون چنین می کرد، حق او بر پادشاه این بود که شاه وی را بر زنانِ

خود مقدّم دارد، و منزلتی مخصوص دہد، و بر اکرامش بیافزاید- چه بادشاه می دانست که آن زن بر نفس خود سخت گرفته، و چیزی به وَی بخشیده است که بر دلش گران می آمد، وکسی رابدو تخصیص داده که جود به آن درٌ وسع زنان نیست مگر برخی از آنان- به ہر حال زنی که به اہداء یکی از جواریٔ خود مبادرت نمی کرد، ناچار دُرّی نفیس، و گوہری گران بہا، و و انگشتری و آن چه سبک وزن و لطیف باشد، تقدیم حضرت شاہنشاه می کرد +

جشنِ مہرگان در قرونِ اسلامی

بعد از غلبۂ مسلمین بر ایرانیان و بر اُفتادن اغلب از مراسم و عادات ملّی و مذہبیٔ پارسیان، بعضی از اعیادِ ایران ہمچنان با رونق اوّلیۂ خویش باقی ماندند- و حتّی از میان اقوامِ ایرانی نیز تجاوز کرده، اعراب غالب را باحترام خود وا داشته اند- و از آن جمله اند نوروز و مہرگان و سده، که در نزد اعراب "نیروز" و "مہرجان" و "سدق" خوانده می شوند +

ایرانیان از ہمان اوائل عہد اسلام بنابر عادتِ موروث، به تقدیم ہدایاء به خلفاء و اُمراء در ایّامِ اعیاد مبادرت کرده اند، چنان که فی المثل در عہد علی بن ابی طالب عده ای از دہگانان

در نوروز هدایا ای بخدمت وی بردند .... معاویه بن ابی سفیان برای تکثیر عایدات خویش در نوروز هدایا ای بر عهدهٔ مردم گذاشت که در سال به ده ملیون درهم می رسید - و کسی که اوّلین مرتبه هدایائی نوروز و مهرگان در اسلام (بهمان ترتیبی که در عهد ساسانی مرسوم بود) متداول ساخت، حجاج بن یوسف ثقفی است. ولی عمرو بن عبد العزیز این رسم را منسوخ ساخت - و حال به همین منوال بود، تا اینکه احمد بن یوسف کاتب در عهدِ مامون عبّاسی هدایا ای بخدمتِ او فرستاد ....

در مهرگان سال ۱۲۰ هجری، موقعی که اسد بن عبد الله در بلخ بود، دهگانان و اُمراء علی الرسم به تقدیم هدایا مبادرت جستند، و دهقان هرات شخصاً هدیه ای قیمتی بخدمت بُرد +

چنان که از آثارِ نویسندگان سلف بر می آید، دربار خلفاءِ عبّاسی به نوروز و مهرگان اهمیّت بسیار می داد - در این عهد نیز اُمراء به تقدیم هدایا مبادرت می جستند، چنانکه خالد المهلبی به متوکل (۲۳۲ - ۲۴۷ هجری) جامه ای زنگین منسوج از طلا و بعضی از اشیاء قیمتی دیگر به رسم هدیهٔ نوروز تقدیم کرد - و حسن بن وهب در مهرگان جامی زرین به متوکّل فرستاد که در آن هزار مثقال عنبر بود +

علاوه بر این در این ایّام، گاه به نگاشتن تبریک نامه ای

نیز مبادرت می کردند۔ چنان که همین حسن بن وهب در نوروز چیزی به عنوان تبریک نوشته بخدمت متوکل فرستاد، و نیز ماذنی شعری به عنوان تبریک نوروز فرستاد ....

جشن مهرگان را در نزد تمام سلاطینی که در قرون اسلامی بر ایرانیان حکومت می کردند، اهمیّت و اعتباری مخصوص بود۔ از دورهٔ سامانیان گرفته، تا هنگام هجوم مغول، شعراء هر یک به نوبهٔ خویش قصایدی در تهنیتِ مهرگان به اُمراءِ متبوع خود ساخته اند۔ و نقل آن جُمله در این مختصر نتیجه ای جُز تفصیل و تطویل نخواهد داشت *

شاید مهرگان را در قرون اسلامی گاه بنام "جشن خزان" نیز می خوانده اند چه فرخی در یکی از قصاید خویش میگوید:

زین جشن خزان خرمی و شادی بیند
چندان که در ایّامِ بهاری ببر اید

ولی باید دانست که در قرون قبل از اسلام جشن خزان یکی از اعیاد مخصوص پارسی، و نام دو جشن بوده است که یکی در هشتم شهریور ماه و دیگری در اوّل مهر ماه بر پای می شد۔ و ازین جشن در دربارهای اسلامی ایران رسمی نیست *

اگرچه ما را از هدیه دادن پادشاهان ایران در قرون اسلامی به اُمراء و درباریان اطلاع درستی در دست نیست، ولی در

یکی از قصاید منوچهری که در مدح منوچهر بن شمس المعالی قابوس بن وشمگیر بن زیار دیلمی سروده شده است، به یکی از نظایر این امور بر میخوریم- منوچهری در قصیده ای که بدین مطلع شروع می شود:

بینی آن ترکی که چون او بر زند بر چنگ چنگ
از دلِ ابدال بگریزد بصد فرسنگ سنگ

می گوید:

ای رئیس مهربان این مهرگان خرّم گذار
فرّو فرمانِ فریدون را تو کن فرهنگ هنگ
خز بده اکنون به رزمه می ستان اکنون به رطل
مشک ریز اکنون به خرمن عود سوز اکنون به تنگ

امّا درین نکته جای هیچ تاًمّل نیست که پادشاهان به سپاهیان در روز جشنِ مهرگان لباس های فصلی را که مهرگان در آن بود می داده اند.

و ابو ریحان می گوید که چون در زمانِ او مهرگان باوّل پائیز افتاد، سلاطین خراسان لباس پائیز و زمستان هر دو را درمیان لشکریان متفرّق میکردند.

بهترین کتابی که ما را از رسوم درباری عید مهرگان در قرونِ اسلامی آگاه می کند کتاب مقامات مسعودی تالیف ابو الفضل

محمد بن حسین بیهقی (متوفی بسال ٤٧٠ هجری) است - درین کتاب اگرچه فقط برسوم مهرگان در دربار سلاطین غزنوی برمیخوریم - ولی می توانیم که این مشت را نمونه ای از خروار دانسته بگوئیم که مهرگان با همین رسوم، یا مراسمی نظیر آن ها، در دربارهای سلاطین ایران در قرون اسلامی برپای می شده است - این رسوم را با مراسم قدیمهٔ مهرگان شباهتی کامل، و فقط یکی از وجوه تمایز آن ها با آئین سابقه اینست، که شاه در این دوره بیش از یکی دو روز به جشن نمی نشست و این معنی از مطالعهٔ دو کتاب سابق الذکر بخوبی برمی آید ٭

خاتمه

درین روزها هدایای حکام و امراء و بادشاهان ممالک اطراف و درباریان و ندماء به عرض شاه می رسید - و سفراء و رسولان امراء و شاهان بخدمت می آمدند، و شاعران قصائد غراء در تهنیت سلطان و وصف مهرگان می سرودند و صلتهای گران می یافتند - وقایع نگاران زمان، قصاید تبریکیهٔ مزبور را در سالنامها (تقاویم) ضبط می کردند، و مطربان و رامشگران به رامشگری می پرداختند و صلتها می یافتند - و اگر بادشاه به شراب خواری عادت می داشت، نشاط شراب می کرد - و

معمولاً در ایوان پذیرائی شاه خوانی بزرگ با تکلفات فراوان می نهادند.
این نکته را نیز باید در نظر داشت، که احترام ایام مذهبی اسلام، و اعیاد، یا روزهای مقدس، گاه باعث می شد که در جشن های که مصادف به این نوع از ایام می گشت، سرور و نشاط شراب و سماع در کار نه بود، بلکه به عوض هدایا اکتفا می شد، و این مطلب از مسطورات صفحهٔ ۵۱۶ تاریخ بیهقی بخوبی بر می آید"......
در روز چهارشنبه، نهم ذو الحجه امیر به جشن مهرگان نشست (امیر مسعود غزنوی)، و هدیه ها بسیار آوردند، و روز عرفه بود، امیر روزه داشت، و کسی را زهره نه بودی که پنهان و آشکارا نشاط کردی".

اینک قطعهٔ ذیل را، فقط برای بیان مراسم درباری جشن مهرگان در عهد غزنویان، از تاریخ بیهقی نقل می کنیم:
"در روز دوشنبه، سه روز مانده از ماه رمضان، امیر به جشن مهرگان می نشست، و چندان نثارها و هدیه ها و ظروف و ستور آورده بودند که از حد و اندازه بگذشت. سوری، صاحب دیوان، بی نهایت چیز فرستاده بود نزدیک وکیل درش، تا پیش آورد. همچنان وکلاء بزرگان اطراف چون خوارزم شاه، و امیر چغانیان، و امیر گرگان و ماژندران، و ولاة قصدار و مکران، و دیگران، بسیار چیز آوردند، و روزی با نام بگذشت".

روز چهارشنبه عید کردند، و تعبیه فرموده بود سلطان رضی الله عنه چنانکه به روزگار سلطان ماضی، پدرش رحمة الله علیه، دیده بودم. وقتی که اتفاق افتادی که رسولان اعیان و بزرگان عراق و ترکستان به حضرت حاضر بودندی. و چون عید کرده بود، سلطان از میدان به صفهٔ بزرگ آمد، خوانی نهاده بودند سخت با تکلف، آنجا نشست، و اولیاء و حشم و بزرگان را بنشاندند و شعراء پیش آمدند، و شعر خواندند، و به اثر ایشان مطربان زدن و گفتن گرفتند. و شراب روان شد. هم بر این خوان. و دیگر خوان که سرهنگان و خیل تاشان و اصناف لشکر بودند مشرب های بزرگ چنان که از خوان مستان بازگشته بودند. امیر قدحی چند خورده بود، که مانند آن کسی یاد نداشت. و وزیر و عارض و صاحب دیوان رسالت و ندماء حاضر آمدند، و مطربان سرائی و بیرونی دست به کار بردند. و نشاطی برپا شد، که گفتی، درین بقعت غم نماند، که همه هزیمت شد. و امیر شاعرانی را که بیگانه تر بودند، بیست هزار درم فرمود، و علوی زینتی را پنجاه هزار درم بر پیلی بخانهٔ وی بردند. و عنصری را هزار دینار دادند. و مطربان و مسخرگان راسی هزار درم، و آن شعرها که خواندند، همه در دواوین ثبت است. اگر این نبشتمی، دراز شدی، که استادان در وصف مجلس و صفت، و تهنیت عید، و مدح

بادشاهان سخن بسیار گفته بودند .....»

در تاریخ بیهقی به امثالِ این موارد بسیار بر می خوریم، و ازآن جمله است توضیحاتی که راجع به مهرگان های سال ۴۳۰ (ص ۵۳۹) و سال ۴۳۱ (ص ۶۰۱) می دهد، و مخصوصاً درضمن توصیف مهرگان سال ۴۳۰ می گوید:

«.... و آن قصاید(که در تهنیت امیر مسعود به مناسبت جشن مهرگان گفته بودند) ننبشتیم. واگر طاعنی گوید که چرا ازآن امیر محمود، رضی الله عنه بیاورده است، و ازآن امیر مسعود نیاورده؟ جواب آن است که این روزگار به ما نزدیک تر است واگر آن همه قصاید آورده شدی، سخت دراز گشتی، و معلوم است که درجشن ما برچه نمط گویند...»

خلاصهٔ کلام این که جشن مهرگان را درآن ایّام اهمّیتی بسزا بود وحتّی سلاطین ترک نژاد ایران و اعرابی که بربرخی از ولایات این مملکت تسلّط می یافتند، به اهمیت آن معترف بودند. و چنانکه از قصاید شعراءِ پیش از مغول برمی آید، تا زمان هجوم وحشیان مغولستان، این عید با برخی از اعیاد دیگر، هنوز از سرزمین ایران رخت بدیار نیستی نکشیده بود. ولی چون دورهٔ ادبار و تیره بختی فرا رسید، و چنگیز خون ریز پای در رکاب بیدادگری و خون آشامی نهاد، ابرهای مظلم اندوه فضاء صاف تعیش ایرانیان را فرا گرفت و اعیادِ موروثِ آنان مانند مهرگان و جشن های دیگر (بغیر از نوروز) ره سپار دیار عدم شدند *

انتخاب از منتخب التواریخ

بدایونی

شیرخان بن حسن سُور

که نام او فرید و خطاب شیرخان بُود بر تختِ بادشاهی بنشست و خود را مخاطب به این خطاب ساخت۔ و "خرابیٔ ملک دلی" تاریخ آن سال شد۔ او چون به مساعدت زمانه و تدبیر و شجاعت از بیگی به درجهٔ سلطنت رسید، مجملی از احوال او نوشتن ضروری بود

پدر حسن سُور، ابراهیم نامی که در زمان سلطان بهلول از روه، که عبارت از افغانستان است، به هندوستان رسیده نوکریٔ سلطان بهلول می کرد۔ و در جدود حصار فیروزه و نارنول می بود۔ و بعد از فوت او حسن ملازم جمال خان نام امیری از امرای سلطان سکندر شده، پرگنهٔ سهسرام و خواص پور، از توابع قلعهٔ رهتاس شرقی، جاگیر یافت۔ و پانصد سوار تابعین او بودند، جدا شده و ترک نوکری جمال خان نموده، چند گاه در جون پور به تحصیل علوم و کسب کمالات می گذرانید، تا آنکه کتاب کافیه را با حواشی و دیگر مختصرات می خواند، و از کتب سواد گلستان و

ـــ فضائل + حاشی

بوستان و سکندر نامه وغیرآن نیز استحضار گرفت - و پیرامون خوانق و مدارس گشته، در صحبت علما و مشائخ کبار آن دیار، به تهذیب اخلاق مشغول بود - و بعد از چندگاه با پدر آشتی کرده از جانب او به پرداختن جاگیر رخصت یافت - و آن جا کار به سویّت و عدالت میکرد - و متمرّدان را به لطایف حیل تنبیه داده ضبط نموده، و باز تقریبات روی داد تا فرید از پدر قطع نظر کرده، در آگره با برادر اعیانیٔ خویش رفته، خدمت دولت خان نام سرداری از اُمرایٔ کبار سلطان ابراهیم، اختیار نمود و شکایت از پدر و برادران دیگر بسلطان برد - سلطان این معنی رانه پسندید و گفت: "بد مرویست اینکه پدر را ازو ناراضی است و او از پدر شاکی" - و چون حسن فوت شد، دولت خان به عرض رسانیده آن پرگنات را حسب خاطر خواه برای شیرخان گرفت، و چندگاهی بسر برده، عاقبت از جهت مخالفت برادران در زمانی، که سلطان ابراهیم در میدان پانی پت سر نهاد، و بابر بادشاه فتح هند نموده نوای سلطنت برافراختند، بملازمت بهار خان ولد دریا خان نوحانی[1]، که در ولایت بهار خطبه و سکّه بنام خود خوانده، به خطاب سلطان محمّد مخاطب شده بود، رفت و نوازش یافت - و روزی که در شکار شیری را به حضور سلطان محمّد کشت، خطاب شیرخانی به او ارزانی داشت، و او را اتالیغ

[1] نوہانی

پسرِ خود جلال خان نامی ساخت۔ و بعد از ایامی چند محمّد خان سور حاکم ولایت چوند، بجهت حمایت برادران شیر خان، خاطر سلطان محمّد را از او منحرف ساخت، و حکم شرکت برادران در حکومت پرگنات، از سلطان محمّد گرفته، سلیمان بن حسن سور را، با شادی نام غلام خود، بجانب خواص پور فرستاد۔ و بهکّۂ غلام شیر خان، که پدر خواص خان مشهور بود، با سلیمان جنگ کرده کشته شد۔ و باقی مردم فرار نموده به سهسرام نزد شیر خان رسیدند۔ و شیر خان را چون طاقت مقاومت با محمّد خان، و روی ملازمت سلطان محمّد، نمانده بود، آن جای و جاگیر را گذاشته، به ضرورت نزد سلطان جنید برلاس، که از جانب بابر پادشاه حکومت کره و مانک پور داشت، رسیده در خدمت او قیام می نمود، و تحف و هدایاءِ بسیار گذرانیده، و فوجی آراسته از سلطان جنید به کومک برده، با محمّد خان جنگ کرده، پرگنه چوند و غیر آن را نیز از دستِ او گرفته، متصرّف شد۔ و محمّد خان فرار نموده پناه به قلعۂ رهتاس برد۔ و شیر خان انتقام از برادران کشیده و با محمّد خان در مقامِ عذر خواهی در آمده، و او را عم گفته، و ممنون ساخته، پرگنات جاگیر را به دستورِ سابق باز به وی گذاشته، نظام برادر حقیقیءِ خود را در جاگیر گذاشته، بارِ دیگر پیش سلطان جنید رفت۔ و سلطان جنید، چون در آن هنگام

متوجه ملازمت بابر پادشاه بود، او را همراه برده داخلِ ملازمان و دولت خواهانِ درگاه پادشاهی ساخت. و در سفر چندیری همرکاب بوده، از طرح و طرزِ مغول، و بی پروائیٔ پادشاه در وادیٔ انتظام مهام ملکی، و رشوت گرفتن اربابِ دخل، و برهم زدن مهمّات خلایق، چنان قرار گرفت، که اگر صاحب داعیه باشد، زود کاری می تواند پیش برد. روزی بابر پادشاه از وی در مجلسِ طعام ادائی دیدهٔ که موجب غیرت پادشاهی و سیاستِ شیرخان شده بود. و حضارِ مجلس کیفیّت خود سری و داعیهٔ بعضی تردّدهای او را به عرض رسانیدند. و این معنی باعث توهّم شیرخان شده، و از اردوی پادشاهی فرار نموده، به پرگنات رفت. و ازآن جا خط معذرت آمیز نوشته بسلطان جنید فرستاد، و تخلّف خود را بهانه این کرد، که چون محمّدخان از روی ستیزه، که به من داشت، سلطان محمّد را برین آورده بود که بتقریب نوکریٔ مغول، افواج بر سر پرگنات من می باید فرستاد، و رخصت من از پادشاه گرفتن میسّر نمی شد، بنابرآن این گستاخی کردم، و به همه حال داخلِ زمرهٔ دولت خواهانم. و ازآن جا نزد سلطان محمّد رفته، و به مزید تقرّب و انعامات لایق اختصاص یافته، باز به وکالت جلال خان، پسر خُردش، منصوب گشت. و جمیع مهمّاتِ او از پیش خود گرفت. و بعد

از وفات سلطان محمّد رائق و فائق تمامی سرکار بهار و توابع آن شد۔ با مخدوم عالم حاکم حاجی پور، که از امرائے والیِ بنگاله بود، عقد مصادقت بست۔ و والیِٔ بنگاله قطب خان نام امیری را به قصد استیصال مخدوم عالم فرستاد۔ و شیر خان به کومک مخدوم عالم رفته، جنگ عظیم کرده، قطب خان را بقتل رسانید۔ و فیل و خزانه و حشم بسیار به غنیمت گرفت۔ و جلال خان و قبیلهٔ او، که لوحانیان باشند، برغم شیر خان ولایت بهار را به حاکم بنگاله گذاشته، خدمت او اختیار نمودند۔ و شیر خان را به بلا سپرده، خود رخت از میدان بسلامت بردند۔ و بنگالیان اوّلاً ابراهیم خان ولد قطب خان مذکور را به عزمِ انتقام، بر سر شیر خان فرستادند۔ و شیر خان هر روز با ایشان جنگ قلعه می کرد۔ و چون مددی عظیم به بنگالیان رسیده، و راهِ گریز نماند، بضرورت جنگ صف با ایشان کرده، فتح یافت۔ و ابراهیم خان نیز در آن عالم رفته به پدر ملحق گشت۔ و شیر خان تمامی حشم و فیل خانه و توپ خانهٔ بنگالیان را گرفته و شوکتِ غریب بهم رسانیده، ولایت بهار را، بطریق استقلال و انفراد، به قبضهٔ اختیار در آورده، استعداد سلطنت پیدا کرد۔ و قلعهٔ چنار را، با دفاین و خزاینِ آن، از پسرانِ جمال خان سارنگ خانی تاج خان نام امیری از امرائے سلطان ابراهیم

سارا خانی *

لودی، که از سالها باز متصرّف بود، در قبض آورد. و زن صاحب مال و جمال او را که خزاین و دفاین بی حد داشت، نکاح کرد. و این معنی نیز موجب مزید شوکت و مکنت او گشت. و داعیهٔ سلطنت در باطن او روز بروز استحکام می یافت، تا آنکه اُمراءِ کبار از افغانان لودی سلطان محمود بن سلطان سکندر لودی را، که حسن خان میواتی و رانا سانگا به پادشاهی برداشته، به جنگ بابر پادشاه آورده بودند، و بعد از آن شکست در قلعهٔ چتور بسر می برد، از آن جا طلبیده، در ولایت پتنه بر مسند حکومت اجلاس دادند. او با جمعی انبوه در ولایت بهار درآمده، و آن را از شیرخان گرفته، متصرّف شد. و شیرخان به حسب ضرورت انقیاد نموده، ملازمت او اختیار کرد، و رخصت گرفته به سهسرام آمد. و سلطان محمود از راه سهسرام گذشته، و عهدنامهٔ ولایت بهار شیرخان را نوشته داده، و اُمیدوار ساخته، به عزم تسخیر جون پور، و قصد جنگ با اُمراءِ جنت آشیانی همایون پادشاه، روانه گردیده، تمامیِ آن صوبه را تا لکهنؤ بحوزهٔ تصرف خود در آورد. و اُمراءِ همایون پادشاه تاب مقاومت نیاورده، به نواحیِ کالنجر رفته، به ملازمت پیوستند. و همایون پادشاه به دفع و رفعِ سلطان محمود و بابن بایزید که همراه او بود، متوجّه او گشتند. چون التقاءِ صفّین روی نمود، شیرخان، که از

همراهیِ سلطان محمود روزی چند تقاعد نموده، باز به لشکرِ او ملحق گشته بود، پیغام به میر هندو بیگ قوچین، امیرالامراءِ جیش مغول، فرستاد که من در روز جنگ طرح داده به گوشهٔ خواهم رفت، شما دانید و افغانان، که از سرداریِ سلطان محمود و بابین بایزید استنکاف و استکبار تمام دارم۔ ع

گر گناهی کرده بودم پاک کردم راه را

آخر همچنین کرد۔ و سلطان محمود شکست یافته، باز به ولایت پتنه رفت۔ و دیگر کمر نه بست تا در سنهٔ تسع و اربعین و تسعمأة (۹۴۹) در ولایت اودیسه به سرحد صحرای عدم خیمه زد۔ و به میعادگاه مقرری رفته قرار گرفت۔ و همایون پادشاه بعد ازین فتح هندو بیگ را به تقریب طلب قلعهٔ چنهار به طریق وکالت، نزد شیرخان فرستادند۔ او عذر لنگ آورد۔ و پادشاه چند اُمراءِ نامی را به جهت محاصرهٔ آن قلعه بیشتر از خود نامزد ساخته، ازعقب استعداد رفتن می نمودند۔ درین اثنا شیرخان عریضهٔ مشتمل بر اظهار اخلاص، و ذکر رعایت بابر پادشاه جانب او را، و تعداد حقوق خدمات سابق و لاحق خویش، خصوصاً مخالفت بابین بایزید نوشته، به مصحوب قطب خان پسر بزرگ خود با فوجی عظیم در خدمت همایون پادشاه روانه گردانید۔ و عیسیٰ خان حجاب را، که وکیل وزیر طور بود، نیز

با قطب خان فرستاد - او از گجرات گریخته، در بنگاله با پدر ملحق شد - و چون همایون پادشاه عنان عزیمت به جانب گجرات تافتند، شیر خان خود قوت و شوکت عظیم گرفته، استعداد تمام یافته بود، تا آنکه با پادشاه دو مرتبه جنگ صف کرد و غالب شد، چنانکه گذشت - و شیر شاه در اوائل سال جلوس شهر قنوج قدیم را از جای خود ویران کرده، بکنار آب گنگ آبادان ساخت، و حالا به شیر گڑھ مشهور است - و هم چنین قلعۂ شمس آباد را خراب کرده بجای دیگر برد و رسول پور نام گذاشت - و الحال درین تاریخ بجای قدیم آبادان است - و چون به دهلیِٔ کهنه، معمورۂ سلطان علاءُ الدّین رسید، آن را نیز تخریب نموده، مابین قلعۂ دین پناه، که محمّد همایون پادشاه ساخته اند، فیروز آباد شهری طولانی آبادان کرد - و دروازۂ آن قلعه را از سنگ و گچ بر آورد، بطول سه کروه - و چون به سلطان پور به کوچهای متواتر رسید، برادران همایون پادشاه و امراءِ جغتیه با یک دیگر مخالفت ورزیده، هر کدام راهی پیش گرفتند، چنانچه گذشت - و شیر شاه فرصت اجتماع ایشان نداده، از عقب رانده آمد - و درین سال حکم عام کرد، که از ولایت بنگاله راست تا رهتاس غربی، که چهار ماهه راه است، و از آگره تا ماندو، در هر کروهی سرائی و مسجدی و چاهی از

خشت پخته آبادان ساخته، مؤذّنی و امامی و مسلمانی و هندوئی
برای تهیهٔ سقّایهای آب نامزد کرده، لنگر طعامی برای غربا و فقراء
رهگذری مهیّا می داشتند - و دو رویه راه درختان بلند سرکشیده
خیابانها بهم رسید، تا همه مسافران در سایهٔ آن می رفته باشند -
و اثرِ آن تا اکنون، که پنجاه و دو سال از آن زمان گذشته،
در اکثر جاها باقی است - و عدل در عهد او چنان شایع شده
بود، که اگر مثلاً پیرزالی طبق زرین بدست گرفته، هر جا که میخواست
خواب میکرد، هیچ دزدی و مفسدی را یارای برداشتن آن نبود -
و بحمد الله که در زمان این چنین ملکی کما قال النبیؐ علیه السلام
"انا وُلدت فی زمان الملك العادل" تولّد صاحب این منتخب در
هفدهم شهر ربیع الثانی در سنهٔ سبع و اربعون و تسعمائة (۹۴۷)
واقع شد - و باوجود آن کاشکی نام آن ساعت و آن روز را
از جریدهٔ تاریخ سنین و شهور محو کردند، تا در خلوت خانهٔ عدم با
ساکنانِ عالمِ خیال و مثال هم خانه بوده قدم در هستیٔ موهوم
نبایستی نهاد، و چندین داغ بلاهای گوناگون که همه به سمت خسر
الدّنیا و الآخره موسوم است و باقی معلوم نبایستی کشید - نظم
برقدِ ما خلعتِ بس فاخره   خسر الدّنیا و الآخره

رباعی

دی آمدم و نیامد از من کاری   امروز زمن گرم نشد بازاری

فردا بروم بی خبر از اسراری   نا آمده به بود ازین بسیاری

....

و بعد از آن که شیرشاه به کوه بالنات رسید، آن جا قلعهٔ رهتاس بنا فرموده، و پناهی از لشکر مغول برای لشکر هند خیال کرده، و خواص خان را بجهت تعاقب نامزد ساخته، باز گشت- و در راه شنید که خضر خان سرک نام سرداری، در بنگاله داعیهٔ فاسد در سر داشته سلوک بروش سلاطین می نماید، که شیر خان حرکت عنانی بدان جانب نمود- و خضر خان به استقبال او شتافته محبوس گشت- و شیر شاه ضبطِ آن ولایت نموده، به چندی از اُمراءِ معتبر جاگیر ساخت، و قاضی فضیلت، قاضی لشکر، را که اسم با مسمی به قاضی فضیحت در میان عوام مشهور بود، ناظمِ مهمّات قلعهٔ رهتاس شرقی گردانید ٭

و در سنهٔ ثمان و اربعین و تسعمائة (۹۴۸) به آگره، و در سنهٔ تسع و اربعین و تسعمائة (۹۴۹) به عزم تسخیر قلعهٔ مالوه، و گوالیار رفت- و ابو القاسم بیگ، از اُمرای همایون پادشاه، که در آن قلعه متحصّن بود، آمده دید، و کلید قلعه سپرد- و ملّوخان، حاکمِ مالوه، از جملهٔ ممالیکِ سلاطین خلج بوده، و اقتدار تمام و تسلّط کلّی در آن دیار داشت، شیر شاه را ملازمت نموده، بانعامات وافر ممتاز گشت- و شیر شاه سراپرده های برای او، نزدیکِ

سراپردۀ خود، برپا فرموده صد و یک اسپ، و دیگر اسباب تجمّل و شوکت برای او مهیّا ساخت. درین اثنا وهمی بخاطر ملّو خان راه یافت. شبی خیمه را پاره کرده تنها، به روش معهود غلامان، راه فرار پیش گرفت. و شیر خان این بیت گفت: بیت

با ما چه کرد دیدی ملّو خان گیدی

قولی است مصطفیٰ را: "لَاخَیْرَ فِی الْعَبِیْدِ"

و شیر خان حاجی خان سلطانی را به ضبط ولایت مالوه، و سزاول خان را، به پرداخت مهمات سرکار ستواس، نامزد ساخت. و ملّو خان با حاجی خان و سزاول خان جنگ کرده چنان شکست یافت که باز بحال نیامد. بیت

هر آن کهتر که با مهتر ستیزد چنان افتد که هرگز بر نخیزد

و خانخانان سروانی، که در قلعۀ رنتهنبور حاکم مستقل بود، آن قلعه را به شیر شاه سپرده، با اهل و عیال خود در قصبۀ بساور آمد، و میگویند که کسی چیزی در کاسۀ او کرد، و قبر او در سواد آن قصبه در جای نزه واقع شده و حالا مشهور است. رباعی

ای مرگ هزار خانه ویران کردی در ملک وجود غارت جان کردی
هر گوهر قیمتی که آمد به جهان بردی و بزیر خاک پنهان کردی

و درین سال شیر خان بتقریب اینکه پورن مل ابن سلهدی مقدم رای سین شهر چندیری، را که از معظم بلاد هندوستان

است، تاخته، و اهلِ آن جا را به قتل رسانیده، مقدار دو هزار عورت هندیه و مسلمه در حرم خود نگاه داشته بود، لشکر بر سر قلعهٔ رای سین برده آن را محاصره نمود، و تاریخ محاصره این مصراع یافتند: مصراع

قیامِ بارگه باشد مبارک

و بعد از امتدادِ ایّام قبل شیرشاه عهد و قول داده، پورنمل را از آن جا به وسیلهٔ شاهزاده عادل خان و قطب خان نائب فرود آورده، در لشکرگاهِ خویش جای داد. و صد اسپ و خلعت و زر نقد به او بخشید. و بالآخره بفتوی میر سید رفیع الدین صفوی ایلچیٔ، که از حضرت سکندر لودی حضرت مقدسه خطاب یافته بود، نقض عهد کرده، پورنمل را با اهل و عیال واطفال فیل مال گردانیده، متنفسی از آن هندوان مفسد و متمرّد، که قریب به ده هزار کس بودند، در آن معرکه خلاص نیافت. و زن و مردِ ایشان لقمهٔ جوهرِ تیغ یا طعمهٔ "جوهر" آتش که به زبان هندی مشهور است، گشتند، و این کارنامه از آن روز باز بر جریدهٔ روزگار به یادگار ماند. و این واقعه در سنهٔ خمسین و تسعمایة (۹۵۰) روی نمود. بعد از چند گاه از آگره به نیت جهاد بر استیصال سرکشان ولایت ماروار بسته بر سر رای مالدیو، عمدهٔ رایانِ هند، که حکومت ولایت ناگور

و جودهپور، و بر اهلِ اسلام استیلاءِ تام داشت، لشکری بیشتر از مور و ملخ کشید۔ و چون یکی از ضوابط شیر شاهی، که اصلا تخلف نمی کرد۔ ساختن قلعه و خندق بر گردِ لشکرِ خود بود، هرچند غنیم اندک هم باشد، زمانی که مالدیو در نواحیءِ اجمیر، با پنجاه هزار سوار چیده و کارزار آزموده، و بر گشتن و مُردن دل نهاده، در مقابلهٔ شیر شاه آمد، و از ریگ قلعه و خندق ساختن ممکن نبود، شیر شاه با امرای صاحب تجربه کار دیده درین باب کنگاش کرد، هیچکدام راهی بآن مقصد نیافتند۔ به یک ناگاه محمود خان بن عالم خان که نبیرهٔ شیر شاه باشد، با وجود خُرد سالی، گفت که "شاه عالم! انبجارهای لشکر را باید فرمود تا خرورها از ریگ پُر سازند، و گرد لشکر بچینند"۔ شیر شاه را این رای ازو بسیار مستحسن اُفتاد، و همان ساعت دستارِ خود بر سر او نهاده، ولایت عهدی بنامِ او مقرّر ساخت۔ عاقبت فلک یاری نکرد، و سلیم شاه، بعد از رسیدن بسلطنت از جملهٔ خویشان وارثِ ملک، اوّل تختهٔ هستی را از نامِ آن طفل بیچاره پاک گردانید۔ و آنچه او با ایشان کرد، روزگار کینه گذار با اولاد او نیز همان بجای آورد ۔ **بیت**

چو بد کردی مباش ایمن از آفات
که واجب شد طبیعت را مکافات

الغرض شیر شاه چون یک سر سپاهیء خویش را بملکی نمیداد، و افغانان نزد او از هرچه توان گفت، عزیز تر بودند، نخواست که لشکر خود را حوالهٔ بلای هندوان جاهل سازد۔ بنابر آن حیله انگیخته، کتابتها از جانب سرداران مالدیو به تعمیه و تلبیس بنام خود نوشت، به این مضمون، که وقت آراستگیء معرکه هیچ حاجت نیست، که پادشاه خود مباشر قتال و جدال شود، ما خود مالدیو را زنده گرفته می سپاریم، بشرط آنکه فلان و فلان جا را به ما انعام فرمایند، و چنان ساخت، که آن خطوط بدست مالدیو اُفتاد و مالدیو به یک قلم از تمامی اُمراءِ خود بدگمان شده، شب تنها راه فرار گرفته، باز پس ندید۔ و هرچند سرداران لشکر او سوگندها برخلاف این معنی خورده می گفتند، که از ما هرگز مثل این امر واقع نشده، و به وقوع نخواهد آمد، و این جمله از تدبیر شیر شاه است، که به این فریب سنگ تفرقه درمیانهٔ ما انداخته، فائده نکرد، و خاطر نشان مالدیو نشد، و کنهیا، که وزیر و وکیل او بود، بدرشتیء تمام دشنام به مالدیو داده، با چهار هزار نفر از سر و جان گذشته، بلکه زیاده نیز بقصد شب خون بر لشکر شیر شاه دلیر رانده، آمد و تمام شب راه غلط کرده، وقت صبح آگاه شدند، که لشکر دور ترک مانده، و چون کنشش فرار داده، اُمید زندگانی از خود منقطع ساخته بودند، در آن

هنگام که افواج شیرشاهی طلوع کرد، بنابر بی عقلیٔ خویش، یا قوت طالع شیرشاهی، هندوان همه از اسپان فرود آمده، از سرِ نو به تجدیدِ عهد بر یک جهتی و یک روئی نموده و دست به دست گرفته، به نیزه ای سردستی، (که آن را "برچهه" گویند)، و تیغ حمله بر فوج افغانان آوردند- و شیرشاه حکم کرده بود، که وای بر آن که به این جماعه به شمشیر جنگ کند، که خون وی در گردنش خواهد بود، و افواج فیلان را فرمود، تا پیش در آمده پایمال شان کنند، و از عقب فیلان توپچیان و تیرانداز ان، باقی ماندگان را به چاشنیٔ زه کمان نوید اجل داده مهمان عدم آباد گردانیدند- . . . .

. . . .

و در سنهٔ اثنی و خمسین و تسعمایة (۹۵۲) شیرشاه قلعهٔ کالنجر را که از قلاع مستحکم مشهور هندوستان است، محاصره کرد- و به جد و اهتمام تمام ساباطها در اندک فرصت مهیّا ساخت، و هر روز در مورچلها جنگ می انداخت، و در زمانی که ساباط مشرف بر دیوارِ قلعه گشت، و نقب ها آماده شد، از هر چهار طرف حمله آورده کار بر درونیان دشوار ساختند- و شیرشاه ازجائی که خود ایستاده بود، فرمود، تا حُقّه های پُر از داروی تفنگ اندرون قلعه می انداختند، از قضا حُقّهٔ از ان حقها بر دیوارِ

قلعه خورد، و بزور بازگشته شکست - و ریزهای آن در حقهای دیگر افتاد، و آتش در گرفت، و سراهای شیرشاه بسوخت - و چون بلیه شد و شیخ خلیل پیرزادهٔ او و مولانا نظام الدّین دانشمند، نیز درین سوزش با شیرشاه همدرد بودند - و شیرشاه درآن حالت هر دو دست پیش و پس گرفته، دویده، خود را به خیمهٔ، که در مورچل برای او برپا کرده بودند، رسانید - و درآن بی شعوری، هرگاه که اندکی به حال می آمد، فریاد بر مردم زده ترغیب بر گرفتن قلعه می نمود - و هرکس را که به دیدن او می آمد، اشارت به جنگ می کرد، تا در غیبتِ او اُمراءِ مورچل را اهتمام بیشتر از حضور نموده، و جان بازی ها کرده، و با اهل قلعه دست و گریبان گشته، و کار به کارد و خنجر رسانیده، دادِ تردّد و مردانگی دادند - و یکی از ثقات به فقیر حکایت کرد، که درآن روز حمله، که کار هر یکی از اهل مورچل ها نمایان، و علامات و صورت ها از یک دیگر ممتاز بود، می دیدیم که سپاهیِ مسلّح مکمّل، که نه هرگز پیش ازآن، و نه بعد ازآن، در نظر آمد، سرتاپا شعار سیاه پوشیده ملبوس و عمامه به همان رنگ بر سر نهاده، و ما را تحریص و ترغیب بر جنگ نموده، از بالای ساباط خود را درون قلعه رسانید - و هرچند بعد از فتح نشان او جستم نیافتم - و اهل مورچل های دیگر همین طور نشان می دادند که سواری

چند به این لباس دیدیم، که پیش پیش ما می رفتند، تا بدرون قلعه در آمدند، و غائب شدند۔ و شهرت چنان یافت که در آن جنگ مردانِ غیب به مددِ اہل اسلام آمده بودند، و شیر شاه در ہمان قلق و اضطراب زمان زمان خبر فتح می گرفت، و ہوا به غایت گرم بود، و ہر چند بر وی صندل و گلاب می پاشیدند، فایده از التهاب اجل نداشت۔ و تاپاکش[1] ساعت بساعت می افزود*

بیت

سینهٔ کز فراق می سوزد ہیچ سودی نه داردش صندل

و ہمین که نوید فتح شنید، در ساعت ودیعت حیات عاریتی به داور جان آفرین جان ستان سپرد، و این قطعه در تاریخ او گفته: **قطعه**

شیر شاه آن که از مهابتِ او شیر و بُز آب را بهم می خُورد
از جهان رفت و گفت پیر خرد سال تاریخ او از آتش مُرد

و نعش او را به سهسرام، که گور خانهٔ پدرانِ او بود، برده مدفون ساختند و مُدّتِ حکومت او پانزده سال۔ و سلطنت پنج سال بود۔ و می گویند که وقتی که در آئینه نظر می کرد، می گفت: "دریغ که در وقت نمازِ شام پادشاهی یافتم"*

---

[1] تاپاک = طپیدن ۔ اضطراب، بی قراری ۔ تپ داشتن *

انتخاب از سفرنامۀ ناصر خسرو علوی

چنین گوید ابو معین الدین ناصر خسرو علوی القبادیانی المروزی تاب الله عنه، که من مردی دبیر پیشه بودم و از جملۀ متصرّفان در اموال و اعمال سلطانی و بکارهای دیوانی مشغول بودم، و مدتی در آن شغل مباشرت نموده درمیان اقران شهرتی یافته بودم - در ربیع الآخر سنه سبع و ثلاثین و اربعمایه، که امیر خراسان ابو سلیمان جغری بیگ داود بن مکائیل بن سلجوق بود، از مرو برفتم به شغل دیوانی و به پنج دیه مرو الرّود فرود آمدم، که در آن روز قران رأس و مشتری بود - گویند هر حاجت که در آن روز خواهند باری تعالی و تقدّس روا کند - به گوشه ای رفتم و دو رکعت نماز بکردم و حاجت خواستم تا خدای تعالیٰ و تبارک مرا توانگری دهد - چون بنزدیک یاران و اصحاب آمدم، یکی از ایشان شعری پارسی میخواند - مرا شعری در خاطر آمد که از وی در خواستم تا روایت کند - بر کاغذی نوشتم تا به وی دهم که این شعر بر خوان - هنوز بدو نداده بودم که همان شعر بعینه آغاز کرد - آن حال بفال نیک گرفتم و با خود گفتم خدای تبارک و تعالی حاجت مرا روا کرد - پس

ازآن جا به جوز جانان شدم، و قرب یک ماه ببودم، و شراب پیوسته خوردمی- پیغمبر صلی الله علیه و آله وسلم می فرماید که قُولُوا الْحَقَّ وَ لَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ -شبی در خواب دیدم که یکی مرا گفت: "چند خواهی خوردن از این شراب، که خرد از مردم زائل کند، اگر به هوش باشی بهتر."من جواب گفتم که "حکما جز این چیزی نتوانستند ساخت که اندوه دُنیا کم کند". جواب داد که "بیخودی و بیهوشی راحتی نباشد، حکیم نتوان گفت کسی را که مردم را به بیهوشی رهنمون باشد، بلکه چیزی باید طلبید که خرد و هوش را به افزاید". گفتم که "من این را از کجا آرم"، گفت "جوینده یابنده باشد". و پس سوی قبله اشارت کرد و دیگر سخن نگفت- چون از خواب بیدار شدم آن حال تمام بر یادم بود، بر من کار کرد و با خود گفتم که از خواب دوشین بیدار شدم، باید که از خواب چهل ساله نیز بیدار گردم- اندیشیدم که تا همه افعال و اعمال خود بدل نکنم فرح نیابم- روز پنجشنبه ششم جمادی الآخر سنهٔ سبع و ثلاثین و اربع مایة نیمه ای دی ماه پارسیان سال بر چهار صد و ده یزدجردی سر وتن بشستم و به مسجد جامع شدم، و نماز کردم، و یاری خواستم از باری تبارک و تعالیٰ به گذاردن آن چه بر من واجب است و دست باز داشتن از منهیات و ناشایست، چنان که حق سبحانهٗ و تعالیٰ فرموده است:

پس از آن جا به شبورغان رفتم - شب به دیه باریاب بودم و از آن جا به راه سنگلان و طالقان بمرو الرّود شدم - پس به مرو رفتم، و از آن شغل که به عهدهٔ من بود، معاف خواستم و گفتم، که مرا عزم سفر قبله است - پس حسابی که بود، جواب گفتم و از دُنیائی آن چه بود، ترک کردم الّا اندک ضروری - و بیست و سیوم شعبان به عزم نیشاپور بیرون آمدم، و از مرو به سرخس شدم که سی فرسنگ باشد - و از آن جا به نیشاپور چهل فرسنگ است - روز شنبه یازدهم شوّال در نیشاپور شدم - چهارشنبه آخر این ماه کسوف بود و حاکم زمان طغرل بیگ محمد بود. برادر جغری بیگ - و مدرسه ای فرموده بود بنزدیک بازار سرّاجان، و آنرا عمارت می کردند، و او به ولایت گیری به اصفهان رفته بود - بار اوّل و دوّم ذوی القعده از نیشاپور بیرون رفتم، در صحبت خواجه موفّق که خواجهٔ سلطان بود، براه کوان به قومس رسیدیم و زیارت شیخ بایزید بسطامی بکردم، قدّس الله روحه - روز آدینه هشتم ذی القعده به دامغان رفتم - غرّهٔ ذی الحجّه سنهٔ سبع و ثلاثین و اربع مایهٔ براه آبخوری و چاشت خواران به سمنان آمدم - و آنجا مدتی مقام کردم و طالب اهل علم گردیدم - مردی نشان دادند که او را اُستاد علی نسائی می گفتند - نزدیک وی شدم، مردی جوان بود سخن به زبان فارسی همی گفت بزبان اهل دیلم،

و موی گشوده جمعی پیش وی حاضر۔ گروهی اقلیدس می خواندند و گروهی طب، و گروهی حساب۔ در اثنای سخن می گفت که "بر اُستاد ابو علی سینا رحمة اللہ علیه چنین خواندم، و از وی چنین شنیدم"۔ همانا غرض وی آن بود تا من بدانم که او شاگرد ابوعلی سینا است۔ چون با ایشان در بحث شدم او گفت۔ "من چیزی سپاهانه دانم، و هوس دارم که چیزی از حساب بخوانم"۔ عجب داشتم و بیرون آمدم، گفتم، چون چیزی نمی داند چه به دیگری آموزد۔ و از بلخ تا به ری سه صد و پنجاه فرسنگ حساب کردم۔ و گویند از ری تا ساوه سی فرسنگ است، و از ساوه به همادان سی فرسنگ، و از ری به سپاهان پنجاه فرسنگ، و به آمل سی فرسنگ۔ و میان ری و آمل کوه دماوند است مانند گنبدی که آن را لواسان گویند، و گویند بر سر آن چاهی است که نوشادر از آنجا حاصل می شود، و گویند که کبریت نیز۔ مردم پوست گاو ببرند و پر نوشادر کنند و از سر کوه بغلطانند که براه نتوان فرود آوردن +

+ پنجم محرّم سنه ثمان و ثلاثین و اربعمایة دهم مرداد ماه سنهٔ خمس[1]

[1] در صفحهٔ سوم گفت که سال ۴۳۷ هجری مطابق بود با سال ۴۱۰ یزدجردی۔ پس چگونه سال ۴۴۰ هجری مطابق می شود با سال ۴۱۵ یزدجردی۔ در یکی از این دو موضع لابد تاریخ یزدجردی غلط است +

عشر و اربعمایة از تاریخ فرس، بجانب قزوین روانه شدم و بدیه قوهه رسیدم۔ قحط بود و آن جا یک من نان جو به دو درهم میدادند از آن جا برفتم، نهم محرّم به قزوین رسیدم۔ باغستان بسیار داشت بی دیوار و خار[1] و هیچ چیز که مانع شود در رفتن راه نبود، و قزوین را شهری نیکو دیدم باروی حصین و کنگره بر آن نهاده، و بازارها خوب، الّا آن که آب در وی اندک بود در کاریز به زیر زمین۔ و رئیس آن شهر مردی علوی بود۔ و از همه صنّاعها که در آن شهر بود کفشگر بیشتر بود *

دوازدهم محرّم سنه ثمان و ثلاثین و اربعمایة از قزوین برفتم براه بیل و قبان که روستاق قزوین است۔ و از آن جا بدیهی که خرزویل خوانند۔ من و برادرم و غلامکی هندو، که با ما بود۔ زادی اندک داشتیم، برادرم به دیه در رفت تا چیزی از بقال بخرد۔ یکی گفت که "چه می خواهی بقال منم"، گفتم "هر چه باشد ما را شاید که غریبیم و بر گذر" گفت "هیچ چیز ندارم"۔ بعد از آن هر کجا کسی از این نوع سخن گفتی گفتمی بقال خرزویل است۔ چون از آن جا برفتم، نشیبی قوی بود۔ چون سه فرسنگ برفتم، دیهی از حساب طارم بود برز الخیر می گفتند۔ گرم سیر و درختان بسیار از انار و انجیر بود و بیشتر خود روی بود۔

---

[1] مقصود از خار بلاشک پرچین است *

و ازآن جا برفتم، رودی آب بود، که آن را شاه رود می گفتند، بر کنار رود دیهی بود که خندان می گفتند و باج می ستاندند، از جهت امیر امیران، و او از ملوک دیلمیان بود. و چون آن رود از این دیه بگذرد به رودی دیگر پیوندد که آن را سپید رود گویند. و چون هر دو رود بهم پیوندند به درّه ای فرو رود که سوی مشرق است از کوه گیلان، و آن آب به گیلان میگذرد و به دریای آب سکون می رود. و گویند که هزار و چهار صد رودخانه در دریای آبسکون می ریزد، و گفتند یک هزار و دویست فرسنگ دور اوست، و درمیان دریا جزائر است و مردم بسیار، و من این حکایت از مردم بسیار شنیدم. اکنون با سر حکایت و کار خود شوم. از خندان تا شمیران سه فرسنگ بیابانکیست همه سنگلاخ، و آن قصبۀ ولایت طارم است و به کنار شهر قلعه ای بلند، بنیادش بر سنگ خاره نهاده است، سه دیوار در گرد او کشیده، و کاریزی به میان قلعه فرو بریده. تا کنار رود خانه که از آنجا آب برآورند و به قلعه برند. و هزار مرد از مهتر زادگان ولایت در آن قلعه هستند تا کسی بیراهی و سرکشی نتواند کرد. و گفتند آن امیر را قلعه های بسیار در ولایت دیلم باشد، و عدل و ایمنی تمام باشد، چنان که در ولایتِ او کسی نتواند که از کسی چیزی ستاند. و مردمان که در ولایتِ وَی

به مسجد آدینه روند همه کفش ها را بیرون مسجد بگذارند، و هیچ کس کفش آن کسان را نبرد و این امیر نام خود را بر کاغذ چنین نویسد که "مرزبان الدیلم خیل جیلان ابو صالح مولی امیر المومنین" و نامش جستان ابراهیم است۔ در شمیران مردی نیک دیدم، از دربند، بود نامش ابو الفضل خلیفه بن علی الفلسوف، مردی اہل بود و با ما کرامتها کرد و کرم ها نمود، و با هم بحث ها کردیم، و دوستی اُفتاد میانِ ما، مرا گفت: "چه عزم داری؟" گفتم، سفر قبله را نیت کرده ام" گفت "حاجت من آن است که بوقت مراجعت گذر بر این جا کنی تا ترا باز بینم"۔ بیست و ششم محرم از شمیران می رفتم چهاردہم صفر را به شهر سراب رسیدم۔ و شانزدہم صفر از شهر سراب برفتم و از سعید آباد گذشتم۔ بیستم صفر سنۂ ثمان و ثلاثین و اربعمایۃ بشهر تبریز رسیدم، و آن پنجم شهریور ماه قدیم بود۔ و آن شهر قصبه آذر بائیجان است، شهری آبادان، طول و عرضش به گام پیمودم هر یک هزار و چهار صد بود۔ و پادشاه ولایت آذر بائیجان را چنین ذکر می کردند در خطبه "الامیر الاجلّ سیف الدّولۃ و شرف الملّۃ ابو منصور وهسودان بن محمد مولی امیر المومنین"۔ مرا حکایت کردند که بدین شهر زلزله اُفتاد، شب پنجشنبه ہفدہم ربیع الاوّل سنۂ اربع و ثلاثین و اربعمایۃ و در ایام مسترقه بود پس از نماز خفتن، بعضی از شهر خراب

شده بود و بعضی دیگر را آسیبی نرسیده بود- و گفتند چهل هزار آدمی هلاک شده بودند- و در تبریز قطران نام شاعری را دیدم شعری نیک می گفت، امّا زبان فارسی نیکو نمی دانست، پیش من آمد دیوان منجیک و دیوان دقیقی بیاورد و پیشِ من بخواند، و هر معنی که او را مشکل بود از من پرسید، با او بگفتم، و شرح آن بنوشت، و اشعارِ خود بر من خواند ؛

چهاردهم ربیع الاوّل از تبریز روانه شدیم به راه مرند، و با لشکری از آن امیر وهسودان تا خوی بشدیم- و از آن جا با رسولی برفتم تا برکری- و از خوی تا برکری سی فرسنگ است و در روز دوازدهم جمادی الاوّل آن جا رسیدیم، و از آن جا به وان و وسطان رسیدیم- در بازار آن جا گوشت خوک همچنانکه گوشت گوسفند می فروختند، و زنان و مردان ایشان بر دکانها نشسته شراب می خوردند بی تحاشی- و از آن جا به شهر اخلاط رسیدم هیزدهم جمادی الاوّل، و این شهر سرحد مُسلمان و ارمنیان است- و آن جا امیری بود او را نصر الدّوله گفتندی، عمرش زیادت از صد سال بود، پسران بسیار داشت، هر یکی را ولایتی داده بود- و درین شهر اخلاط به سه زبان سخن گویند تازی و پارسی و ارمنی- و ظنِّ من آن بود، که اخلاط بدین سبب نام آن شهر نهاده اند- و معامله ای آنجا به پول باشد و رطلِ

خوک

جمل میل

پیمانه

بیگل

ایشان سی صد درم باشد. به بیستم جمادی الاول ازآن جا برفتیم، به رباطی رسیدم، برف و سرمائی عظیم بود- و در صحرائی در پیش شهر، مقداری راه، چوبی بزمین فرو بُرده بودند تا مردم روز برف و مه بر هنجار آن چوب می روند- ازآن جا به شهر بطلیس رسیدم بدرّه ای در نهاده بود آن جا عسل خریدیم صد من بیک دینار برآمده بود به آن حساب که به ما بفروختند و گفتند درآین شهر کس باشد که او را دریک سال سی صد چهار صد خیک عسل حاصل شود- و ازآن جا برفتیم، قلعه ئی دیدیم که آن را "قف انظر" میگفتند یعنی بایست بنگر، ازآن جا بگذشتم بجائی رسیدیم که آن جا مسجدی بود میگفتند که اویس قرنی قدّس الله روحه، ساخته است- و در آن حدود مردم را دیدم که در کوه می گردیدند، و چوبی چون درخت سرو می بریدند، پرسیدم که "از این چه می کنید"؟ گفتند "این چوب را یک سر در آتش می کنیم، و از دیگر سرآن قطران بیرون می آید، همه در چاه جمع می کنیم، و ازآن چاه در ظروف می کنیم، و به اطراف می بریم." و این ولایت ها که بعداز اخلاط ذکر کرده شد، و این جا مختصر کردیم، از حساب میافارقین باشد- ازآن جا به شهر ارزن شدیم، شهری آبادان و نیکو بود- با آب روان و بساتین و اشجار و بازارهای نیک- و درآن جا در آذر ماه پارسیان دویست من انگور بیک دینار می فروختند-

که آن را رز ارمانوش می گفتند- ازآن جا به میافارقین رسیدیم- از شهر اخلاط تا میافارقین بیست و هشت فرسنگ بود، و از بلخ تا میافارقین، از این راه که ما آمدیم، پانصد و پنجاه و دو فرسنگ بود- و روز آدینه بیست و ششم جمادی الاوّل سنهٔ ثمان و ثلاثین و اربعمایة بود- و در این وقت برگ درختها هنوز سبز بود- باره ای عظیم بود از سنگ سفید بر شده، هر سنگی مقدار پانصد من- و به هر پنجاه گزی برجی عظیم ساخته هم از این سنگ سفید که گفته شد- و سر باره همه کنگرها بر نهاده چنان که گویی امروز اُستاد دست ازش باز داشته است- و این شهر را یک در است از سوی مغرب، و درگاهی عظیم برکشیده است به طاقی سنگین و دری آهنین بی چوب بر آن جا ترکیب کرده- و مسجد آدینه ای دارد، که اگر صفت آن کرده می شود، به تطویل انجامد- هر چند صاحب کتاب شرحی هر چه تمام تر نوشته است و گفته که متوضّای که در آن مسجد ساخته اند چهل حجره در پیش است، و در جوی آب بزرگ می گردد، در همه خانها یکی ظاهر استعمال را، و دیگر تحت الارض پنهان که ثفل می برد و چاهها پاک می گرداند، و بیرون از این شهرستان در ربض کاروان سراها و بازارها ست، و گرمابه ها و مسجد جامع دیگر بیست که روز آدینه آن جا هم نماز کنند- و از سوی شمال

سوری دیگر است که آن را محدثه گویند- هم شهریست با بازار و مسجد جامع و حمّامات همه ترتیبی- و سلطان ولایت را خطبه چنین کنند اُلامیر الاعظم عزّ الاسلام سعد الدّین نصر الدّوله و شرف الملّة ابو نصر احمد، مردی صد ساله و گفتند که هست- و رطل آن جا چهار صد و هشتاد درم سنگ باشد، و این امیر شهری ساخته است بر چهار فرسنگی میافارقین، و آن را نصریه نام کرده اند- و از آمد تا میافارقین نه فرسنگ است ❊

ششم روز از دی ماه قدیم به شهر آمد رسیدیم- بنیاد شهر بر سنگی یک لخت نهاده- و طول شهر بمساحت دو هزار گام باشد و عرض هم چندین- و گرد او سوری کشیده است از سنگ سیاه که خشتها بریده است از صد منی تا یک هزار منی، و بیشتر این سنگها چنان به یک دیگر پیوسته است، که هیچ گل و گچ درمیان آن نیست- بالای دیوار بیست ارش ارتفاع دارد، و پهنای دیوار ده ارش- به هر صد گز برجی ساخته که نیمهٔ دائرهٔ آن هشتاد گز باشد، و کنگرهٔ او هم از این سنگ- و از اندرون شهر در بسیار جای نردبان های سنگین بسته است که بر سر بارو تواند شد- و بر سر هر برجی جنگ گاهی ساخته- و چهار دروازه بر این شهرستان است همه آهن بی چوب، هریکی روی بجهتی از جهات عالم، شرقی را باب الدّجله گویند، غربی را باب الرّوم،

شمالی را باب الارمن، جنوبی را باب التّل - و بیرونِ این سور سوری دیگر است هم از این سنگ، بالای آن ده گز - و همه سرهای دیوار کنگره و از اندرون کنگره ممرّی ساخته چنان که با سلاح تمام مرد بگذرد و بایستد و جنگ کند به آسانی - و این سور بیرون را نیز دروازه های آهنین بر نشانده اند مخالف دروازه های اندرونی، چنان که چون از دروازه های سور اول در روند، مبلغی در فصیل بباید رفت تا به دروازه ای سور دوئم رسند و فراخی فصیل پانزده گز باشد - و اندر میان شهر چشمه ایست که از سنگ خاره بیرون می آید مقدار پنج آسیا گرد ابی بغایت خوش و هیچ کس نداند از کجا می آید، و در آن شهر اشجار و بساتین است که از آن آب ساخته اند، و امیر و حاکم آن شهر پسر آن نصر الدّوله است که ذکر رفت - و من فراوان شهرها و قلعه ها دیدم در اطرافِ عالم در بلادِ عرب و عجم و هند و ترک، مثل شهر آمد، هیچ جا ندیدم که بر روی زمین چنان باشد و نه نیز از کسی شنیدم که گفت چنان جای دیگر دیده ام، و مسجد جامع هم از این سنگ سیاه است چنان که از آن راست تر و محکم تر نتواند بود - و درمیان جامع دویست و اند ستون سنگین برداشته است، هر ستونی یک پاره سنگ و بر ستونها طاقها زده است همه از سنگ، و بر سر طاقها باز ستونها زده است

کوتاه تر ازآن، و صفی دیگر طاق زده بر سر آن طاقهای بزرگ، و همه بامهای این مسجد به خرپشته پوشیده همه نجارت و نقارت و منقوش و مدهون کرده. و اندر ساحتِ مسجد سنگی بزرگ نهاده است، و حوضی سنگین مدوّر عظیم بزرگ بر سر آن سنگ نهاده. و ارتفاعش قامت مردی، و دور دائره ای آن دو گز، و نایژه ای برنجین از میانِ حوض برآمده که آبی صافی به فوّاره ازآن بیرون می آید. چنان که مدخل و مخرج آن آب پیدا نیست. و متوضّاي عظیم بزرگ و چنان نیکو ساخته، که به ازآن نباشد، الّا که سنگ آمد، که عمارت کرده اند، همه سیاه است، و از آن میارفارقین سپید. و نزدیک مسجد کلیسائیست عظیم به تکلّف، هم از سنگ ساخته، و زمین کلیسیا مرخّم کرده بنقشها. و درین کلیسیا بر طارم. آن، که جای عبادت ترسایان است، دری آهنین مشبّک دیدم که هیچ جای مثل آن دری ندیده بودم. و از شهر آمد تا حرّان دو راه است، یکی را هیچ آبادانی نیست و آن چهل فرسنگ است. و بر راهی دیگر آبادانی و دیهای بسیار است بیشتر اهل آن نصاری باشد و آن شصت فرسنگ باشد. ما با کاروان براه آبادانی شدیم صحرائی بغایت هموار بود الّا آنکه چندان سنگ بود که ستور البتّه هیچ گام بی سنگ ننهادی + روز آدینه بیست و پنجم جمادی الآخر سنهٔ ثمان و ثلاثین

و اربعمایة به حرّان رسیدیم دوّم آذر ماه قدیم، هواءِ آن جا درآن وقت چنان بود که هواءِ خراسان در نوروز.

ازآن جا برفتیم، به شهری رسیدیم که قروُل نام آن بود. جوانمردی ما را بخانهٔ خود مهمان کرد. چون در خانهٔ وی درآمدیم، عربی بدوی درآمد نزدیکِ من آمد. شصت ساله بوده باشد و گفت "قرآن به من آموز" "قل اعوذ برب النّاس" او را تلقین میکردم، و او با من می خواند. چون من گفتم "من الجنّة و الناس" گفت "أرأیت النّاس" نیز بگویم. من گفتم که آن سوره بیش ازاین نیست. پس گفت "آن سورهٔ نقّالة الحطب کدامست" و نمی دانست که اندر سورهٔ "تبّت" "حمّالة الحطب" گفته است نه نقّالة الحطب. و آن شب چندان که با وی باز گفتم سورهٔ قُل اعوذ برب یاد نتوانست گرفتن، مردی عرب شصت ساله.

شنبه دوّم رجب سنهٔ ثمان و ثلاثین و اربعمایة به سروج آمدیم. دوّم روز از فرات بگذشتیم و به منبج رسیدیم. و آن نخستین شهریست از شهرهای شام، اوّل بهمن ماه قدیم بود. و هواءِ آنجا عظیم خوش بود، هیچ عمارت از بیرون شهر نبود. و ازآن جا بشهر حلب رفتم. از میافارقین تا حلب صد فرسنگ باشد. حلب را شهر نیکو دیدم، باره ای عظیم دارد، ارتفاعش بیست و پنج ارش قیاس کردم، و قلعه ای عظیم همه بر سنگ نهاده به قیاس چند بلخ

باشد همه آبادان و بناها بر سر هم نهاده، و آن شهر باجگاه است میان بلاد شام و روم و دیار بکر و مصر و عراق. و ازین همه بلاد تجار و بازرگانان آنجا روند. چهار دروازه دارد باب الیهود، باب الله، باب الجنان، باب انطاکیه. و سنگ بازار آنجا رطل ظاهری چهار صد و هشتاد درم باشد. و از آنجا چون سوی جنوب روند بیست فرسنگ حما باشد، و بعد از آن حمص. و تا دمشق پنجاه فرسنگ باشد از حلب، و از حلب تا انطاکیه دوازده فرسنگ باشد، و به شهر طرابلس همین قدر، و گویند تا قسطنطنیه دویست فرسنگ باشد.

یازدهم رجب از شهر حلب بیرون شدیم، بسه فرسنگ دیهی بود جند قنسرین می گفتند. و دیگر روز چون شش فرسنگ شدیم به شهر سرمین رسیدیم، بارو نداشت. شش فرسنگ دیگر شدیم، معرة النعمان بود، باره ای سنگین داشت، شهری آبادان و بر در شهر اسطوانه ای سنگین دیدم، چیزی در آن نوشته بود به خطی دیگر از تازی، از یکی پرسیدم که "این چه چیز است؟" گفت "طلسم کژدمی است که هرگز عقرب در این شهر نباشد و نیاید، و اگر از بیرون آورند و رها کنند بگریزد و در شهر نیاید. بالای آن ستون ده ارش قیاس کردم، و بازارهای او بسیار معمور دیدم و مسجد آدینه ای شهر بر بلندی نهاده است درمیان شهر که از هر جانب که خواهند به مسجد در شوند، سیزده درجه بر بالا

باید شد- و کشاورزی ایشان همه گندم است و بسیار است- و درخت انجیر و زیتون و پسته و انگور فراوان است- و آب شهر از باران و چاه باشد- در آن مردی بود که ابو العلاء معرّی میگفتند، نابینا بود، و رئیس شهر او بود، نعمتی بسیار داشت، و بندگان و کارگران فراوان، و خود همه شهر او را چون بندگان بودند، و خود طریق زهد پیش گرفته بود- گلیمی پوشیده و در خانه نشسته نیم منِ نانِ جوین راتبه کرده که جز آن هیچ نخورد- و من این معنی شنیدم که در سرای باز نهاده است و نواب، و ملازمان او کار شهر می سازند، مگر به کلّیات که رجوعی به او کنند- و وی نعمت خویش از هیچ کس دریغ ندارد و خود صائم الدّهر قائم اللّیل باشد و به هیچ شغل دنیا مشغول نشود، و این مرد در شعر و ادب بدرجه ای است که افاضل شام و مغرب و عراق مقرّند که در این عصر کسی به پایه ای او نبوده است و نیست- و کتابی ساخته آن را الفصول و الغایات نام نهاده و سخنها آورده است مرموز و مثلها به الفاظِ فصیح و عجیب که مردم بر آن واقف نمی شوند مگر بر بعضی اندک و آن کسی نیز که بر وی خواند، چنان که او را تهمت کردند که تو این کتاب را به معارضهٔ قرآن کرده ای- و پیوسته زیادت از دویست کس از اطراف آمده باشند، و پیش او ادب و شعر خوانند- و شنیدم که او را زیادت از صد هزار بیت شعر باشد، کسی از وی

پرسید که "ایزد تبارک و تعالیٰ این همه مال و نعمت ترا داده است
چه سبب است که مردم را می دهی و خویشتن نمی خوری" جواب
داد که "مرا بیش از این نیست که می خورم" و چون من آن جا
رسیدم این مرد هنوز در حیات بود +

پانزدهم رجب سنۂ ثمان و ثلاثین و اربعمایۃ از آن جا به
کویمات شدیم، و از آن جا به شهر حما شدیم. شهری خوش آبادان
بر لب آب عاصی- و این آب را از آن سبب عاصی گویند
که بجانب روم می رود، یعنی چون از بلاد اسلام به بلادِ کفر
می رود عاصی ست- و بر این آب دولابهای بسیار ساخته
اند- پس از آن جا راه دو می شود یکی بجانب ساحل و آن
غربی شام ست و یکی جنوبی به دمشق می رود- ما به راهِ
ساحل رفتیم- در کوه چشمه ای دیدم که گفتند هر سال چون
نیمه ای شعبان بگذرد آب جاری شود از آن جا، و سه روز
روان باشد، و بعد از سه روز یک قطرۂ نیاید تا سال دیگر-
مردم بسیار آن جا به زیارت روند و تقرب جویند به خداوند
سبحانه و تعالیٰ، و عمارت و حوضها ساخته اند آن جا، چون
از آن جا بگذشتیم، به صحرائی رسیدیم که همه نرگس بود شگفته، چنانکه
تمامت آن صحرا سپید می نمود از بسیاری نرگسها- از آن جا
برفتیم به شهری رسیدیم که آن را عرقه می گفتند- چون از عرقه

دو فرسنگ بگذشتیم به لب دریا رسیدیم، و بر ساحل دریا روی
از سوی جنوب چون پنج فرسنگ برفتیم به شهر طرابلس رسیدیم-
و از حلب تا طرابلس چهل فرسنگ بود بدین راه که ما رفتیم-
روز شنبه پنجم شعبان آن جا رسیدیم- حوالیٔ شهر همه کشاورزی
و بساتین و اشجار بود و نیشکر بسیار بود و درختان نارنج و
ترنج و موز و لیمو و خرما و شیره ای نیشکر در آن وقت
می گرفتند- شهر طرابلس چنان ساخته اند که سه جانب او با آب
دریاست که چون آب دریا موج زند مبلغی بر باروی شهر برود،
چنان که یک جانب که با خشک دارد، کنده ای عظیم کرده اند
و در آهنین محکم بر آن نهاده اند- جانب شرقی بارو از سنگ
تراشیده است و کنگره های و مقاتلات همچنین، و عرّادها بر سر
دیوار نهاده- خوف ایشان از طرف روم باشد که به کشتیها قصد
آن جا کنند- و مساحت شهر هزار ارش است در هزار ارش
تیمه چهار و پنج طبقه و شش نیز هم هست، و کوچها و بازارها نیکو
و پاکیزه که گویی هر یکی قصریست آراسته و هر طعام و میوه و
مأکول که در عجم دیده بودم همه آن جا موجود بود بل بصد درجه
بیشتر- و درمیان شهر مسجدی آدینه عظیم پاکیزه و نیکو آراسته و
حصین، و در ساحت مسجد قبّه ای بزرگ ساخته و در زیر قبّه
حوضی است از رخام، و درمیانش فوّاره ای برنجین، و در بازار

مشرعه ای ساخته است. که به پنج نائژه آب بسیار بیرون می آید
که مردم بر می گیرند، و فاضل بر زمین می گذرد و بدریا درمیرود-
وگفتند که بیست هزار مرد در این شهر است و سواد و روستاقهای
بسیار دارد، و آن جا کاغذ نیکو سازند، مثل کاغذ سمرقندی بل
بهتر، و این شهر تعلّق به سلطان مصر داشت، گفتند سبب
آن که وقتی لشکری از کافر روم آمده بود و این مسلمانان بآن
لشکر جنگ کردند، و آن لشکر را قهر کردند، سلطان مصر خراج
از آن شهر برداشت، و همیشه لشکری از آن سلطان آن جا
نشسته باشد، و سالاری بر سر آن لشکر، تا شهر را از دشمن
نگاه دارند- و باجگاهی است آن جا که کشتیهای که از اطراف روم
و فرنگ و اندلس و مغرب بیاید عشر به سلطان دهند، و ارزاق
لشکر از آن باشد، و سلطان را آن جا کشتی ها باشد که به روم و
سقلیه و مغرب روند و تجارت کنند، و مردم این شهر همه شیعه
باشند، و شیعه به هر بلاد مساجد نیکو ساخته اند، در آن جا خانها
ساخته بر مثال رباطها، امّا کسی در آن جا مقام نمی کند- و آن
را مشهد خوانند و از بیرون شهر طرابلس هیچ خانه نیست مگر
مشهد دو سه چنان که ذکر رفت ٭

پس از این شهر برفتم همچنان بر طرف دریا روی سوی
جنوب، به یک فرسنگی حصاری، دیدم که آن را قلمون می گفتند،

چشمه ای آب در اندرون آن بود. از آن جا برفتم بشهر طرابرون، و از طرابلس تا آن جا پنج فرسنگ بود، و از آن جا به شهر جبیل رسیدیم. و آن شهریست مثلّث، چنان که یک گوشه ای آن بدریا است، و گرد وی دیواری کشیده بسیار بلند و حصین، و همه گرد شهر درختان خرما و دیگر درخت های گرم سیری، کودکی را دیدم گلی سرخ و یکی سپید تازه در دست داشت، و آن روز پنجم اسفندارمذ ماه قدیم سال بر چهار صد و پانزده از تاریخ عجم. و از آن جا به شهر بیروت رسیدیم، طاقی سنگین دیدم، چنانکه راه بمیان آن طاق بیرون می رفت، بالای آن طاق پنجاه گز تقدیر کردم، و از جوانب او تخته سنگهای سفید بر آورده، چنان که هر سنگی از آن زیادت از هزار من بود، و این بنا را از خشت بمقدار بیست گز بر آورده اند، و بر سر آن اسطوانهای رخام برپا کرده، هر یکی هشت گز، و سطبری چنان که به جهد در آغوش دو مرد گنجد. و بر سر این ستونها طاقها زده است بدو جانب، همه از سنگ مهندم، چنانکه هیچ گچ و گل در این میان نیست، و بعد از آن طاقی عظیم بر بالای آن طاقها بمیانه راست ساخته اند به بالای پنجاه ارش، و هر تخته سنگی را که در آن طاق بر نهاده است هر یکی را هشت ارش قیاس کردم در طول و در عرض چهار ارش، که هر یک

از آن تخمیناً هفت هزار من باشد، و این همه سنگها را کنده کاری و نقاشی خوب کرده چنان که در چوب بدان نیکویی کم کنند، و جز این طاقی بنای دیگر نمانده است، بدان حوالی، پرسیدم که "این چه جای است"؟ گفتند که "شنیده ایم که این در باغ فرعون بوده است و بس قدیم است." و همه صحرای آن ناحیت ستونهای رخام است و سر ستونها و تن ستونها همه رُخام منقوش مدوّر و مربع و مسدّس و مثمّن- و سنگ عظیم صلب که آهن بر آن کار نمی کند، و بدان حوالی هیچ جایی کوهی نه که گمان افتد که از آن جا بریده اند، و سنگی دیگر که همچو معجونی می نمود آنچنانکه سنگهای دیگر مسخّر آهن بود، و اندر نواحی شام پانصد هزار ستون یا سر ستون و تن بیش اُفتاده است که هیچ آفریده نداند که آن چه بوده است یا از کجا آورده اند +

پس از آن بشهر صیدا رسیدیم هم بر لب دریا- نیشکر بسیار کشته بودند و باره ای سنگین محکم دارد و سه دروازه و مسجد آدینه ای خوب با روحی تمام، همه مسجد حصیرهای منقش انداخته، و بازاری نیکو آراسته، چنان که چون آن بدیدم گمان بردم که شهر را بیاراسته اند قدوم سلطان را، یا بشارتی رسیده است، چون پرسیدم گفتند "رسم این شهر همیشه چنین باشد." و باغستان و اشجار آن چنان بود که گوئی بادشاهی ساخته

است بهوس، و کوشکی در آن برآورده و بیشتر درختها پُر بار بُود*

چون از آن جا پنج فرسنگ بشدیم، بشهر صور رسیدیم شهری بود در کنار دریا سنجی بوده بود و آن جا آن شهر ساخته بود، و چنان بود که باره ای شهرستان صد گز بیش بر زمین خشک نبود، باقی اندر آب دریا بود، و باره ای سنگین تراشیده و درزهای آن را به قیر گرفته تا آب در نیاید، و مساحت شهر هزار در هزار قیاس کردم و تیمه پنج شش طبقه بر سر یک دیگر، و فوّاره بسیار ساخته و بازارهای نیکو، و نعمت فراوان- و این شهر صور معروف است به مال و توانگری درمیان شهرهای ساحل شام، و مردمانش بیشتر شیعه اند- و قاضی بود آن جا مردی سُنّی مذهب، پسر ابو عقیل می گفتند، مردی نیک و توانگر- و بر در شهر مشهدی راست کرده اند و آن جا بسیار فرش و طرح و قنادیل و چراغدانهای زرّین و نقرگین نهاده. و شهر بر بلندی است، و آب شهر از کوه می آید. و بر در شهر طاقهای سنگین ساخته اند و آب بر پشت آن طاقها بشهر اندر آورده- و در آن کوه درّه ایست مقابل شهر، که چون روی به مشرق بروند به هجده فرسنگ بشهر دمشق رسند*

و چون ما از آن جا هفت فرسنگ برفتیم به شهرستان عکّه رسیدیم، و آنجا مدینة عکّا نویسند- شهر بر بلندی نهاده،

زمینی کج و باقی هموار، و در همه ساحل که بلندی نه باشد شهر نسازند از بیم غلبه ای آب دریا و خوف امواج که بر کرانه می زند، و مسجد آدینه درمیانِ شهر است و از همه شهر بلند تر است، و اسطوانها همه رخام است. در دستِ راستِ قبله از بیرون قبر صالح پیغمبر علیه السّلام و ساحت مسجد بعضی فرش سنگ انداخته اند و بعضی دیگر سبزی کشته، و گویند که آدم علیه السلام آن جا زراعت کرده بود. و شهر را مساحت کردم، درازی دو هزار ارش بود و پهنا پانصد ارش، باره بغایت محکم، و جانب غربی و جنوبی آن با دریا ست، و بر جانب جنوب مینا است و بیشتر شهرهای ساحل را مینا ست، و آن چیزی است که جهت محافظت کشتیها ساخته اند مانند اصطبل، که پشت بر شهرستان دارد. و دیوارها بر لب آب دریا درآمده، و درگاهی پنجاه گز بگذاشته بی دیوار الّا آنکه زنجیرها از این دیوار بدان دیوار کشیده اند که چون خواهند که کشتی در مینا آید زنجیرها سست کنند تا بزیر آب فرو روند و کشتی بر سر آن زنجیر از آب بگذرد و باز زنجیرها بکشند تا کسی بیگانه قصد این کشتیها نتواند کرد. و به دروازه ای شرقی بر دست چپ چشمه ایست که بیست و شش پایه فرو باید شد تا بآب رسند، و آن را عین البقر گویند و می گویند که آن چشمه را آدم علیه السلام

پیدا کرده است، و گاو خود را از آن جا آب داده، و از آن سبب آن چشمه را عین البقر می گویند- و چون از این شهرستان عکّه سوی مشرق روند کوهیست که اندر آن مشاهد انبیا ست علیهم السّلام- و این موضع از راه بر کناره است کسی را که بر مله رود- مرا قصد اُفتاد که آن مزارهای متبرّک را بینم، و برکات از حضرت ایزد تبارک و تعالیٰ بجویم- مردمان عکّه گفتند آن جا قومی مفسد در راه باشند که هر کرا غریب بینند تعرّض رسانند، و اگر چیزی داشته باشد بستانند- من نفقه که داشتم در مسجد عکّه نهادم، و از شهر بیرون شدم، از دروازهٔ شرقی، روز شنبه بیست و سیوم شعبان سنه ثمان و ثلاثین و اربعمایة- اوّل روز زیارت قبر عک کردم که بانیٔ شهرستان او بوده است، و او یکی از صالحان و بزرگان بوده، و چون با من دلیلی نبود که آن راه داند متحیّر می بودم، ناگاه از فضلِ باری تبارک و تعالیٰ همان روز مردی عجمی با من پیوست که او از آذربائیجان بود، و یک بار دیگر آن مزاراتِ متبرّکه را دریافته بود، دوّم کرّت بدان عزیمت روی بدان جانب آورده بود- بدان موهبت شکر باری را تبارک و تعالیٰ دو رکعت نماز بگذاردم، و سجده ای شکر کردم که مرا توفیق میداد تا بر عزمی که کرده بودم وفا می کردم- بدیهی رسیدم که آن

را پروه می گفتند- آن جا قبر عیش و شمعون علیهما السلام را زیارت
کردم- و از آن جا به مغارک رسیدم که آن را داموں می گفتند،
آن جا نیز زیارت کردم که گفتند قبر ذوالکفل است علیه السّلام-
و از آن جا به دیهی دیگر رسیدم که آن را اعبلین می گفتند، و قبر
هود علیه السّلام آن جا بود- زیارت آن دریافتم، اندر حظیره ای
او درختی خرتوت بود، و قبر عزیر النّبی علیه السّلام آن جا بود،
زیارتِ آن کردم- و رُوی سوی جنوب برفتم- به دیهی دیگر رسیدم
که آن را حظیره می گفتند- و بر جانب مغربی ء این دیه دره ای
بود و در آن درّه چشمه ای آب بود پاکیزه که از سنگ بیرون
می آمد- و برابر چشمه بر سرِ سنگ مسجدی کرده اند و در آن مسجد
دو خانه است از سنگ ساخته و سقف سنگین در زده و دری
کوچک بر آن جا نهاده چنان که مرد به دشواری در تواند رفتن-
و دو قبر نزدیک یک دیگر آن جا نهاده، یکی از آن شعیب
علیه السّلام، و دیگری از آن دخترش، که زن موسٰی علیه السّلام
بود- مردم آن دیه آن مسجد و مزار را تعهّد نیکو کنند از پاک
داشتن و چراغ نهادن وغیره - و از آن جا به دیهی شدم که
آن را اربل می گفتند، و بر جانب قبله ای آن دیه کوهی بود
و اندرمیان آن کوه حظیره ای، و اندر آن حظیره چهار گور نهاده
بود از آن فرزندانِ یعقوب علیه السلام که برادران یوسف علیه السلام

بودند، و از آن جا برفتم، تلّی دیدم، زیرِ آن تلّ غاری بود که قبر مادر موسیٰ علیه السّلام در آن غار بود، زیارت آن جا دریافتم- و از آن جا برفتم دره ای پیدا آمد، به آخر آن درّه دریائی پدید آمد کوچک، و شهر طبریه بر کنار آن دریا ست- طول آن دریا به قیاس شش فرسنگ، و عرض آن سه فرسنگ باشد، و آب آن دریا خوش با مزه- و شهر بر غربی دریا ست، و همه آبهای گرمابهای شهر و فضله ای آبها بدان دریا می رود- و مردم آن شهر و ولایت که بر کنار آن دریا ست همه آب از این دریا خورند- و شنیدم که وقتی امیری بدین شهر آمده بود فرمود که راه آن پلیدی ها و آبهای پلید از آن دریا باز بندند، آب دریا گنده شد چنان که نمی شایست خوردن، باز فرمود تا همه راه آبهای چرکین که در آن جا بود بگشودند، باز آب دریا خوش شد- و این شهر را دیواری حصین است چنان که از لبِ دریا گرفته اند، و گرد شهر گردانیده، و از آن طرف که دریا ست دیوار ندارد- و بناهای بسیار درمیانِ آب است و زمین دریا سنگ ست و منظرها ساخته اند بر سر اسطوانهای رخام که اسطوانها در آب است، و در آن دریا ماهی بسیار است، و درمیانِ شهر مسجدِ آدینه است و بر درِ مسجد چشمه ایست و بر سر آن چشمه گرمابه ای ساخته اند، و آب چنان گرم است که تا به آبِ سرد

نیامیزند بر خود نتوان ریخت۔ و گویند آن گرمابه سلیمان بن داؤد
علیهما السّلام ساخته است۔ و من در آن گرمابه رسیدم۔ و اندر
این شهر طبریه مسجدیست که آن را مسجد یاسمن گویند با جانب
غربی، مسجدی پاکیزه، در میان مسجد دُکانی بزرگ است و بر
وی محرابها ساخته و گرد بر گرد آن دُکان درخت یاسمن
نشانده که مسجد را به آن باز خوانند۔ و رواقی است بر جانب
مشرق، قبر یوشع بن نون در آن جاست، و در زیر آن
دُکان قبر هفتاد پیغمبر است علیهم السّلام که بنی اسرائیل
ایشان را کشته اند۔ و سوی جنوب شهر دریای لوط ست و
آن آب تلخ دارد، یعنی دریای لوط که از جانب جنوب طبریه
است، و آب دریای طبریه به آن جا می رود، و شهرستان
لوط بر کنار آن دریای لوط ست امّا هیچ اثری نمانده است
از شخصی شنیدم که گفت در دریای تلخ که دریای لوط ست
چیزی می باشد مانند گاوی از کف دریا فراهم آمده سیاه که
صورت گاو دارد و به سنگ می ماند امّا سخت نیست۔ و مردم
آن را برگیرند و پاره کنند و به شهرها و ولایتها برند، هر پاره
که از آن در زیر درختی کنند هرگز کرم در زیر آن درخت
نیفتد، و در آن موضع بیخ درخت را زیان نرساند و بستان
از کرم و حشرات زیر زمین غمی نباشد۔ و العهدة علی الرّاوی

و گفت عطاران نیز بخرند و می گویند کرمی در داروها افتد و آن را نقره گویند دفع آن کند- و در شهر طبریه حصیر سازند که مصلّی نمازی از آن است، همان جا به پنج دینار مغربی بخرند- و آن جا در جانب غربی کوهیست و بر آن کوه پاره ای سنگ خارا است بخط عبری بر آنجا نوشته اند که بوقت آن کتابت ثریا بسر حمل بود، و گور ابی هریره آن جا ست بیرون شهر در جانب قبله؛ امّا کسی آنجا به زیارت نتواند رفتن که مردمان آن جا شیعه باشند، و چون کسی آنجا به زیارت رود کودکان غوغا و غلبه بسر آن کس برند و زحمت دهند و سنگ اندازند، از این سبب من نتوانستم زیارت آن کردن- چون از زیارت آن موضع بازگشتم به دیهی رسیدم که آن را کفر کنه می گفتند- و جانب جنوب این دیه پشته ایست و بر سر آن پشته صومعه ای ساخته اند نیکو، و دری استوار بر آن جا نهاده، و گور یونس النّبی علیه السّلام در آن جاست و بر در صومعه چاهی است و آبی خوش دارد، چون آن زیارت دریافتم از آن جا با عکّه آمدم، و از آن جا تا عکّه چهار فرسنگ بود- و یک روز در عکّه بودیم- بعد از آن از آن جا برفتیم و به دیهی رسیدیم که آن را حیفا می گفتند، و تا رسیدن بدین دیه در راه ریگ فراوان بود از آن که زرگران در عجم

بکار دارند، و ریگ مکّی گویند. - و این دیه حیفا به لب دریاست
و آن جا نخلستان و اشجار بسیار دارند آن جا کشتی سازان
بودند و آن کشتیهای دریائی را آن جا جودی می گفتند- از آنجا
به دیهی دیگر رفتیم به یک فرسنگی که آن را کنیسه می گفتند- از
آن جا راه از دریا بگردید، و بکوه در شد سوی مشرق، وصحراها
و سنگستانها بود که وادی تماسیح می گفتند، چون فرسنگی دو
برفتیم، دیگر بار راه بکنار دریا اُفتاد و آن جا استخوان حیوانات
بحری بسیار دیدیم که درمیان خاک و گل معجون شده بود، و همچو
سنگ شده از بس موج که بر آن کوفته بود

و از آن جا به شهری رسیدیم، و آن را قیساریه خواندو
از عکّه تا آن جا هفت فرسنگ بود. شهری نیکو با آب روان
و نخلستان و درختان نارنج و ترنج و باروئی حصین و دری
آهنین و چشمهای آب روان در شهر، و مسجد آدینه ای نیکو
چنان که چون در ساحت مسجد نشسته باشند تماشا و تفرّج
دریا کنند، و خمی رخامین آنجا بود که همچون سفال چینی آنرا
تنگ کرده بودند چنان که صد من آب در آن گنجد- روز شنبه
سلخ شعبان از آن جا برفتیم همه بر سر ریگ مکّی برفتیم مقدار
یک فرسنگ، و دیگر باره درختان انجیر و زیتون بسیار دیدیم
همه راه به کوه و صحرا، چون چند فرسنگ برفتیم به شهری

رسیدیم که آن شهر را کفرسابا و کفرسلام می گفتند- از این شهر تا رمله سه فرسنگ بود، و همه راه درختان بود چنان که ذکر کرده شد ٭

روز یکشنبه غرّهٔ رمضان به رمله رسیدیم، و از قیساریه تا رمله هشت فرسنگ بود- و آن شهرستانی بزرگ است و باروی حصین از سنگ و گچ دارد بلند و قوی، و دروازه های آهنین برنهاده و از شهر تا لب دریا سه فرسنگ است، و آب ایشان از باران باشد، و اندر هر سرای حوضها باشد که آب باران بگیرند، و همیشه از آب ذخیره باشد، درمیان مسجد آدینه حوضهای بزرگ است که چون پر آب باشد، هر که خواهد برگیرد، و نیز دور مسجد آنجا را سی صد گام اندر دویست گام مساحت است، بر پیش صفّه نوشته بودند که پانزدهم محرّم سنه خمس و عشرین و اربعمایة این جا زلزله ای بود قوی، و بسیار عمارات خراب کرد، امّا کس را از مردم خللی نرسید. درین شهر رخام بسیار است، و بیشتر سراها و خانهای مردم مرخّم است به تکلّف و نقش ترکیب کرده- و رخام را به ارّه می بُرند که دندان ندارد، و ریگ مکّی در آن جا می کنند و ارّه می کشند بر طول عمودها نه بر عرض، چنان که چوب از سنگ الواح می سازند، و انواع و الوان رخامها آن جا دیدم از ملمّع و سبز و سرخ و سیاه و

سفید و همه لونی، و آن جا نوعی انجیر است که به از آن هیچ جا نباشد، و از آن جا بهمه اطراف بلاد می برند، و این شهر رمله را به ولایت شام و مغرب فلسطین می گویند ٭

سیوم رمضان از رمله برفتیم، به دیهی رسیدیم که خاتون می گفتند، و از آن جا به دیهی دیگر رفتیم که آن را قریة العنب می گفتند، در راه سداب فراوان دیدیم که خود روی بر کوه و صحرا رسته بود ٭

در این دیه چشمه ای آب نیکو خوش دیدیم که از سنگ بیرون می آمد، و آن جا آخرها ساخته بودند و عمارت کرده، و از آن جا برفتیم روی بر بالا کرده، تصور بود که بر کوهی می رویم که چون بر دیگر جانب فرو رویم شهر باشد، چون مقداری بالا رفتیم صحرائی عظیم در پیش آمد بعضی سنگلاخ و بعضی خاکناک، بر سر کوه شهر بیت المقدس نهاده است و از طرابلس که ساحل ست، تا بیت المقدس پنجاه و شش فرسنگ، و از بلخ تا بیت المقدس هشتصد و هفتاد و شش فرسنگ است ٭

مدینه ای رسول الله علیه السلام

مدینه ای رسول الله علیه السلام شهری است بر کنارهٔ صحرائی نهاده، و زمین نمناک و شوره دارد، و آب روان است

امّا اندک، و خرما بستانست، و آن جا قبله سوی جنوب اُفتاده است
و مسجد رسول الله علیه الصّلوٰة و السّلام چندان است که
مسجد الحرام۔ و حظیرهٔ ای رسول الله علیه السلام در پهلوی منبر
مسجد است چون رو بقبله نمایند جانب چپ، چنان که چون
خطیب از منبر ذکر پیغمبر علیه السّلام کند و صلوات دهد، روی
بجانب راست کند، و اشاره بمقبره کند۔ و آن خانهٔ مخمّس است و
دیوارها از میان ستونهای مسجد بر آورده است و پنج ستون در گرفته
است، و بر سر این خانه همچو حظیره کرده به دار فزین، تا کسی بدانجا
نرود و دام در گشادی آن کشیده، تا مرغ بر آنجا نرود۔ و میان مقبره
و منبر هم حظیره ایست از سنگهای رخام کرده چون پیشگاهی، و آنرا روضه
گویند۔ و گویند آن بستان از بستانهای بهشت است، چه رسول علیه السلام
فرموده است: بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنّة،
و شیعه گویند: آن جا قبر فاطمهٔ زهرا ست علیها السّلام، و مسجد
را دری است، و از شهر بیرون سوی جنوب صحرائی است و
گورستانیست، و قبر امیر المؤمنین حمزه بن عبد المطلب رضی الله
عنه آنجا ست و آن موضع را قبور الشهداء گویند ۔ پس ما دو
روز به مدینه مقام کردیم و چون وقت تنگ بود برفتیم، راه
سوی مشرق بود، به دو منزل از مدینه کوه بود و تنگهای چون
دره که آن را جحفه می گفتند، و آن میقات مغرب و شام و

مصر است، و میقات آن موضع باشد که حج را احرام گیرند. و گویند یک سال آن جا حجّاج فرود آمده بود خلقی بسیار، ناگاه سیلی در آمده و ایشان را هلاک کرد و آن را بدین سبب "جحفه" نام کردند، و میان مکّه و مدینه صد فرسنگ باشد امّا سنگ است و ما به هشت روز رفتیم *

یکشنبه ششم ذی الحجّه به مکّه رسیدیم، به باب الصّفا فرو آمدیم. و این سال به مکّه قحطی بود، چهار من نان به یک دینار نیشاپوری بود، و مجاوران از مکّه می رفتند و از هیچ طرف حاج نه آمده بود. روز چهارشنبه به یاریِ حق سبحانه و تعالیٰ به عرفات حج بگزاردیم، و دو روز به مکّه بودیم، و خلق بسیار از گرسنگی و بیچارگی از حجاز روی بیرون نهادند هر طرف، و در این نوبت شرح حج و وصف مکّه نمی گویم تا دیگر نوبت که بدین جا رسیم، که نوبت دیگر شش ماه مجاور بودم و آن چه دیدم به شرح بگویم.

و من روی به مصر نهادم، چنان که هفتاد و پنجم روز به مصر رسیدم. و در این سال سی و پنج هزار آدمی از حجاز به مصر آمدند و سلطان همه را جامه پوشانید و اجری داد تا سال تمام، که همه گرسنه و برهنه بودند تا باز باران ها آمد و در زمین حجاز طعام فراخ شد، و باز این همه خلق را در خورد هر یک جامه پوشانید و صلاتها داد و سوی حجاز روانه کرد. و در رجب

سنۂ اربعین و اربعمایۂ دیگر بار مثال سلطان بر خلق خواندند
که به حجاز قحطی است و رفتن حجّاج مصلحت نیست، بر خویشتن
ببخشایند و آن چه خدای تعالیٰ فرموده است بکنند، اندر این
سال نیز حاج نرفتند، و وظیفه‌ای سلطان را که هر سال بحجاز
فرستادی، البتّه قصور و احتباس نبودی، و آن جامه‌ای کعبه و
از آن خدم و حاشیه و اُمرای مکّه و مدینه، و صله امیر مکّه و
مشاهرۂ او هر ماه سه هزار دینار و اسب و خلعت بود بدو
وقت فرستادی- در این سال شخصی بود که او را قاضی عبدالله
می گفتند و به شام قاضی بوده این وظیفه به دست و صحبت
او روانه کردند- و من با وی برفتم براه قلزم، و این نوبت کشتی
بجار رسید پنجم ذی القعده، و حج نزدیک تنگ در آمده اشتری
به پنج دینار بود، به تعجیل برفتم.

هشتم ذی الحجّہ به مکّه رسیدم و به یاری سبحانه، و تعالیٰ
حج بگذاردم، از مغرب قافله ای عظیم آمده بود، و آن سال
بدر مدینۂ شریفه عرب از ایشان خفارت خواست بگاه باز
گشتن از حج و میان ایشان جنگ برخاست و از مغربیان
زیادت از دو هزار آدمی کشته شد و بسی به مغرب نشدند-
و به همین حج از مردم خراسان قومی براه شام و مصر رفته
بودند و به کشتی به مدینه رسیدند ششم ذی الحجّہ، ایشان را صد

و چهار فرسنگ مانده بود تا به عرفات رسند، گفته بودند هرکه ما را
در این سه روز که مانده است به مکّه رساند چنان که حج دریابیم،
هریک از ما چهل دینار بدهیم. اعراب بیامدند و چنان کردند
که به دو روز و نیم ایشان را به عرفات رسانیدند و زر بستاندند.
و ایشان را یک یک بر شتران جمّازه بستند و از مدینه برآمدند.
و به عرفات آوردند، دو تن مرده که بر آن شتران بسته بودند
و چهار تن زنده بودند امّا نیم مُرده، نماز دیگر که ما آن جا بودیم
برسیدند، چنان شده بودند که بر پای نمی توانستند ایستادن، و
سخن نیز نمی توانستند گفتن. حکایت کردند که در راه بسی خواهش
بدین اعراب کردیم که زر که داده ایم شما را باشد، ما را بگذارید
که بی طاقت شدیم، از ما نشنیدند و همچنان براندند. فی الجمله
آن چهار تن حج کردند و براه شام باز گشتند. و من چون حج
بکردم باز بجانب مصر برفتم، که کتب داشتم آن جا، و نیّتِ باز
آمدن نداشتم. و امیر مدینه آن سال به مصر آمد که او را بر
سلطان رسمی بود، و هر سال به وی دادی از آن، که خویشاوندی
از فرزندانِ حسین بن علی صلوات الله علیهما داشت، من با او
درکشتی بودم تا بشهر قلزم، و از آن جا همچنان تا به مصر شدیم.
در سنهٔ احدی و اربعین که به مصر بودم، خبر آمد که ملک حلب
عاصی شد از سلطان، و او چاکری از آن سلطان بود، که پدران

او ملوکِ حلب بوده بودند. سلطان را خادمی بود که او را عمدة الدّولة می گفتند، و این خادم امیر مطالبان و عظیم توانگر و مال دار بود۔ و مطالبی آنان را گویند که در گوهای مصر طلب گنجها و دفینها کنند، و از همه مغرب و دیار مصر و شام مردم آیند و هر کس در آن گوها و سنگسارهای مصر رنجها برند و مالها صرف کنند۔ و بسیار آن بوده باشد که دفاین و گنجها یافته باشند و بسیار را اخراجات افتاده باشد و چیزی نیافته باشند۔ چه می گویند که در این مواضع اموال فرعون مدفون بوده است، و چون آنجا کسی چیزی یابد خمس به سلطان دهد، و باقی او را باشد. غرض آنکه سلطان این خادم را بدان ولایت فرستاد و او را عظیم بزرگ گردانید، و هر اسباب که ملوک را باشد بداد از دهلیز و سراپرده وغیره۔ و چون او به حلب شد و جنگ کرد آنجا کُشته شد۔ اموال او چندان بود که مدّت دو ماه شد که بند رنج از خزانه ای او به خزانه ای سلطان نقل می کردند، و از جمله سیصد کنیزک داشت اکثر ماهروی بعضی از آن بودند که ایشان را در حرم می داشت سلطان فرمود تا ایشان را مخیّر کردند، هر که شوهری می خواست به شوهری دادند، و آنچه شوهر نمی خواست هر چه خاصه ای او بود، هیچ تصرّف ناکرده، بدو می گذاشتند تا در خانه ای خود می باشند۔ و بر هیچ یک از ایشان حکمی و جبری نفرمود۔ و چون او بحلب کشته شد آن ملک

ترسید که سلطان لشکرها فرستد، پسری هفت ساله را با زنِ خود و بسیار تحف و هدایا بحضرت سلطان فرستاد و بر گذشته عذرها خواست۔ چون ایشان بیامدند قریب دو ماه بیرون نشستند، و ایشان را در شهر نمی گذاشتند، و تحفه‌ای ایشان قبول نمیکردند تا ائمّه و قُضاة شهر همه بشفاعت بدرگاهِ سلطان شدند، و خواهش کردند که ایشان را قبول کردند، و با تشریف و خلعت بازگردانیدند۔ از جمله چیزها، اگر کسی خواهد که به مصر باغی سازد، در هر فصل سال که باشد بتواند ساخت، چه هر درخت که خواهد مدام حاصل تواند کرد و بنشاند خواه مثمر خواه بی ثمر۔ و کسان باشند که دلّال آن باشند، و از هر چه خواهی در حال حاصل کنند۔ و آن چنان است که ایشان درختها در تغارها کشته باشند، و بر پشتِ بامها نهاده، و بسیار بامهای ایشان باغ باشد و از آن اکثر پُربار باشد از نارنج و ترنج و نار و سیب و بِه و گل و ریاحین و سپرغمها۔ و اگر کسی خواهد حمّالان بروند و آن تغارها بر چوب بندند همچنان با درخت و به هر جا که خواهند نقل کنند، و چنانکه خواهند آن تغار را در زمین جای کنند و در آن زمین بنهند، و هر وقت که خواهند تغارها بکنند و بارها بیرون آرند و درخت خود خبردار نباشد۔ و این وضع در همه آفاق جایی دیگر نه دیده‌ام و نشنیده، و انصاف آن که بس لطیف است +

حصّهٔ نظم

انتخاب از تحفة الحبیب فخری

(۱)

ا۔ شیخ سعدیؒ فرماید

مشتاقی و صبوری از حد گذشت یارا — گرتو شکیب داری طاقت نماند مارا
گاهی بچشم احسان در حالِ ما نگاهی — کز خوانِ بادشاهان نعمت رسد گدارا
من بی تو زندگانی خود را نمی پسندم — کآسایشی نباشد بی دوستان بقارا
سلطان که خشم گیرد بر بندگانِ حضرت — حکمش رسد ولیکن حدّی بود جفارا
باز آی و جانِ شیرین بستان ز من بخدمت — دیگر چه برگ باشد درویشِ بی نوا را
یارب تو آشنا را مہلت ده و سلامت — چندان، که باز بیند دیدارِ آشنا را
سعدیؒ قلم به سختی رفتست و نیک بختی — پس هرچه پیشت آید، گردن بنه قضارا

ب۔ خواجه حافظ شیرازی فرماید

دل می رود ز دستم صاحبدلان خدا را — دردا که رازِ پنهان خواهد شد آشکارا
کشتی شکستگانیم ای بادِ شرطه برخیز — باشد که باز بینیم آن یارِ آشنا را
دو روزه مهرِ گردون افسانه ایست و افسون — نیکی بجای یاران فرصت شمار یارا
در حلقهٔ گُل و مُل خوش خواند دوش بلبل — "هَاتِ الصَّبُوحَ هُبُّوا یَا اَیُّهَا السُّکَارَا"

آئینهٔ سکندر جام جم است بنگر	تا بر تو عرضه دارد احوال ملک دارا
ای صاحب کرامت شکرانهٔ سلامت	روزی تفقدی کن درویش بی نوارا
آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است	با دوستان مروت با دشمنان مدارا
هنگام تنگدستی در باده کوش و مستی	کین کیمیای هستی قارون کند گدارا
گر مطرب حریفان این پارسی سراید	در رقص و حالت آرد پیران پارسارا
در کوی نیک نامی ما را گذر ندادند	گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا
حافظ بخود نپوشید این خرقهٔ می آلود	ای شیخ پاک دامن معذور دار مارا

ج - مولنا عبدالرحمن جامی فرماید

بر طرف رخ نهادی آن جعد مشکسا را	چون شب سیاه کردی روز سفید مارا
بوییت بهر مشامی حیف است اگر تو نم	سوی تو رُه به بندم آمد شد صبارا
بعد از هجوم هجران بی دولت وصالت	باز آمدن چه امکان صبر گریز پارا
دارد رقیب بامن وندان زنی بکوبت	باهم نزاع دیرین باشد سگ و گدارا
باشد بنای دولت بر همت گدایان	اینست برکتابه ایوان بادشارا
با صحبت که گیرم انس این چنین که عشقت	بیگانه ساخت بامن یاران آشنارا
جامی ز سفله طبعان کم شد صفای حالت	کردی سفال تیره جام جهان نمارا

د - سید میر حاج انسی گوید

درگردش آر ساقی جام جهان نمارا	تا بر تو راز پنهان گرداند آشکارا

از بهر نیم جرعه تا کی کنند مستان	با می فروش یاری با محتسب مدارا
در آرزوی آنم کاید به کام جانم	آن لب که زآب حیوان دل سرد ساخت یارا
بر قامت چو سروش آن کاکل پریشان	گرچه بلای جانست خوش دارم آن بلارا
در بحر غصه غرقم ای بخت یاریی کن	دستی بدست ما ده آن یار آشنارا
آب وهوای جنت میخانه دارد ای دل	دریاب اگر توانی این آب این هوارا
گر جام لاله گونت بر کف بود چو آتش	از دل برون توان کرد اندیشهٔ خطارا

(۲)

ا- حضرت خواجه کمال فرماید

این چه منزل چه بهشت این چه مقامست اینجا	عیش باقی، لب ساقی، می وجامست اینجا
دولتی کز همه برگشت ازین در نگذشت	شادیی کز همه بگریخت غلامست اینجا
چون در آئی به طرب خانهٔ ما باغم دل	همه گویند مخور غم که حرامست اینجا
ما ببام فلکیم از بر ما چون گذری	گذر آهسته که جام ولب جامست اینجا
نیست در مجلس ما پیشگه وصف نعال	شاه ودرویش ندانند گدامست اینجا
صفت عود همه سوختن وگرم روی است	بجز از زاهد افسرده که خامست اینجا
چند پرسی چه مقام است کمال اینکه تراست	این مقامی که نه منزل نه مقامست اینجا

ب- مولنا عبد الرحمن جامی گوید

طرف باغ ولب جوی ولب جامست اینجا	ساقیا خیز که پرهیز حرامست اینجا

شیخ در صومعه گر مست شد از ذوق سماع
من و میخانه که آن حال مدامست اینجا

لب نهادی بلب جام و ندانم من مست
که لب لعل تو یا باده کدامست اینجا

بستهٔ حلقهٔ زلف تو نه تنها دل ماست
هر کجا مرغ دلی، بستهٔ دامست اینجا

میکشی تیغ که سازی دل مارا بدو نیم
تیغ بگذار که یک غمزه تمامست اینجا

پیش ارباب خرد شرح مکن مشکل عشق
نکتهٔ خاص مگو مجلس عامست اینجا

جامی از شوق تو شد مست نه می دیده نه جام
بزم عشقست چه جای می و جامست اینجا

ج - لجامعه

زلف بگشای که جان بستهٔ دامست اینجا
مرغ دل از همه رم کرده و رام است اینجا

باده صافی و چمن پر گل و دلبر ساقی
توبه و تقوی و پرهیز حرام است اینجا

پیش این بزم که گوید خبر جنت و خلد؟
نزد من بهتر از آن هر دو مقام است اینجا

محتسب را نرسد دم زدن از مجلس ما
محتسب خود که و هشیار کدام است اینجا؟

لاف بخشش بر مستان خرابات مزن
ملک جمشید به یک جرعهٔ جام است اینجا

هر که در بزم صبوحی زدگان می افتد
صبح خیزد همه گر خسرو و شام است اینجا

ماه من چهره برافروز که خورشید فلک
بتماشای رخت بر لب بام است اینجا

پی عشاق تو گو پیک اجل رنجه مشو
همه را کار بیک غمزه تمام است اینجا

کیست فخری که زند لاف غلامی به درت
نام شاه حبش و مصر غلام است اینجا

ب - شیخ عراقی گوید

به یک گره که دو چشمت بر ابروان انداخت
هزار فتنه و آشوب در جهان انداخت

فریب زلف تو با عاشقان چه شعبده باخت
که هر که جان و دلی داشت در میان انداخت

دلم چو در سر زلف تو شد توان گفت که
ز آفتاب رخت سایهٔ بر آن انداخت

رخ تو در خور چشم من است لیک چه سود
که پرده از رخ تو بر نمی توان انداخت

قبول تو دگران را به صدر وصل نشاند
دل شکستهٔ ما را بر آستان انداخت

عراقی از دل و جان آن زمان امید برید
که چشم جادوی تو چین به ابروان انداخت

ج - خواجه حافظ فرماید

خمی که ابروی شوخ تو در کمان انداخت
به قصد جان من زار ناتوان انداخت

نبود نقش دو عالم که رنگ الفت بود
زمانه طرح محبت نه این زمان انداخت

شراب خورده و خوی کرده چون شدی به چمن
فروغ روی تو آتش در ارغوان انداخت

به یک کرشمه که نرگس به خود فروشی کرد
فریب چشم تو صد فتنه در جهان انداخت

به بزمگاه چمن دوش مست بگذشتم
چو از دهان توام غنچه در گمان انداخت

بنفشه طرهٔ مفتول خود گره می زد
صبا حکایت زلف تو در میان انداخت

ز شرم آنکه به روی تو نسبتش کردند
سمن به دست صبا خاک در دهان انداخت

کنون به آب می لعل خرقه می شویم
نصیبهٔ ازل از خود نمی توان انداخت

	مگر گشایش حافظ درین خرابی بود که بخشش ازلش در می مغان انداخت	

(۵)

ا- حضرت شیخ سعدی علیه الرحمة فرماید

دلی که عاشق و صابر بود مگر سنگ است		زعشق تا به صبوری هزار فرسنگ است
برادران طریقت نصیحتم مکنید		که صبر در ره عشق آبگینه و سنگ است
چه زبیت شنوم یا چه مصلحت باشد		مرا که چشم به ساقی و گوش بر چنگ است
دگر بخفیه نمی بایدم شراب و سماع		که نام نیک در آئین عاشقی ننگ است
بیادگار کسی دامن نسیم و صبا		گرفته ایم، چه حاصل؟ که باد در چنگ است
به خشم رفتهٔ مارا که می برد پیغام		"بیا که ما سپر انداختیم اگر جنگ است"

	ملامت از دل سعدی فرو نشوید عشق سیاهی از حبشی کی رود که خود رنگ است	

ب- امیر خسرو علیه الرحمة فرماید

شگوفه غالیه بو گشت و باد گلرنگ است		هوای بادهٔ صافی و نغمهٔ چنگ است
بیا و بند قبا باز کن، دمی بنشین		که عشق همچو قبائی تو بر دلم تنگ است
اگرچه غمزه بد آموز بیت کند مشنو		چرا که در سر او صد هزار نیرنگ است
شمائل تو مرا زار کشت و این فتنه		از آن کلاه کج و تکمهٔ شکر رنگ است

زدست خسرو مسکین پیالهٔ بستان
که او غلام شهنشاه هفت اورنگ است

ج - شیخ عراقی فرماید

رخ نگار مرا هر زمان دگر رنگ است	که زیر هر خم زلفش هزار نیرنگ است
اگر شد دلم از دست گو بشو که مرا	بجای دل سر زلف نگار در چنگ است
از آن زمان که خراباتئ دلم بربود	مرا هوای خرابات و باده و چنگ است
بدین صفت که منم از شراب عشق خراب	مراچه جای کرامات و نام یا ننگ است
مریز خون عراقی و آشتی بپذیر	که آشتی بهمه حال بهتر از جنگ است

د - مولنا عبدالرحمن جامی فرماید

مقام کوی ترا فسحت حرم تنگ است	زکعبه تا سر کویت هزار فرسنگ است
دلم ضعیف و ز هر سو ملامتی چه کنم	که شیشه نازک و هرجا که میروم سنگ است
مکن بحلقهٔ ما ذکر رشتهٔ تسبیح	که گوش مجلسیان بر بریشم چنگ است
بعرصهٔ چمن و صحن باغ نگشاید	دلی که غنچه وش از ہجر گلرخی تنگ است
زصلح و جنگ کسانم غمم تو فارغ ساخت	نه با کسم سر صلح و نه طاقت جنگ است
بقدر آینهٔ حسن تو می نماید روی	دریغ کآینهٔ ما نهفته در زنگ است

مبین دو رنگی رخسار و اشک جامی را
که در طریق محبت همیشه یک رنگ است

موئیش
برو
گئے

(۶)

ا- خواجه حسن فرماید

آنکه او بر درِ معشوق سری بنهاد است — عشق هر جا که دری هست براو بگشاد است
دوست داغی که نهاد است نمیدانی چیست؟ — مُهرِ مِهر است که بر سینهٔ ما بنهاد است
غمزه چون ناوک و ابرو چو کمان، زُلف کمند — همه اسبابِ بلا بر دلِ ما آماد است
دوش قمری به قفس قصهٔ در دم میخواند — حالِ اُفتاده نداند، مگر آن کافتاد است
دل بدرد و غمِ او هیچ شبی شاد نخفت — این سیه روز ندانم بچه طالع زاد است
بازدستی به قمارِ غمِ او خواهم بُرد — خرقه در باخته ام داو پسین سجاد است
دلِ مسکین حسن آتش و دیگ است بلی — این همه جوشِ درون بود که بیرون داد است

ب- شیخ واحدی گوید

نکتهٔ از نفسِ پیرِ مغانم یاد است — باده نوشید که بُنیادِ جهان بر باد است
وقت آنست که خود صومعه را بگذاریم — جای رندان چو ما دیرِ خراب آباد است
پیرِ ما را از فراست نظری کامل بُود — که مرا توبه از دیدنِ خوبان داد است
همه دم میلِ جمالِ می و مطرب دارم — چکنم خاصیتِ عشق چنین اُفتاد است
گرچه جمعی به غلط منکرِ اهلِ نظراند — عاشقِ صادق ازین تفرقه ها آزاد است
معنئ صورتِ شیرین نه همه کس بینند — عشقِ شیرین بحقیقت هنرِ فرهاد است
هر که پنهان نظری بر رُخِ خوبان دارد — میتوان گفت که در علمِ نظر استاد است

واحدی تائب و زاهد شده بودی دو سه روز
باز عاشق شده جامی مبارکباد است

ا - مولنا کاتبی گوید

خرم آنانکه بسر زلف نگاری گیرند
بیقراری بکف آرند و قراری گیرند

چیست عیش دو جهان آنکه پس از هجر دراز
یکدگر را ز سر شوق کناری گیرند

نبود باک ز صد زخم که خوبان بزنند
به یکی مرهم اگر خاطر یاری گیرند

دارم امید که در محشرم از شیردلان
گر نگیرند سگ کوی تو باری گیرند

سر راه تو گرفتیم به دریوزهٔ وصل
چون گدایان که سر راه گذاری گیرند

کاتبی ناله چو بلبل مکن از گل رویان
زانکه ایشان چو تو هر لحظه هزاری گیرند

ب - مولنا عبدالرحمن جامی فرماید

ای خوش آنانکه خم طرهٔ یاری گیرند
یکدم از پیچ و خم دهر کناری گیرند

تا ازین بحر رسد زورق امید به لب
لب جوی و لب جام و لب یاری گیرند

تا درین بی سر و بن صید گه آزاد زیند
جا سر کوهی و منزل بن غاری گیرند

هیبت بادیهٔ فقر و فنا بین که درو
هر صف مورچه را خیل سواری گیرند

بیقرارند چو آتش ز غمت سوختگان
تا نمیرند چه امکان که قراری گیرند

تیز بینان نظر از کحل بصر دوخته اند
در رهت کحل بصیرت ز غباری گیرند

جامی ورو می بخاک در تو چون ز حرم
هر یک از کعبه روان راه دیاری گیرند

ج ـ مولنا طوسی گوید

ای خوش آنانکه لب لعل نگاری گیرند
کام دل از لب جان پروریاری گیرند

بر دل خسته گرفتند دو زلفش سر راه
همچو دزدان که سر راه گذاری گیرند

جم وقتند مگر لاله و نرگس که مدام
جام بر یاد لب لعل نگاری گیرند

پیش رویت چو مه و مهر نیایند بکار
به از آن نیست که هر یک پی کاری گیرند

پیش آئینهٔ جام و رخ آن مه طوسی
نکشی آه مبادا که غباری گیرند

۸

۱ ـ حضرت خواجه حافظ شیرازی گوید

خیز و در کاسهٔ زر آب طربناک انداز
پیشتر زانکه شود کاسهٔ سر خاک انداز

چشم آلوده نظر از رخ جانان دور است
بر رخ او نظر از آینهٔ پاک انداز

ملک این مزرعه دانی که ثباتی نکند
آتشی از جگر جام در املاک انداز

یارب آن زاهد خودبین که بجز عیب ندید
دود آهیش در آئینهٔ ادراک انداز

عاقبت منزل ما وادی خاموشان است
حالیا غلغله در گنبد افلاک انداز

بسر سبز تو ای سرو که چون خاک شوم
ناز از سر بنه و سایه بر آن خاک انداز

غسل در اشک زدم کاهل طریقت گویند
پاک شو اول و پس دیده بر آن پاک انداز

دل ما را که ز مار سر زلف تو بخست
از لب خود به شفاخانهٔ تریاک انداز

چون گل از نکهت او جامه قبا کن حافظ
وین قبا در ره آن دلبر چالاک انداز

ب ـ مولانا عبدالرحمن جامی گوید

یا به شمشیر جفا در جگرم چاک انداز — یا برحمت نظری بر من غمناک انداز
تشنه لب خاک شدم در هوس لعل لبت — ساغر می بکش و جرعه برین خاک انداز
سگ طوق تو ام آندم که کنی عزم شکار — طوق در گردنم از حلقهٔ فتراک انداز
رخ فروزان بتماشای گل و لاله خرام — آتش از رشک بهشت خس و خاشاک انداز
بگشا لب بحدیثی و خردمندان را — سرّی از غیب در آئینهٔ ادراک انداز
چند صاحب نظران دُرد غم و درد کشند — ای قضا سنگ به خمخانهٔ افلاک انداز

جامی از عشق چه نالی؟ که ترا گفت که دل
در کفِ سنگ دل سرکش بیباک انداز؟

ج ـ للجامعه

ناوکی بر دل ازآن غمزهٔ بیباک انداز — بشکر خنده نمک در جگر چاک انداز
رخ برافروخته از می سوی گلزار خرام — شعله چون برق بمشتِ خس و خاشاک انداز
گل شبنم زده را صبح خجل ساز بباغ — نفسی پرده ازآن روی عرقناک انداز
در دل و دیده اگر فکر خیالت نبود — بدل آتش زن و در دیدهٔ من خاک انداز

گر بود کعبهٔ اقبال اُمیدت فخری
دستِ اخلاص درآن حلقهٔ فتراک انداز

(۹)

ا ـ حضرت خواجه حافظ فرماید

شاه شمشاد قدان خسرو شیرین دهنان   که بمژگان شکند قلب همه صف‌شکنان

ق

مست بگذشت و نظر بر من درویش انداخت   گفت ای چشم و چراغ همه شیرین سخنان

تا کی از سیم و زرت کیسه تهی خواهد بود   بندهٔ من شو و برخور ز همه سیمتنان

کمتر از ذرّه نهٔ پست مشو مهر بورز   تا به خلوتگهِ خورشید رسی چرخ زنان

بر جهان تکیه مکن ور قدحی می داری   شادیٔ زهره جبینان خور و نازک بدنان

دامن دوست بدست آر و ز دشمن بگسل   مردِ یزدان شو و ایمن گذر از اهرمنان

پیر پیمانه کش ما (که روانش خوش باد!)   گفت: "پرهیز کن از صحبتِ پیمان شکنان"

با صبا در چمن از لاله سحر می گفتم: "که شهیدان کهِ اند این همه خونین کفنان؟"

گفت: "حافظ! من و تو محرمِ این راز نهٔ ایم   از می لعل حکایت کن و سیمین ذقنان"

ب ـ مولنا عبدالرّحمن جامی فرماید

ای همه سیم بران سنگ تو بر سینه زنان   تلخ کام از لبِ میگونِ تو شیرین دهنان

به گل و بلبل اگر باد نه بوی تو رساند   آن چرا جامه دران آمد و این نعره زنان

دلق سالوس مرا پردهٔ ناموس درید   جلوهٔ تنگ قبایان و تنگ پیرهنان

چون ترنجم که درین بزم طرب نپسندند   یک ترنجم بکف از غبغب سیمین ذقنان

بر درِ پیر خرابات که خمخانهٔ او   باده محروس ز سنگِ ستم خم شکنان

می زدم حلقه بر آید ز درون آوازی	ق	کای ترا خاتم دولت گرو اهرمنان
ساکن خانقه و مدرسه می باش که نیست		کنج میخانهٔ ما جز وطن بی وطنان
لاف قوّت مزن ای پشهٔ عاجز که شکست		زیر این بار گران پشت همه پیل تنان
جامی این نظم حسن گر به فرستد سوی فارس		حافظش نام نهد خسرو شیرین سخنان

(۱۰)

ا - امیر خسرو فرماید

مه من خراب گشتم ز رخت به یک نظاره	نظری ز تو عفا الله چه می است مست کاره
تو به ره روان و خلقی به هلاک مانده هر سو	چه غم آب تند رو را ز خرابی کناره
سر آن دو چشم گردم که چو هندوان ره زن	همه را به نوک مژگان زده بر جگر کتاره
چو روی به ره بجولان دل عاشقان تو دوان	که ز سُم باد پایت جهد آتشش شراره
هوسم بود که دیده ز همه ستانم و پس	به هزار دیده تنها به رخت کنم نظاره
چه زنی دم از عیاری بر آن بلند کیوان	که به کنگر جلالش نرسد کمند چاره
چو اسیر نیست خسرو رگ جان بکش ز بندش	که برشته دوخت نتوان جگری که گشت پاره

ب - مولانا ناظری گوید

زغم تو غیر مردن من خسته را چه چاره	که دلی کباب دارم جگری هزار پاره
تو به حسن پادشاهی همه دلبران سپاهت	تو بدلبری چو ماهی دگران همه ستاره
بسر ره تو آیم که کنی نظر به حالم	نظری بحال من کن چه کنی زره کناره

به رهی که بگذری تو اگرم ز دست آید — بخدا اگر گذارم که کند کست نظاره
به غم تو چاره جویم غم خویش با که گویم — که بگشت ناظری را غم تو هزار پاره

ج - الجامعه

مه من چرا نباشد جگرم هزار پاره — که اسیر صد بلایم ز رخت به یک نظاره
چه تواضع است یا رب که چو ناگهت ببینم — نتوانم از خجالت که نظر کنم دوباره
همه دلبران پیاده ز پی ات به ره فتاده — تو به رخش ناز هر سو که شتافتی سواره
ز خدا بود مرادم همه عمر این که یک ره — چو مرا ز دور بینی نه کنی ز ره کناره
ز بتان چو تو ندیدم به لطافت ای ستمگر — بدنی چو آب حیوان دلی چو سنگ خاره
چو شمارهٔ سگان سر کوی خود کند یار — چه شود که نام فخری برد اندر آن شماره

د - مولنا ابو طاهر کاتب گوید

به هزار دیده خواهم که رخت کنم نظاره — که به هر نظاره رویت نگرم هزار باره
نه به تیشه بیستون را ز ده کوه کن ز هر سو — که ز درد کوه کن شد دل خاره پاره پاره
نه چنان به یک نظاره ز رخت ز ره فتادم — که بود مجال آنم که نظر کنم دوباره
تو به ره روان چو شاهان چو من هزار مسکین — به فغان چو دادخواهان به رهت ز هر کناره
چو ز چارهٔ طبیبان دل من خراب تر شد — پس ازین بجز صبوری دل خسته را چه چاره
نه نشان ز سم اسبت بزمین بود که عاشق — بنهاده دیده بر ره که تو بگذری سواره
شده طاهری ز خوبیت به فغان ز هجر رویت — نه ز جور دور گردون و ز گردش ستاره

ه- مولنا نرگسی گوید

زخدا هلاک خود را طلبم هزار باره
که هزار درد دارم ز دل هزار پاره

من و درد کارهٔ تو غم کار خود ندارم
نه دوا نه چاره جویم، چه دوا کنم چه چاره؟

چه کنم ز نرگس و گل چو تو در نظر نباشی
بکدام چشم بینم؟ به چه رو کنم نظاره؟

دُر اشکِ من در آن کو که فتاده است هر سو
به نظر چنان نماید که بر آسمان ستاره

شده نرگسی غلامت چو کند به ره سلامت
اگرش جواب ندهی نه کنی ز ره کناره

و- مولنا اسیری گوید

ز بلای هجر دل را بجز این نماند چاره
که ز راه دیده آید به رهِ تو پاره پاره

نتوان به گریه شستن رقم جفا ز آن دل
نرود به آب نقشی که نوشته شد به خاره

ز تن ضعیف آهم به حرارتی بر آید
که ز هر شراره داغی برسد به هر ستاره

تو ز من ملول و من هم، بکُش و خلاصیم ده
که برین جهان نیاید من مسکین و باره

دم تیغ تو به هر کس که رسید بی خبر شد
بکُنش به آب نسبت که می است مست کاره

به رهِ تو مرد اسیری تو ولی حیات بخشی
ز رهت چو گرد خیزد گذری اگر سواره

انتخاب از قصاید سعدی

فی الموعظه

ای که پنجاه رفت و در خوابی — مگر این پنج روز دریابی

تا کی این باد کبر و آتش خشم؟ — شرمت بادت که قطرهٔ آبی

کهل گشتی و همچنان طفلی — شیخ گشتی و همچنان شابی

تو به بازی نشسته، وز چپ و راست — می رود تیر چرخ پرتابی

تا درین گلّه گوسفندی هست — نه نشیند اجل ز قصّابی

تو چراغی، نهاده بر رهِ باد، — خانهٔ در ممرّ سیلابی

ق

گر به رفعت، سپهر و کیوانی — ور بحسن، آفتاب و مهتابی

ور به مشرق روی به سیّاحی، — ور به مغرب روی به جلّابی،

ور به تمکینِ ابنِ[1] عفّانی — ور به نیرویِ ابنِ[2] خطّابی

ور به نعمت، شریکِ قارونی — ور بقوّت، عدیلِ سهرابی

ور میسّر شود، که سنگِ سیاه — زر خالص کنی، به قلّابی

ور به مردی ز باد برگذری — ور به شوخی، چو برق بشتابی

ملک الموت را، بحیله و فن، — نتوانی که پنجه برتابی

منتهای کمال، نقصان است — گل بریزد به وقتِ سیرابی

تو، که مبدا و مرجعت این است، — نه سزاوارِ کبر و اعجابی

[1] حضرت عثمان رض، [2] حضرت عمر رض ◆

خشت (۲) بالینِ گور یاد آور،	ای که سر (۱) بر کنار احبابی!
خفتنت زیرِ خاک خواهد بود (۲)	ای که در (۱) خواب گاهِ سنجابی!
بانگِ طبلت نمی کند بیدار،	تو مگر مُردهٔ، نه در خوابی
بس خلائق فریفته است این سیم	که تو لرزان برو، چو سیمابی
بس جهان دیده این درخت کهن	که تو پیچان برو چو لبلابی
بس بگردید و بس بخواهد گشت	بر سرِ ما، سپهر دولابی
تو ممیزّ، به عقل و ادراکی	تو مُکرّم، به جاه و انسابی
ابلهی، صد دبیقی و دیبا،	گر بپوشد، خری ست عتّابی
نقش دیوار خانهٔ تو هنوز	گر همین صورتی و القابی
ای مریدِ هوای نفس حریص!	تشنه بر زهر، همچو جلّابی
قیمت خویشتن خسیس مکن	که تو در اصل گوهرِ نابی
دست و پای بزن بچاره و جهد	که عجب در میان غرقابی
عهد های شکسته را چه طریق؟	چاره هم توبه است و شتّابی
به درِ بی نیاز نتوان رفت	جز به مستغفری و اوّابی
تو درِ خلق می زنی همه وقت	لاجرم بی نصیب ازین بابی
کی دُعای تو مستجاب شود؟	که به یک روی در دو محرابی
یا رب از جنس ما چه خیر آید؟	تو کرم کن که ربّ اربابی
غیب دان و لطیف و بیچونی	ستر پوش و کریم و توّابی
سعدیا راستی ز خلق مجوی	چون تو در نفس خود نمی یابی

جای گریه است، بر مصیبت پیر ‌ ‌ ‌ تو چو کودک هنوز لعّابی

با همه عیب خویشتن، شب و روز ‌ ‌ ‌ در تکاپوی عیب اصحابی

گر همه علم عالمت باشد ‌ ‌ ‌ بی عمل، مدّعی کذّابی

پیش مردان آفتاب صفت ‌ ‌ ‌ به اضافت، چو کرم شب‌تابی

پیر گشتی و ره ندانستی ‌ ‌ ‌ تو نه پیری که طفل کُتّابی

فی التنبیه

چو مرد رهرو، اندر راه حق، ثابت قدم گردد ‌ ‌ ‌ وجود غیر حق، در چشم توحیدش، عدم گردد

کمر بندد، قلم کردار، سر و ریش و لب بر هم ‌ ‌ ‌ بهر حرفی که پیش آید، تبارک چون قلم گردد

ز چوگان ملامت نادر آنکس روی برتابد ‌ ‌ ‌ که در راه خدا، چون گوی سر تا سر قدم گردد

سُم یکران سلطان را درین میدان کسی بندد ‌ ‌ ‌ که پیشانی کند چون میخ، و همچون نعل خم گردد

تو خواهی نیک و خواهی بد، کن امروز ای پسر اینجا ‌ ‌ ‌ عمل گر بد بود، ور نیک، بر عامل رقم گردد

مبین، کز ظلم جباری کمر آزاری ستم بندد ‌ ‌ ‌ ستم گر نیز روزی کشتهٔ تیغ ستم گردد

درین گرداب بی پایان، منه بار شکم بر دل ‌ ‌ ‌ که کشتی، روز طوفان، غرق از بار شکم گردد

بسعی ای آهنین دل، مدّتی تا بری بکش آهن ‌ ‌ ‌ بسعی آیینهٔ گیتی نما و جام جم گردد

تکاپوی حرم تا کی؟ خیال طبع بیرون کن ‌ ‌ ‌ که محرم گر شوی، ذاتت حقایق را حرم گردد

کبائر سهمگین سنگی است در ره مانده مردم را ‌ ‌ ‌ چنین سنگی، مگر دائر بسیلاب ندم گردد

غمی خور، کو بشادیهای بی اندازه انجامد ‌ ‌ ‌ چو بیعقلان مرو دنبال آن شادی که غم گردد

خداوندان ملک فتح و کسر دشمنان را اگری ‌ ‌ ‌ برایشان چین بگشت جوال برابر هم گردد

دلت را دیده‌ها بر دوز، تا عین الیقین گردد ‌ ‌ ‌ تنت را از خم ها برگیر، تا کنز الحکم گردد

درونت حرص نگذارد که زیر بردستان باشی، شکم خالی چو نرگس باش تا دستت درم گردد
خداوندا گر افزائی بدین حکمت که بخشیدی، مرا افزون شود بی آنکه از ملک تو کم گردد
فتاد اندر تنِ خاکی زابرِ بخشش قطره، مدد فرما بفضلِ خویشتن تا این قطره یم گردد
امیدِ رحمتست آری خصوص آنرا که در خاطر، ثنای سیدِ مرسل، نبیِ محترم گردد
محمد کز ثنای فضلِ او بر خاکِ هر خاطر، که بارد قطرهٔ در حال، دریای نعم گردد
چو دولت بایدم تحمیدِ ذاتِ مصطفی گویم، که در دریوزه صوفی گردِ اصحابِ کرم گردد
زبان درکش ای سعدی! ز شرحِ علم و گفتن، تو در علمش چه دانی، باش تا فردا علم گردد
اگر تو حکمت آموزی، به دیوانِ محمد رو، که بوجهل آن بود کاو خود بدانش بوالحکم گردد
ز فقرِ جاودانی رست صاحبِ مالِ دنیا شد، هر آن درویشِ صاحبدل کزین در محتشم گردد

در موعظه و مدح مجد الدین رومی

جهان بر آب نهاد است و زندگی بر باد، غلامِ همت آنم، که دل برو ننهاد
جهان نماند، و خرم روانِ آدمیٔ، که باز ماند ازو در جهان، به نیکی، یاد
سرای دولتِ باقی، نعیمِ آخرت است، زمینِ سخت نگه کن، چو می نهی بنیاد
کدام غنچي درین بوستان؟ که بادِ اجل، همی برآورد، از بیخ، قامتِ شمشاد
حیات عاریتی خانه ایست در رهِ سیل، چراغِ عمر نهاده است بر دریچهٔ باد
بسی برآید، و بی ما فرو شود، خورشید، بهار، گاه خزان باشد، و گهی مرداد
بر آنچه می گذرد، دل منه، که دجله بسی، پس از خلیفه بخواهد گذشت در بغداد
گرت ز دست برآید، چو نخل باش کریم، ورت ز دست نخیزد، چو سرو باش آزاد
بسی بدیدهٔ حسرت، ز پس نگاه کند، کسی، که برگِ قیامت ز پیش نفرستاد

وجودِ خلق بدل می کنند، ورنه زمین ‌ ق ‌ همان ولایت کیخسرو است و ملکِ قباد
چو طفل بر همه بازید و بر همه خندید ‌ ‌ عجب تر آنکه نگشتند دیگر از استاد
عروس ملک، نکو روی دختریست ولی ‌ ‌ وفا نمی کند این سست مهر، بادا ماد
نه خود سریر سلیمان بباد رفتی، و بس ‌ ‌ که هر کجا که سریریست، می رود برباد
همین نصیحتِ من گوش دار و نیکی کن ‌ ‌ که دانم، از پس مرگم، کنی به نیکی یاد
نداشت چشم بصیرت، که گرد کرد، و نخورد ‌ ‌ ببرد گوی سعادت، که صرف کرد، و بداد
چنانچه صاحب فرخنده رای مجد الدین ‌ ‌ که بیخ اجر نشاند و بنای خیر نهاد
نگویمت بتکلف "فلان دولت دین" ‌ ‌ "سپهر مجد و معالی، جهانِ دانش و داد"
تو آن برادر صاحبدلی، که مادرِ دهر ‌ ‌ به سالها، چو تو، فرزندِ نیک بخت، نزاد
بروزگارِ تو ایام، دست فتنه ببست ‌ ‌ به یُمنِ تو، درِ اقبال بر جهان بگشاد
دلیل آن، که ترا از خدای نیک آید ‌ ‌ بس است خلق جهان را، که از تو نیک افتاد
یکی دعا کنمت، بی رعونت، از سرِ صدق ‌ ‌ "خدات در نفسِ آخرین، بیامرزاد"

در مدح انکیانو

بس بگردید و بگردد روزگار ‌ ‌ دل به دنیا در نه بندد هوشیار
ای که دستت می رسد، کاری بکن ‌ ‌ پیش از آن، کز تو نیاید هیچ کار
این، که در شهنامها آورده اند ‌ ق ‌ رستم و روئین تنِ اسفندیار
تا بدانند این خداوندانِ ملک ‌ ‌ کز بسی خلق است دنیا یادگار
این همه رفتند، و ما، ای شوخ چشم! ‌ ‌ هیچ نگرفتیم از ایشان اعتبار
ای که وقتی نطفه بودی در شکم ‌ ‌ وقتِ دیگر، طفل بودی شیرخوار

مُدّتی بالا گرفتی تا بلوغ — سرو بالای شدی سیمین عذار
همچنین، تا مرد نام آور شدی — فارس میدان و مرد کارزار
آنچه دیدی، بر قرار خود نماند — وآنچه بینی، هم نماند بر قرار
دیر و زود، این شکل و شخص نازنین — باد خواهد بُرد خاکش را غُبار
گل بخواهد چید بی شک باغبان — ور نچینند، خود فرو ریزد ز بار
این همه هیچ است، چون می بگذرد — تخت و بخت و امر و نهی و گیرودار
نام نیکو گر بماند ز آدمی — به، که زو ماند سرای زرنگار
سال دیگر را که می داند حساب — یا کجا رفت آن، که با ما بود پار
خفتگان بی چاره در خاک لحد — خفته اندر کلهٔ سر، سوسمار
صورت زیبای ظاهر، هیچ نیست — ای برادر! سیرت زیبا بیار
هیچ می دانی خرد به یا روان — من بگویم، گر بداری استوار
آدمی را عقل باید در بدن — ورنه جان در کالبد دارد حمار
پیش از آن کز دست تو بیرون برد — ق — گردش گیتی، زمام اختیار
گنج خواهی، در طلب رنجی ببر — خرمنی می بایدت، تخمی بکار
چون خداوندت بزرگی داد و حکم — خورده از خوردان مسکین درگذار
چون زبردستیت بخشد آسمان — زیردستان را همیشه نیک دار
عذرخواهان را خطاکاری ببخش — زینهاری را بجان ده زینهار
شکر نعمت را نکو می کن، که حق — دوست دارد، بندگان حق گذار
لطف او لطفی است بیرون از حساب — فضل او فضلی ست افزون از شمار

گر به هر موئی زبانی باشدت   شکر یک نعمت نگوئی از هزار

نام نیک رفتگان ضائع مکن   تا بماند نام نیکت برقرار

ملک بانان را نشاید، روز و شب   گاهی اندر خُم، و گاهی در خمار

کام مسکینان و درویشان برآر   تا همه کامت برآرد کردگار

با غریبان لطفِ بی اندازه کُن   تا برندت نامِ نیکی در دیار

زور بازو داری و شمشیر تیز   گر جهان لشکر بگیرد، غم مدار

از درون خستگان پرهیز کُن   وز دُعای مردمِ پرهیزگار

منجنیق آهِ مظلومان، به صبح   سخت گیرد ظالمان را در حصار

با بدان بد باش و با نیکان نکو   جای گُل گُل باش و جای خار، خار

دیو با مردم نیامیزد، مترس   بل بترس از مردمانِ دیوسار

هرکه دَد، یا مردمِ بد پرورد   دیر و زود از جان برآرندش دمار

با بدان چندان که نیکوئی کنی   قتل مار افسا، نباشد جز به مار

ایکه داری چشم و عقل و گوش و هوش   پندِ من در گوش کُن چون گوشوار

نشکند عهدِ من، اِلّا سنگ دل   نشنود قول من، اِلّا بخت یار

پادشاهان را ثنا گویند و مدح   من دُعائی می کنم درویش وار

سعدیا چندان که می دانی، بگوی   حق نشاید گفتن، اِلّا آشکار

هرکرا خوف و طمع در کار نیست   از خطا باکش نباشد، وز تتار

دولتِ نوئینِ اعظم شهریار   باد، تا باشد بقای روزگار!

خسروِ عادل، امیرِ نامور   انکیانو، سرورِ عالی تبار

منعما! سعدی سپاس نعمتت	کی تواند گفت، و چون سعدی هزار
یا رب! اندر کار ما کن یک نظر،	پیش از آن، کز ما نیاید هیچ کار

فی صفة الرّبیع

علم دولت نوروز به صحرا برخاست
لشکر زحمت سرما، ز سر ما برخاست

تا ربایند کلهٔ قاقم برف، از سر کوه
یزک تابش خورشید، به یغما برخاست

بر عروسان چمن بست صبا، هر گهری
که به غوّاصی ابر از دل دریا برخاست

این چه بوئی است که از جانب خلّخ بدمید؟
وین چه باد است که از جانب صحرا برخاست!

چه هوائیست که خلدش به تحیّر بنشست
چه زمینی است که چرخش به تولّا برخاست

تا رم اخضر، از عکس چمن، حمرا گشت
بسکه از طرف چمن، لؤلؤ لالا برخاست

موسم نغمهٔ چنگ است که در بزم صبوح
بلبلان را، ز چمن، ناله و غوغا برخاست

بوی آلودگی از خرقهٔ صوفی آید
شور دیوانگی از سینهٔ دانا برخاست

از زمین نالهٔ عشّاق به گردون برسید
وز ثری نالهٔ مستان به ثریّا برخاست

بسکه خوبان به تفرّج سوی صحرا رفتند
الغیاث از چمن و گلبن حمرا برخاست

عاشق امروز به وقتی بر شاهد بنشست
که دل زاهد، از اندیشهٔ فردا، برخاست

هر کجا طلعت خورشید رخی سایه فگند
بیدلی خسته، کمربسته چو جوزا، برخاست

هر کجا سرو قدی چهره چو یوسف بنمود
عاشقی سوخته خرمن، چو زلیخا برخاست

هر کسی راه هوس روی گلی در سر شد
نه که این ولوله از بلبل تنها برخاست

با رخش لاله ندانم بچه رونق بشگفت؟
با قدش سرو، ندانم بچه یارا برخاست؟

سر ببالین عدم باز نه، ای نرگس مست!
که ز خواب سحر، این نرگس شهلا برخاست

به سخن گفتنِ او عقل ز هر دل برمید | عاشق آن قدِ سرخم، که چه زیبا برخاست!
روز رویش چو برانداخت نقاب سرِ زلف | گوئی، از روز قیامت، شبِ یلدا برخاست
ورق خوبی معشوق ز هم برگردید | قلم عافیت از عاشقِ شیدا برخاست
تُرکِ عشقش، بنهٔ صبر چنان غارت کرد | که جهان راز حرم، راز معمّا برخاست
سعدیا! نامه سیاه کردن سودا تا کی | که قلم را به سر از دستِ تو، سودا برخاست

فی الموعظة والنّصیحة

دریغ روزِ جوانی و عهدِ برنائی | نشاط کودکی و عیش خویشتن رائی!
سر فروتنی انداخت پیری اندر پیش | پس از غرور جوانی و دست بالائی
دریغ بازوی سرپنجگی که برپیچد | ستیز دورِ فلک، ساعد توانائی
زهی زمانهٔ ناپائدارِ عهدشکن! | چه دوستی است؟ که با دوستان نمی پائی
که اعتماد کند بر مواهب نعمت؟ | که همچو طفل به بخشی و باز بربائی
به زار تر گسلی، هرچه خوب تر بندی | تباه تر شکنی، هرچه خوش تر آرائی
به عمرِ خویشتن کسی از تو کام برنگرفت | که در شکنجهٔ ناکامی اش نه فرسائی
اگر زیادتِ قدر است در تغیّر نفس | نخواستم که به قدرِ من اندر افزائی
مرا ملامتِ دیوانگی و سرسبکی | ترا سلامتِ پیری و پای برجائی
شکوه پیری بگذار و علم و فضل و ادب | کجاست جهل جوانی و عشق برنائی؟
چو با قضا و اجل بر نمی توان آمد | تفاوتی نکند گر بزی و دانائی
نه آن جلیسِ انیس از کنارِ من رفته است | که بعد از او متصوّر شود شکیبائی

دریغ خلعتِ زیبای احسن التّقویم — بر آستین تنعّم طرازِ زیبائی
غبار خطِ معنبر نشسته بر گل روی — چنان که مشک بیاورد برسمن سائی
اگر ز بادِ فنا ای پسر بیندیشی — چو گل به عمرِ دو روزه غرور ننمائی
زمانِ رفته نخواهد به گریه باز آمد — نه آب دیده، که گر خونِ دل بپالائی
ندوخت جامهٔ کامی بقدِ کس گردون — که عاقبت به مصیبت نکرد یکتائی
چو خوانِ یغما غارت کند بناگاهی — زمانه مجلسِ عیشِ بتانِ یغمائی
چو تخم خرما فردات پایمال کنند — وگر به سروری امروز نخلِ خرمائی
برادرانِ تو بیچاره، در ثری رفتند — تو همچنان ز سرِ کبر، بر ثریّائی
همیشه باز نباشد درِ دو لختیِ چشم — ضرورتست که روزی به گلِ براندائی
خیال بسته و بر باد عمر تکیه زده — به پنج روز که در عیش و در تماشائی
دماغ پخته که من شیر مرد و برنایم — برو، که با سگِ بد نفس هم تو برنائی
اگر بود دل مومن، چو موم نرم نهاد — تو موم نیستی ای دل، که سنگ خارائی
هر آن زمان، که ز تو مردمی برآساید، — درست شد بحقیقت، که مردم آسائی
وگر به جهل برفتی، به عذر باز پس آی — که چاره نیست برون از شکسته پیرائی
سخن دراز مکن سعدیا و کوته کن — چو روزگار به پیرانه سر ز رعنائی
وگر عنایت توفیق حق نگیرد دست — بدستِ سعی تو باد است، تا نه پیمائی
ببخش بارخدایا به فضل و رحمتِ خویش — که دردمند نوازی و جرم بخشائی
بضاعتی نه سزاوارِ حضرت آوردم — مگر به عینِ عنایت قبول فرمائی
ز درگهِ کرمت روی ناامیدی نیست — کجا رود مگس از کارگاهِ حلوائی؟

در مدح انکپانو

بسی صورت بگردیده است عالم — ازین صورت بگردد عاقبت هم
عمارت با سرای دیگر انداز — که دنیا را اساسی نیست محکم
مثال عمر، سر برکرده شمعی است — که کوتاه بازمی باشد دبادم
و یا برف گدازان بر سر کوه — کزو هر لحظه جزوی می شود کم
بسا خاکا، به زیر پای نادان — که گر بازش کنی، دست است و معصم
نه چشم طامع از دنیا شود سیر — نه هرگز چاه پُر گردد ز شبنم
زگل فرزند آدم خشت گردید — نمی جنبد دل فرزند آدم
به سیم و زر نکونامی بدست آر — منه بر هم، که برگیرندش از هم
فریدون را سر آمد پادشاهی — سلیمان را برفت از دست خاتم
نه نیشی میبزند دوران گیتی — که آن را، تا قیامت هست مرهم
وفاداری مجوی از دهر خونخوار — محال است انگبین در کام ارقم
به نقل از اوستادان یاد دارم — "که شاهان عجم، کیخسرو و جم
زسوز سینهٔ فریاد خواهان — چنان پرهیز کردندی که از سم
که موران چون بگرد آیند بسیار — به تنگ آید روان، در حلق ضیغم
وَمَا مِنْ ظَالِمٍ اِلَّا وَ يُبْلٰی — (وَ اِنْ طَالَ الْمَدٰی يَوْمًا) بِاَظْلَمْ
سخن را روی بر صاحبدلان است — نگوبیند از حرم الا به محرم
حرامش باد ملک و پادشاهی — که پیشش مدح گویند از قفا ذم
عروس زشت زیبا کی توان کرد — وگر بر خود کند دیبای معلم

اگر مردم همین بالا و ریش اند — به نیزه نیز بر بسته است پرچم
سخن شیرین بود پیرِ کهن را — ندانم بشنود نوئینِ اعظم
جهان سالارِ عادل، اتکیانو — سپهدارِ عراق و ترک و دیلم
که روزِ بزم بر تختِ کیانی — فریدون است و روزِ رزم رستم
چنین پند از پدر نشنیده باشی — الا اگر هوشیاری بشنو از عم!
چو یزدانت مکرّم کرد و مخصوص — چنان زی در میانِ خلقِ عالم
که گر وقتی مکانِ پادشاهیت — نباشد، همچنان باشی مکرّم
نه هر کس حق تواند گفت گستاخ — سخن ملکی است سعدی را مسلّم
مقامات از دو بیرون نیست فردا — بهشتِ جاودانی، یا جهنّم
مدامت بخت و دولت هم نشین باد — به دولت شادمان، از بخت خرّم
به دستِ راست، قیدِ بازِ اشهب — به دستِ چپ، عنانِ خنگِ ادهم
سرِ سالت مبارک باد و میمون — سعادت همره و اقبال همدم

فی الموعظة والنصیحة

خوش است عمر، دریغا که جاودانی نیست — بس اعتماد برین پنج روزِ فانی نیست
درختِ قدّ صنوبر خرامِ انسان را — مدام، رونقِ نوباوهٔ جوانی نیست
گلی است خرّم و خندان و تازه و خوشبو — ولی امیدِ ثباتش، چنانکه دانی، نیست
دوام پرورش اندر کنارِ مادرِ دهر — طمع مکن، که در وی بوی مهربانی نیست
مباش غرّه و غافل چو میش سر در پیش — که در طبیعتِ این گرگ گله بانی نیست
چه حاجت است عیان را به استماع و بیان — که بیوفائیِ دورِ فلک نهانی نیست

کدام بادِ بهاری وزید در آفاق،	که باز در عقبش آفتِ خزانی نیست
اگر ممالک روی زمین بدست آری	بهای دولتِ یک روزه زندگانی نیست
دل ای رفیق! درین کاروانسرای مبند	که خانه ساختن آئینِ کاروانی نیست
اگر جهان همه کام است دشمن اندر پی	به دوستی، که جهان جای کامرانی نیست
چو بت پرست به صورت شدی چنان مشغول	که دیگرت خبر از لذتِ معانی نیست
جهان نه دست بدادند دوستانِ خدای	که پای بندِ غبارا جز این جهانی نیست
نگاهدار زبان، تا به دوزخت نبرند	که از زبانِ بتر، اندر جهان زیانی نیست
عمل بیار و علم برمکش، که مردان را	رهی سلیم تر از کوی بی نشانی نیست
طریقِ حق رو و از هر کجا که خواهی باش	که کنج خلوتِ صاحبدلان مکانی نیست
کفِ نیاز به درگاهِ بی نیاز برآر	که کار مرد خدا جز خدای خوانی نیست
مخور چو بی ادبان کاه و تخم کایشان را	امید خرمن اقبال آنجهانی نیست
مکن، که حیف بود دوست بر خود آزردن،	علی الخصوص مرآن دوست را، که ثانی نیست
چه سود ریزشِ باران وعظ بر سرِ خلق	که مرد را به ارادت صدف دهانی نیست
زمین به تیغ بلاغت گرفتی ای سعدی	سپاس دار، که جز فیضِ آسمانی نیست
بدین صفت، که در آفاق صیتِ شعرِ تو رفت	نرفت دجله، که آبش بدین روانی نیست
نه هر که دعوی زورآوری کند با ما	بسر برد، که سعادت به پهلوانی نیست
ولی بخواجهٔ عطار گو، ستائشِ مشک	مکن، که بوی خوش از مشتری نهانی نیست

فی الموعظة والنصیحة

توانگری نه به مال است پیشِ اهلِ کمال	که مال تالب گور است و بعد ازان اعمال

من آنچه شرط بلاغ است با تو می گویم — تو خواه از سخنم پند گیر و خواه ملال
محل قابل، و آنگه نصیحت قایل — چو گوش هوش نباشد چه سود حسن مقال؟
نصیحت همه عالم چو باد در قفس است — بگوش مردم نادان، و آب در غربال
به چشم و گوش و دهان، آدمی نباشد شخص — که هست صورت دیوار را همین تمثال
دل، ای حکیم! برین معبر هلاک مبند — که اعتماد نکردند بر جهان عقال
چنان به لطف همی پرورد، که مراید — دگر بقهر چنان خرد می کند، که سفال
مکن بچشم ارادت نگاه در دنیا — که پشت مار بنقش است و زهر او قتال
به عمر عاریتی هیچ اعتماد مکن — که پنج روز دگر می رود به استعجال
برفت عمر و نرفتیم شرط راه ادب — براستی، که ببازی برفت چندین سال
کنون که رغبت خیر است زور طاعت نیست — دریغ نقد جوانی، که صرف شد به محال
زمان توبه و عذر است وقت بیداری — برآر دست دعائی و رو به خاک بمال
وصال حضرت جان آفرین مبارک باد — که دیر و زود، فراق افتد اندرین اوصال
به زیر بار گنه گام بر نمی گیرم — که زیر بار، به آهستگی رود حمال
چنان شده است، که دیگر امید خیر نماند — مگر به عفو خداوند منعم متعال
نه آفتاب وجود ضعیف انسان را، — که آفتاب فلک را، ضرورتست زوال
کنون هوای امل می پزد کبوتر نفس — که دست جور زمانه، نه پر گذاشت نه بال
چنان شدم، که به انگشت می نمایندم — نماز شام که بر بام میروم چو هلال
بزرگوار خدایا! بحق مردانی — که عارفان جمیل اند و عاشقان جمال،
مبارزان طریقت که نفس بشکستند — به زور بازوی تقوی، ء للحروب رجال، ق

يُقَدِّسُونَ لَهُ بِالْخَفِيِّ وَالْاِعْلَانِ　　يُسَبِّحُونَ لَهُ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ

مراد نفس ندادند ازین سرای غرور　　که صبر پیش گرفتند تا بوقتِ محال

قفا خورند، ملامت کشند، خوش باشند　　شب فراق، بامید بامدادِ وصال

به سرِّ سینهٔ این دوستان علی التّفصیل　　که دستگیری در رحمت کنی علی الاجمال

رهی نمی برم و چارهٔ نمی دانم　　بجز محبّت مردِ انِ مستقیم الحال

مرا بصحبتِ نیکان امید بسیار است　　که مایه داران رحمت کنند بر بطّال

بود، که صدر نشینانِ بارگاهِ قبول　　نظر کنند به بیچارگان صفِ نعال

توقّع است ز انعام دائم المعروف　　ز بهرِ آن، که نه امروز می کند افضال

همیشه در کرمش بوده ایم و در نعمش　　از آستانِ مربّی کجا روند اطفال

سوال نیست، مگر بر خزانهٔ کرمش　　سوال نیز چه حاجت؟ که عالم است بحال

من آن ظلوم و جهولم که هم تو فرمودی،　　چه آید از ضعفا، ای کریم! و ز جهّال؟

مرا تحمّلِ باری چگونه دست دهد　　که آسمان و زمین، بر نتافتند، و جبال

ختامِ عمر خدایا به فضل و رحمتِ خویش　　بخیر کن! که همین است غایة الآمال

ثنای حضرتِ عزّت نمی توانم گفت　　که ره نمی برد آنجا قیاس و وهم و خیال

بر آستانِ عبادت وقوف کن سعدی　　که وهم منقطع است از سرادقاتِ جلال

فی النّصائح والمواعظ

ای نفس! اگر به دیدهٔ تحقیق بنگری،　　درویشی اختیار کنی بر توانگری

ای پادشاهِ وقت! چو وقتت فرا رسید،　　تو نیز با گدا ای محلّت برابری

گر پنج نوبتت به درِ قصر می زنند　　نوبت به دیگری بگذاری، و بگذری

دنیا زنی ست عشوه ده و دل‌ستان، ولیک — باکس بسر نمی برد او، عهدِ شوهری
آهسته رو، که بر سرِ بسیار مردم است — این جرمِ خاک را، که تو امروز برسری
آبستنی که این همه فرزند زاد و کشت — دیگر که چشم دارد از و مهرِ مادری؟
این غول روی بستهٔ کوته نظر فریب، — دل می برد، به غالیه اندود چادری
هاروت را، که خلق جهان سحر از و برند، — در چه فگند، غمزهٔ خوبان، به ساحری
مردی، گمان مبر، که به سرپنجه است زور — با نفس اگر برائی، دانم که شاطری
با شیر مردیت سگِ ابلیس صید کرد — ای بی هنر بمیر، که از گربه کمتری
هُشدار! تا نیفگندت پیروی نفس — در ورطهٔ که سود ندارد شناوری
سر در سرِ هوا و هوس کردهٔ و باز — در کارِ آخرت کنی اندیشه سرسری
دنیا به دین خریدنت، از بی بصارتیست — ای بدمعامله! به همه هیچ، می خری
تا جان معرفت نکند زنده‌ات به شخص — نزدیک عارفان تو ز حیوان محقری
بس آدمی، که دیو، به زشتی غلامِ اوست — در صورتش نماید، زیباتر، از پری
گر قدرِ خود بدانی، قدرت فزون شود، — نیکو نهاد باش، که پاکیزه جوهری
چندت نیاز و آز دواند به برّ و بحر؟ — بشناس قدرِ خویش، که دریای گوهری
پیداست قطرهٔ، که به قیمت کجا رسد؟ — لیکن چو پرورش بودت، دانهٔ دُری
گر کیمیای دولت جاویدت آرزوست، — بشناس قدرِ خویش، که گوگردِ احمری
ای مُرغ پای بسته به دامِ هوای نفس! — کی بر هوای عالمِ روحانیان پری؟
بازِ سفید روضهٔ انسی، چه فائده؟ — کاندر طلب، چو بال بریده کبوتری
چون بوم بدخبر، مفگن سایه بر خراب — در اوجِ سدره کوش، که فرخنده طائری

آن ره، ره دوزخ است که ابلیس می رود — بیدار باش، تا پی آن، راه نسپری
در صحبت رفیق بد آموز، همچنان — کاندر کمند دشمن آهخته خنجری
راهی بسوی عاقبت خیر می رود — راهی بسوی هاویه، اکنون مخیّری
گوشت حدیث می شنود، هوش بیخبر — در حلقهٔ بصورت و چون حلقه بر دری
دعوی مکن، که برترم از دیگران به علم — چون کبر کردی، از همه دونان فروتری
از من بگوی عالم تفسیر گوی را — "گر در عمل نکوشی، نادان مقصّری"
بار درخت علم ندانم، مگر عمل — با علم اگر عمل نه کنی، شاخ بی بری
از صد یکی بجای نیاورده شرط علم — وز حبّ جاه، در طلب علم دیگری
علم آدمیّت است و جوانمردی و ادب — ورنه ددی بصورت انسان مصوّری
هر علم را که کار نه بندی، چه فائده؟ — چشم از برای آن بود آخر، که بنگری

ق

امروز غرّه به فصاحت، که در حدیث — هر نکته را، هزار دلائل بیاوری
فردا فضیح باشی در موقف حساب — گر علّتی نگوئی و عذری نیاوری
مردان به سعی و رنج، بجائی رسیده اند — تو بی هنر، کجا رسی از نفس پروری؟
ترک هوا است وادی دریای معرفت — عارف به ذات شو نه به دلق قلندری
در کم زخویشتن، بحقارت نظر مکن — گر برتری بمال، به گوهر برابری
فرمانبر خدا و نگهبان خلق باش — این هر دو قرن اگر بگرفتی، سکندری
عمری که می رود بهمه حال جهد کن — تا در رضای خالق بیچون بسر بری
مرگ اینک اژدهای دمان است پیچ پیچ — لیکن چه غم ترا، که به خواب خوش اندری
فارغ نشسته به فراخی و کام دل — باری ز تنگنای لحد یاد ناوری

باری گرت به گورِ عزیزان گذر بود	ق	از سر بنه غرور کیانی و سروری
کانجا بدست واقعه بینی، خلیل وار	—	درهم شکسته، صورت بتهای آذری
فرقِ عزیز و پهلوی نازک، نهاده تن	—	مسکین، به خشت بالشی و خاک بستری
تسلیم شو گر اهلِ تمیزی، که عارفان	—	بردند گنجِ عافیت از کنجِ صابری
فرزند بنده ایست خدا را، غمش مخور	ق	تو کیستی؟ که به ز خدا بنده پروری
گر مقبل است، گنجِ سعادت برای او		ور مدبر است، رنج زیادت چه می بری
پیش از من و تو بر رخِ جانها کشیده اند		طغرای نیکبختی و نیلِ بداختری
آن را، که طوقِ مقبلی اندر ازل خدای	—	روزی نکرد، چون نکشد غلّ مدبری؟
زنهار! پندِ من پدرانه است گوش دار		بیگانگی مورز، که در دین برابری
ننگ از فقیرِ اشعث و اغبر مدار، از آنکه	—	در وقت مرگ اشعث، و در گور اغبری
دامن مکش ز صحبتِ ایشان، که در بهشت	—	دامن کشان سندسِ خضرند و عبقری
روی زمین به طلعتِ ایشان منور است		چون آسمان به زهره و خورشید و مشتری
در بارگاهِ خاطرِ سعدی خرام! اگر		خواهی ز پادشاهِ سخن، دادِ شاعری
گه گه خیال در سرم آید، "که این منم		ملک عجم گرفته به تیغِ سخنوری"
بازم نفس فرو رود از هولِ اهلِ فضل		با کفّ موسوی چه زند سحرِ سامری

شرم آید از بضاعتِ بی قیمتم، ولیک
در شهر، آبگینه فروش است و جوهری

قصیدهٔ انوری

معروف به

"اشک ہائے خراسان"

برسمرقند، اگر بگذری، اے بادِ سحر! — نامهٔ اہلِ خراسان ببرِ خاقانِ بر
نامهٔ، مطلعِ آن، رنجِ تن و آفتِ جان — نامهٔ، مقطعِ آن، دردِ دل و خونِ جگر
نامهٔ، بر رقمش آهِ عزیزان پیدا، — نامهٔ در شکنش خونِ شهیدان مضمر
نقشِ تحریرش، از سینهٔ مظلومان خشک، — سطرِ عنوانش، از دیدهٔ محرومان، تر
ریش گردد، ممرِ صوت، ازو گاهِ سماع — خون شود، مردمکِ دیده، ازو گاهِ نظر
تاکنون حالِ خراسان و رعایا بوده است — برخداوندِ جهان خاقان پوشیده، مگر
نی، نبوده است، که پوشیده نباشد بروے — ذرهٔ نیک و بدِ نُه فلک و هفت اختر
کارہا بسته بود بیشک در وقت، و کنون — وقت آنست که راند سوئے ایران لشکر
ق
خسروِ عادل خاقانِ معظّم، گر چند — بادشاہست و جہاندار، بهفتاد پدر
دائمش فخر بآنست، که در پیشِ ملوک، — پسرش خواندی، سلطانِ سلاطین سنجر
باز خواہد زغزان کینه، که واجب باشد — خواستنِ کین پدر بر پسرِ خوب سیر
چون شد از عدلش سرتاسرِ توران آباد — کے روا دارد ایران را ویران یکسر
ق
اے کیومرث بقا! بادشہِ کسریٰ عدل! — وے منوچهر لقا! خسروا فریدون فر!
قصهٔ اہلِ خراسان بشنو از سرِ لطف — چون شنیدی، ز رهِ لطف بر ایشان بنگر
این دل افگار جگر سوختگان میگویند — "کاے دل و دولت و دین، از تو شادی و ظفر

خبرت هست کزین زیر و زبر شوم غزان — نیست یک پی ز خراسان که نشد زیر و زبر؟

بر بزرگان زمانه شده خردان سالار — بر کریمان جهان گشته لئیمان مهتر

بر در دونان احرار حزین و حیران — در کف رندان ابرار اسیر و مضطر

مسجد جامع هر شهر، ستوران شان را — پایگاهیست که نه سقفش پیدا و نه در

نکنند خطبه به هر شهر بنام غز، از آنکه — در خراسان نه خطیب است کنون نی منبر

کشته فرزند گرامی، را گر ناگاهان — بیند، از بیم خروشید نیارد، مادر

بر مسلمانان آن نوع کنند استخفاف — که مسلمان نکند صد یک از آن با کافر

هست در روم و خطا امن مسلمانان را — نیست یک ذره سلامت به مسلمانی در

خلق را زین غم فریاد رس ای شاه نژاد! — ملک را زین ستم آزاد کن ای پاک گهر!

بخدائی که بیاراست بنامت دینار — ق — بخدائی که برافراخت بفرقت افسر

که کنی فارغ و آسوده دل خلق خدای — زین فرومایه غز شوم پی و غارت گر

وقت آنست، که یابند ز رحمت پاداش — گاه آنست، که گیرند ز شغبت کیفر

زن و فرزند و زر و جمله بیک حمله چو پار — بردی امسال روان شان بدگر حمله بر

آخر ایران که ازو بودی فردوس برشک — وقف خواهد بُد تا حشر برین شوم حشر

سوی آنحضرت کز عدل تو گشته است بهشت — دور ازین جائے که از ظلم غزان شد چو سقر

هر که پائی و خری داشت، بحیلت بگریخت — چکند مسکین آن آنکه نه پالیست و نه خر

رحم کن رحم بر آن قوم، که جویند جوین — از پس آنکه نخوردندی از ناز شکر

رحم کن رحم بر آنها، که نیابند نمد — از پس آنکه از اطلس شان بودی بستر

رحم کن رحم بر آن قوم، که نبود شب و روز — در مصیبت شان جز نوحه گری کار دگر

رحم کن رحم بر آن قوم، که رسوا گشتند — از پس آنکه بمستوری بودند سمر

گردِ آفاق چو اسکندر بر گرد، از آنکه — توئی امروز جهان را بدلِ اسکندر

از تو رزم ای شه و از بخت موافق نصرت — از تو عزم ای ملک، و از ملک العرش ظفر

همه پوشند کفن چون تو بپوشی خفتان — همه خواهند امان چون تو بخواهی مغفر

آن سرافراز جهانبانی کز غایتِ فضل — حق سپرد دست بعدلِ تو جهان را یکسر

بهرهٔ باید از عدلِ تو نیز ایران را — گرچه ویران شده، بیرون ز جهانش مشمر

نورِ خور روشنی و هست خراسان اطلال — نه بر اطلال بتابد چو بر آبادی خور؟

هست ایران بمثل شوره و تو ابری و ابر — هم بیفشاند بر شوره، چو بر باغ مطر

بر ضعیف و قوی امروز توئی داورِ حق — هست واجب غمِ حقّ ضعفا بر داور

کشورِ ایران، چون کشورِ توران، چو تراست — از چه محروم ست از رأفت تو این کشور؟

گر بیاراید پائی تو به این عزم رکاب — غزمد بر بکشد پای و عنان تا خاور

کی بود کی که ز اقصاءِ خراسان آید — از فتوحِ تو بشارت بر خورشید بشر

بادشاه فضلا صدرِ جهان خواجهٔ عصر — سایهٔ قدر و شرف، قاعدهٔ فضل و هنر

شمس اسلام، فلک مرتبه برهان الدین — آنکه مولاش بود شمس، و فلک فرمان بر

یاورش بادا حق عز و جل در همه کار — تا درین کار بود با تو به همت یاور

چون قلم گردد ازین کارِ گران صدرِ بزرگ — نیزه کردار به بندگیِ این کار کمر

از تو ای سایهٔ حق! خلق جگر سوخته را — او شفیع است چنانکه امت را پیغمبر

خلق را زین حشرِ شوم اگر برهانی — کردگارت برهاند ز خطر در محشر

پیش سلطانِ جهان سنجر، کو پرورد است — این چنین بادشه دادگرِ حق پرور

دیدهٔ خواجه آفاق کمال الدین را — که نباشد بجهان خواجه ازان کامل تر
نیک دانی که چه، و تا بکجا، داشت براو — اعتماد، آن شهِ دین پرور نیکو محضر
هست ظاهر که براو هرگز پوشیده نبود — هیچ ز اسرارِ ممالک، چه ز خیر و چه ز شر
روشن است این که برآنگونه چو خور گردون را — بود ایران را رایش همه عمر اندر خور
و اندرآن مملکت و سلطنت و آن دولت — چه اثر بود از و، هم به سفر هم به حضر
باکمال الدین ابناءِ خراسان گفتند: — 'قصهٔ' ما به خداوندِ جهان خاقان بر،
چون کند پیش خداوندِ جهان از سرِ سوز — عرضه این قصه، و رنج دل، و اندوهِ جگر
از کمال و کرم و لطفِ تو زیبد شاها — کز کمال الدّین داری سخنِ ما باور
زو شنو حالِ خراسان و عراق، ای شهِ شرق — که مراو راست همه حال، چو الحمد، از بر
تاکه شد رائے تو، چون تیر، برآن قوم کمان — خویشتن پیش چنین حادثه کرده است سپر
آنچه او گوید، محض شفقت باشد، از آنکه — بسطتِ ملکِ تو میخواهد نے جاه و خطر
خسروا! در همه انواعِ هنر دستت هست — خاصه در شیوهٔ نظمِ خوش و اشعارِ غرر
گر بکرر بود ایطاء درین قافیتم — چون ضرورتیست، شها! پردهٔ این نظم بدر
هم برآنگونه که اُستادِ سخن عمعق گفت — "خاک خون آلُده اے باد! با صفاهان بَبَر"
بیگمان خلقِ جگرسوخته را دریابد — چون ز دردِ دلِ شان یابد ازین حال خبر

آلوده

تا جهان را بفروزد خورِ گردون پیمای — از جهانداری، اَے خسروِ عادل! برخور

از قصاید عرفی

از درِ دوست چگویم بچه عنوان رفتم همه شوق آمده بودم همه حرمان رفتم

پس به دیوار زدم سر که درین کوچهٔ تنگ آمدم مست و سراسیمه و حیران رفتم

رفتم از کوی تو لب تشنه بگلگون سرشک نیک رفتم که نه افتان و نه خیزان رفتم

دلِ و دین و خرد و هوش و زبان بازم ده تا بگویم ز درِ دوست به سامان رفتم

آمدم نغمه کشان از لب اُمید و ز یاس در رگ و ریشهٔ دل دوخته دندان رفتم

آمدم صُبحدم و شام برفتم بشنو که چه سان آمدم این جا بچه عنوان رفتم

آمدم صُبح چو بلبل به چمن در نوروز شام چون ماتمی از خاکِ شهیدان رفتم

دوستان زهر بگریید که رفتم ناکام دشمنان نوش بخندید که گریان رفتم

رفتم و سوختم از داغ دلِ دشمن و دوست که جگر سوزتر از اشکِ یتیمان رفتم

منم آن قطره که صد سینه و دل کردم داغ تا ز نوک مژه غلطیده به دامان رفتم

منم آن یوسفِ بد روزه که نا رفته به مصر تا برون آمدم از چاه بزندان رفتم

منم آن غنچهٔ پژمرده که از باد خزان خنده بر لب گره و سر به گریبان رفتم

نور پیشانیٔ صبح طربم لیک چه سُود که ز غم تیره تر از شامِ غریبان رفتم

رفتم آهسته ولی صاحب دل می داند که دل آشوب تر از زلفِ عروسان رفتم

مُردم از گریه و کارم به تبسّم نکشید منم آن نوح که هم بر سر طوفان رفتم

از پریشانیٔ دل سوختم و بهرِ علاج هم به دریوزهٔ دل های پریشان رفتم

بازوئی همتم آن روز چو قیمت بشکست
که بتابید ز سر پنجهٔ مرجان رفتم

منم آن میوهٔ ارزنده به بستان کمال
که بدست و دهن ذائقهٔ ارزان رفتم

منم آن شیر ختن صید که آهو گیرم
که چو موشان به شکار تهٔ انبان رفتم

گوهر قیمتی گنج ازل بودم لیک
ره به بی عزتی جنس فراوان رفتم

بودم از قدر ترنج زر پرویز ولی
گوی گشتم بره سیلی چوگان رفتم

بوده ام من حلبی شیشهٔ لعل صهبا
پای کوبان به کجا بر سر سندان رفتم

چون صبا رخصت گشت چمنم بود ولی
چون تماشای خلائق به خیابان رفتم

رفتم اندر پی مقصود ولی همچو پلنگ
بسر کوه به قصد مه تابان رفتم

ذوق عریانی تجرید ندانستم حیف
کز پی سندس و استبرق و رضوان رفتم

آخر این با که توان گفت که در مکتب قدس
دانش آموز خرد بودم و نادان رفتم

شعر ورزیدم و از معرفت آن شعر ماندم
جان معنی شدم و صورت بیجان رفتم

شب یلدای حیاتم به سحر گوید حیف
که در افسانهٔ بیهوده به پایان رفتم

زآن شکستم که بدنبال دل خویش مدام
در نشیب شکن زلف پریشان رفتم

ماتم اهل دل آن بود که با حسرتیان
با دف و چنگ به گلگشت گلستان رفتم

عید این طائفه آن بود که با شیونیان
تهنیت گو به سر خاک شهیدان رفتم

راه مجنونی و فرهادیم آمد در پیش
رفتم این راه ولیکن نه چو ایشان رفتم

ناخن تیشه نه راندم برگ و ریشهٔ سنگ
کوه غم در ته پا سوده به جولان رفتم

آشیان زغن و زاغ بچیدم بر سر
سر قدم ساخته در خار مغیلان رفتم

این همه رفتم و رفتم که شمردم عرفی
به تقاضای ردیف از پی بهتان رفتم

تیغ وی گفت که در معرکهٔ جنگش یافت — که نه از تارک او تا سُم یکران رفتم
آهنین پنجهٔ تیغش به اجل گفت که من — موج بر موج شکستم چو به عمّان رفتم
رُمح وی گوید اگر جنگ و گر صلح که من — بگشاد و گرهِ جبههٔ خاقان رفتم
طالعش صبح ولادت در دُنیا زد و گفت — آفتابی بکف اینک به شبستان رفتم
هرگه اندیشهٔ خُلق وی هم از جای رُبود — چون صبا بر ورقِ سنبل و ریحان رفتم
این جواهر ز نثارِ کرمش برچیدم — کس نگوید که به دریوزهٔ عمّان رفتم
دارم این قافله را سرمه ز خاکِ در تو — نبری ظن که به تاراجِ صفاهان رفتم
بسکه عیسیٰ نفسان بوسه براهم داده — هر قدم بر سر صد چشمهٔ حیوان رفتم
بال اندیشه ز پرواز شکستم صد بار — نبری ظن که به عرش سخن آسان رفتم
السلام ای ملک النظم برون د ز خاک — چون به آرایگهِ ناظم شروان رفتم
داورا دوش بدوش قدر اندر رهِ عمر — با ثنای تو و نفرین حسودان رفتم
راه بی حد ثنای تو سپردم این راه — نیست راهی که توان گفت بپایان رفتم

راه نفرینِ حسودان تو رفتم لیکن
آن نیرزد که بگویم بچه عنوان رفتم

از حکیم فرخی سیستانی

ترجیع بند در مدح ابوالحسن علی بن فضل معروف به حجاج

ماه فروردین جهان را از در[1] دیدار کرد — ابر فروردین زمین را پر بت فرخار کرد
باد گوئی نافه های تبتستان بر درید — باغ گوئی کاروان شوشتر آوار[2] کرد
گلبن سرخ آستین صدره[3] پر یاقوت کرد — گلبن زرد آستین کرته پر دینار کرد
این بهار خرم شادی فزای مشکبوی — خاک را بزاز کرد و باد را عطار کرد
تا ز چشم نرگس تازه بنفشه دور شد — غنچهٔ گل با شگوفه ارغوان بیدار کرد
چشم نیلوفر چو چشم ماندگان در خواب شد — تا ز نم نیسان دو چشم لاله را بیدار کرد
زندواف[4] زندخوان چون عاشق هجر آزمای — دوش بر گلبن همی تا روز ناله زار کرد
از نوای مرغ گوئی خواجهٔ سید بباغ — مطرب پنجاه را چون خسرو پرکار کرد
خواجه حجّاج آنکه از جمع بزرگان جهان — ایزد او را برگزید و بر جهان سالار کرد

جاودانه خواجهٔ هر خواجه حجّاج باد
برترین مهتر بکهتر کهترش محتاج باد

[1] از در بمعنیٔ شائسته و لائق و سزاوار.
[2] آوار پراگنده و پریشان.
[3] صدره نوعی از جامهٔ که سینه را بپوشانند و کرته پیراهن است.
[4] بلبل.

بند دویم

عید همچون حاجبان نوروز را پیش اندر است ❊ زینت نوروزی که عیدش حاجب و خدمتگر است
عید اگر نوروز را خدمت کند بس کان نیست ❊ چاکر نوروز را چون عید بیصد چاکر است
عید را زینت ز مال و ملک درویشان بود ❊ زینتِ نوروز هم باری بنوروز اندر است
بر زمین او را بهر گامی هزاران صورت است ❊ بر درخت او را بهر برگی هزاران گوهر است
تیغهای کوه از و پُر لاله و پُر سوسن است ❊ مرزهای باغ از و پُر سنبل و سیسنبر است
پارههای سنگ از و چون تختههای بسّد است ❊ تلّهای ریگ از و چون تودههای عنبر است
کوه از و پُر صورت است و دشت از و پُر لعبت است ❊ باغ از و پُر زینت است و راغ از و پُر زیور است
بوستان خواجه را ماند نماند گز قیاس ❊ بوستانِ خواجهٔ سیّد بهشتِ دیگر است
خواجه را سر سبز باد و تن قوی تا بر خورد ❊ زین همایون بوستان کین خواجه را اندر خور است

جاودانه خواجهٔ هر خواجهٔ حجّاج باد
برترین مهتر بکهتر کهترش محتاج باد

بند سیم

دشت گوئی گستریده حلّهٔ دیباستی ❊ کوه گوئی تودهٔ بیجاده و میناستی
کشت زار از سبزه گوئی آسمان استی درست ❊ و آسمانِ ساده را گوئی کنون صحراستی
ارغوان لعل گوئی دو لبِ معشوقِ ماست ❊ لالهٔ خود روی گوئی روی ترکِ ماستی
گلبن اندر باغ گوئی کودکی نیکوستی ❊ سوسن اندر راغ گوئی ساقیٔ زیباستی
از درختِ سیب و بادام شگفته بوستان ❊ راست پنداری که فردوسی پر از حورستی
ابر گوئی کشتئ پُر گوهر استی در هوا ❊ رعد گوئی ناله و غرّیدنِ دریاستی

قطرهٔ باران چکیده در دهانِ سرخِ گل　　در عقیقین جام گوئی لولوءِ بیضاستی

اندرین نوروزِ خرّم بر گلِ سوری بباغ　　یادِ خواجه خوردمی مے گر مرا یار استی

خواجهٔ حجّاج آنکو کس نبوده در جهان　　که به رادی دستِ او را در جهان همتاستی

جاودانه خواجهٔ هر خواجهٔ حجّاج باد
برترین مهتر بکهتر کهترش محتاج باد

بند چهارم

اندرین گیتی به فضل و رادی او را یار نیست　　جز کریمی و عطا بخشیدن او را کار نیست

تیز بازاری همے بینم سخا را نزدِ او　　اینت بازاری که در گیتی چنین بازار نیست

از پئ نامِ بلند و از پئ جاهِ عریض　　ملکِ او و مال او را نزدِ او مقدار نیست

بهترین چیز به نزدِ اهلِ دانش دانش است　　هیچ دانش نیست کو را اندران دیدار نیست

گرچه در هر چیز گفتارے بود گوینده را　　هیچ کس را در کمال و فضل او گفتار نیست

گوش نشنیده است گفتارے ازو کز روی طعن　　کس تواند گفت کاین گفتار چون کردار نیست

زود نیر و زود تند آزار باشد هر شهے　　خواجه باری زود نیر و زود تند آزار نیست

زائران را بار باشد هر زمانے نزدِ او　　ورچه در ده روز پیشش مهتران را بار نیست

از بلندی همّتِ او وز بزرگی اصلِ او　　همچنین زیبد ازو این نیکوئی بسیار نیست

جاودانه خواجهٔ هر خواجهٔ حجّاج باد
برترین مهتر بکهتر کهترش محتاج باد

بند پنجم

همّتے دارد که جز فرقِ ستاره نسپرد　　هیبتش حائل چنان کاندر جهان همّت خورد

هر چه ماهی باشد اندر قعرِ دریا خون شود	گر سموم هیبتش بر قعرِ دریا بگذرد
در بدیهه با وجودش بگذرد بر کوه و دشت	خارِ خشک و سنگِ خاره لاله نسرین آورد
شیر کز عدلش بر انگیزد ز بر اقلیمے دگر	دست و پایش لرزه گیرد چون شکاری بنگرد
دولت او را در کنارِ خویش پروده است واو	در کنارِ خویش چون فرزند زائر پرورد
مهتران بسیار دیدم کس چنین مهتر نبود	راست گوید هر که گوید مردم از مردم برد
گر سخن گوید سخندان باید اندر پیشِ او	تا معانی یاد گیرد تا نکتها بشمرد
کس بود کو ظنّ برد کاندر هنر گشتم خبیر	خویشتن را جاهلے یابد چو او را بنگرد
چشمِ بد ز و دور باد و دولتش پاینده باد	تا زِ عمر و از جهان و از جوانی برخورد

جاودانه خواجهٔ هر خواجهٔ حجّاج باد
برترینِ مهتر بکهتر کهترش محتاج باد

بندِ ششم

مهترے کو را چو حاتم کهتر و دربان بود	گر کسے گوید چنان باشد کسے نادان بود[۱]
آنکه این اندیشه او را باشد او را مرده دان	گو چنین باشد کسے گر کالبد چون جان بود
همچنین باشد بصورت لیکن اندر بابِ فضل	نیست ممکن کاندرین گیتی چنو انسان بود
بینش مردم چند گویم از سخا و همتش	کاینده چیزے نیست کآن از فرمان پنهان بود
نام رادی و بزرگی جز برادر بر دیگران	از در تحقیق حرفِ تهمت و بهتان بود
از پئی آن تا ز خورشیدش فزون باشد شرف	مشتری خواهد که او را شرفهٔ[۲] ایوان بود
کس که کاندر گوهر و اندر هنر دعوی کند	همچو خر در خرد[۳] ماند چون گه برهان بود

[۱] عجب نادان بود۔ [۲] شُرفه بضم شین کنگره۔

[۳] صاحب جهانگیری و ناصری چنین ثبت کرده و نوشته بفتح اول رگل سیاه ته حوض و ته جوئے آب ۔ نسخهٔ دیگر (همچو خر در ریخ بماند چونکه بے برهان بود۔

خواجه بی دعوی همی برهان نماید زین دو چیز / خواجه را برهان نمون این دو چیز آسان بود
تنگدل گردد چو عاشق از غمِ معشوقِ خویش / گر زمانی خوانِ او بی زائر و مهمان بود

جاودانه خواجهٔ هر خواجهٔ حجّاج باد
مهترین مهتر بکهتر کهترش محتاج باد

بندِ هفتم

تا بفروردین جهان چون حلّهٔ رنگین شود / بوستان پُر لاله و پُر سوسن و نسرین شود
تا چو از گل شاخِ گل چون افسرِ کسری شود / وز سمن شاخِ سمن چون محقّهٔ[1] شیرین شود
تا چو باغ از برگ ریزان چون تنِ بیدل شود / آسمان از ابرِ تیره چون دلِ غمگین شود
تا چو سرو از برف گرد اندر کند سیمین زره / برگِ شاخِ رز چنان چون غیبهٔ[2] زرین شود
تا بدان وقتی که همچون گوی سیمین گشت سیب / نار همچو حقّهٔ گردِ عقیق آگین شود
تا چو لاله گرد اندر دشت چون تابان چراغ / باده اندر خم چو رخشان آذر برزین[3] شود
شاد باش و دوستنش از شادیِ او شاد باد / تا عدو زین انده و غم بیدل و بدبین شود
دوستانش را شود حنظل طبرزد[4] در مذاق / هر سرِ مو بر تنِ بدخواه او ژوبین شود
ماه فروردین و سالِ نو براو فرخنده باد / هر سخن کاندر جهان باشد کنون آمین شود

جاودانه خواجهٔ هر خواجهٔ حجّاج باد
برترینِ مهتر بکهتر کهترش محتاج باد

۱ محقّه بکسرِ میم و تشدید مرکبی است زنان را مانند هودج۔ امّا قبّه ندارد و در یک نسخه حقه بود و معنای مناسبی نیافتم۔ ۲ غیبهٔ پولکهائی پولاد و سیم و زر که بر زره بکار برند۔ ۳ آذر برزین نام آتشکدهٔ ششم که برزین نام از خلفائے زردشت در فارس بنا کرد۔ ۴ طبرزد نبات و قند و به تائی فرشت است۔

ترجیع بند محتشم کاشی

(۱)

باز این چه شورشی است که در خلقِ عالم است	باز این چه نوحه و چه عزا و چه ماتم است
باز این چه رستخیزِ عظیم است کز زمین	بی نفخ صور خاسته تا عرشِ اعظم است
گویا طلوع میکند از مغرب آفتاب	کآشوب در تمامیِ ذرّاتِ عالم است
گر خوانمش قیامتِ دنیا بعید نیست	این رستخیزِ عام که نامش محرم است
در بارگاهِ قدس که جائے ملال نیست	سرهای قدسیان همه بر زانوی غم است
جنّ و ملک برآدمیان نوحه میکنند	گویا عزاءِ اشرفِ اولادِ آدم است

خورشیدِ آسمان و زمین نورِ مشرقین
پروردهٔ کنارِ رسولِ خدا حسین

(۲)

کشتی شکست خوردهٔ طوفانِ کربلا	در خاک و خون فتاده به میدانِ کربلا
گر چشمِ روزگار براو فاش میگریست	خون میگذشت از سرِ ایوانِ کربلا
از آب هم مضایقه کردند کوفیان	خوش داشتند حرمتِ مهمانِ کربلا
بودند دیو و دد همه سیراب و می مکید	خاتم ز قحطِ آب سلیمانِ کربلا
آه از دمی که لشکرِ اعدا نه کرده شرم	کردند رو بخیمهٔ سلطانِ کربلا

آن دم فلک بہ آتش عزت سپند شد
کز خوفِ خصم در حرم افغان بلند شد

(۳)

کاش آن زمان سرادق گردون نگون شدی
وین خیمۂ بلند ستون بے ستون شدی

کاش آن زمان کہ پیکرِ او شد بزیر خاک
جانِ جہانیان ہمہ از تن بیرون شدی

کاش آن زمان کہ کشتیٔ آلِ نبی شکست
عالم تمام غرقۂ دریای خون شدی

این انتقام اگر نفتادی بروزِ حشر
با این عمل معاملۂ دہر چون شدی

آل نبی چو دست تظلّم بر آورند
ارکانِ عرش را بتزلزل در آورند

(۴)

برخوانِ غم چو عالمیان را صلا زدند
اوّل صلا بسلسلۂ انبیا زدند

نوبت بہ اولیا چو رسید آسمان طپید
زان ضربتی کہ بر سرِ شیرِ خدا زدند

بس آتشی ز اخگرِ الماس ریزہا
افروختند و بر حسنِ مجتبیٰ زدند

وانگہ سرادقی کہ فلک محرمش نبود
کندند از مدینہ و بر کربلا زدند

وز تیشۂ ستیزہ در آن دشت کوفیان
بس نخلہا ز گلشنِ آلِ عبا زدند

بس ضربتی کزو جگرِ مصطفیٰ درید
بر حلقِ تشنۂ خلفِ مرتضیٰ زدند

اہلِ حرم دریدہ گریبان کشادہ روی
فریاد بر درِ حرمِ کبریا زدند

روح الامین نہادہ بہ زانو سرِ حجاب
تاریک شد ز دیدنِ او چشمِ آفتاب

(۵)

چون خون ز حلقِ تشنهٔ او بر زمین رسید — جوش از زمین به ذروهٔ عرشِ برین رسید
نخلِ بلند او چو خسان بر زمین زدند — طوفان به آسمان ز غبارِ زمین رسید
باد آن غبار چون بمزارِ نبی رساند — گرد از مدینه بر فلکِ هفتمین رسید
یکباره جامه در خُمِ گردون به نیل زد — چون این خبر به عیسیِ گردون نشین رسید
پُر شد فلک ز غلغله چون نوبتِ خروش — از انبیا بحضرتِ رُوح الامین رسید
کرد این خیال وہم غلط کار کآن غبار — تا دامنِ جلالِ جهان آفرین رسید

هست از ملال گرچه بری ذاتِ ذوالجلال
او در دلست و هیچ دلی نیست بی ملال

(۶)

ترسم جزاءِ قاتلِ او چون رقم زنند — یکباره بر جریدهٔ رحمت قلم زنند
ترسم کزین گناه شفیعانِ روزِ حشر — دارند شرم کز گنه خلق دم زنند
دستِ عتابِ حق بدر آید ز آستین — چون اہلِ بیت دست بر اہلِ ستم زنند
آه از دمے که باکفنِ خونچکان ز خاک — آلِ علی چو شعلهٔ آتش علم زنند
فریاد از آن زمان که جوانانِ اہلِ بیت — گلگون کفن به عرصهٔ محشر قدم زنند
جمعی که زد بهم صفِ شان شورِ کربلا — در حشر صف زنانِ صفِ محشر بهم زنند
از صاحبِ حرم چه توقع کنند باز — آن ناکسان که تیغ به صیدِ حرم زنند

پس بر سنان کنند سرے را که جبرئیل
شوید غبار گیسویش از آبِ سلسبیل

(۷)

روزی که شد به نیزه سرِ آن بزرگوار	خورشید سر برهنه برآمد ز کوهسار
موجی به جنبش آمد و برخاست کوه کوه	ابری به بارش آمد و بگریست زار زار
گفتی تمام زلزله شد خاکِ مطمئن	گفتی فتاد از حرکت چرخ بیقرار
عرش آن چنان به لرزه درآمد که چرخِ پیر	اُفتاد در گمان که قیامت شد آشکار
با آنکه سر زد این عمل از اُمّتِ نبی	رُوح الامین ز رُوی نبی گشت شرمسار
جمعی که پاس محمل شان داشت جبرئیل	گشتند بی عماری و محمل شتر سوار

وانگه ز کوفه خیلِ الم رُو به شام کرد
نوعی که عقل گفت قیامت قیام کرد

(۸)

بر حربگاه چُون ره آن کاروان فتاد	شورِ نشور واهمه را در گمان فتاد
هم بانگ نوحه غلغله در شش جهت فگند	هم گریه بر ملایکِ هفت آسمان فتاد
هر جا که بود آهوئی از دشت پا کشید	هر جا که بُود طائری از آشیان فتاد
هر چند بر تن شهدا چشم کار کرد	بر زخمهای کاریِ تیغ و سنان فتاد
ناگاه چشم دخترِ زهرا رض در آن میان	بر پیکرِ شریفِ امامِ زمانؑ فتاد
بی اختیار نالهٔ "هذا حُسین" ازو	سر زد چنان که آتش ازو در جهان فتاد

پس با زبانِ پُر گله آن بضعةُ البتول رض
رُو در مدینه کرد که "یا ایها الرّسول ص!"

(۹)

"این کشتهٔ فتاده بهامون حسینؓ تست — این صیدِ دست و پا زده در خون حسینِ تست
این نخلِ تر کز آتشِ جانسوزِ تشنگی — دُود از زمین رسانده بگردون حسینِ تست
این ماهیِ فتاده بدریای خون که هست — زخم از ستاره بر تنش افزون حسینِ تست
این غرقهٔ محیطِ شهادت که رُوی دشت — از موجِ خونِ او شده گلگون حسینِ تست
این خشک لب فتاده و ممنوع از فرات — کز خونِ او زمین شده جیحون حسینِ تست
این شاهِ کم سپاه که با خیلِ اشک و آه — خرگاه ازین جهان زده بیرون حسینِ تست
واین قالبِ طپان که چنین مانده بر زمین — شاه شهید ناشده مدفون حسینؓ تست"

پس رُوی در بقیع به زهرا خطاب کرد
وحشِ زمین و مُرغ هوا را کباب کرد

(۱۰)

"کای مونسِ شکسته دلان حالِ ما ببین — ما را غریب و بیکس و بی آشنا ببین
تن های کشتگان همه در خاک و خون نگر — سرهای سروران همه بر نیزه ها ببین
آن سر که بود بر سرِ دوشِ نبی مدام — یک نیزه اش ز دوشِ مخالف جدا ببین
وآن تن که بود پرورشش در کنارِ تو — غلطاں بخاک معرکهٔ کربلا ببین
در خلد بر حجابِ دو کون آستین فشان — اندر جهاں مصائبِ ما بر ملا ببین
نی نی درآ چو ابرِ خروشان بکربلا — طغیانِ سیلِ فتنه و موجِ بلا ببین

یا بضعة الرسول! ز ابنِ زیاد داد
کاو خاک اہلِ بیتِ رسالت بباد داد

(۱۱)

اَے چرخ! غافلی کہ چہ بیداد کردۂ — وزکین چہا درین ستم آباد کردۂ

اے زادۂ زیاد! نکردہ است ہیچکس — نمرود این عمل کہ تو شدّاد کردۂ

کام یزید دادۂ از کُشتنِ حسینؓ — بنگر کرا بہ قتل کہ دل شاد کردۂ

بہرِ خسی کہ بیخ درختِ شقاوتست — در باغِ دین چہ باگل و شمشاد کردۂ

با دشمنانِ دین نتوان کرد آنچہ تو — با مصطفیٰ و حیدر و اولاد کردۂ

در طعنت این بس است کہ با عترتِ رسولؐ — بیداد کردہ خصم و تو امداد کردۂ

ترسم دمے ترا کہ بہ محشر در آورند

از آتشِ تو دُود ز محشر برآورند

انتخاب از شاهنامهٔ فردوسی

۱- هفت خوانِ رستم

رفتنِ قاصد به زابلستان و رفتنِ رستم به مازندران

پس از آن که کیکاوس بر تخت نشست روزی به هنگام باده پیمائی رامشگری در وصف مازندران سرودی خواند و کیکاوس برآن شد که بدان سرزمین رود. زال پدرِ رستم خواست او را مانع آید گفت که آن جا ولایتِ دیوان است" پادشاه نشنید و به مازندران رفت و بدستِ دیو سپید گرفتار آمد و چاره جوئی را به زابلستان کس فرستاد و زال را از گرفتاریِ خود آگاهی داد:

چو پوینده نزدیکِ دستان رسید	بگفت آن چه دانست و دید و شنید
به رستم چنین گفت دستانِ سام	که شمشیر کوته شد اندر نیام
نشاید کزین پس چمیم[1] و چریم	وگر خویشتن تاج را پروریم
که شاهِ جهان در دمِ اژدهاست	بر ایرانیان بر چه مایه بلاست

[1] چمیدن: رفتار از روی ناز، خرامیدن.

کنون کرد باید ترا رخش زین — بخواهی به تیغ جهان بخش کین
همانا که از بهرِ این روزگار — ترا پروراند پروردگار
ازین کار یابی تو نامِ بلند — رهائی دهی شاه را از گزند
برت را به ببرِ بیان[۱] سخت کن — سر از خواب اندیشه پردخت[۲] کن
اگر جنگ دریا کنی خون شود — از آوازِ تو کوه هامون شود
نباید که ارژنگ و دیو سپید — بجان از تو دارند هرگز امید
پس از رفتنت نام ماند بجای — بمانندران پوی و ایدر[۳] مپای
که روشن کنی نام سام سوار — به گیتی نبوده چو او نامدار
وزآن پس بگردد جهان رام تو — بلرزند دیوان هم از نامِ تو
چنین گفت رستم به فرّخ[۴] پدر — که من بسته دارم بفرمان کمر
تن و جان فدای سپهبد[۵] کنم — طلسم تن جادوان بشکنم
نه ارژنگ مانم[۶] نه دیو سپید — نه سنجه[۷] نه پولادغندی[۸] نه بید[۹]
چو خورشید سر بر زد از پشت راغ — جهان گشت ازو هم چو نو روز باغ
بپوشید ببر و برآورد یال — براو آفرین کرد بسیار زال
که کامت به گیتی فزاینده باد — تنِ دشمنانت گدازنده باد
همیشه بهرجای گسترده نام — نهاده ابر چرخ رخشِ تو گام

۱- جامه ای که رستم روز جنگ می پوشید.
۲- مخفف پرداخت = فارغ - ۳- بکسر - اینجا، اینک.
۴- زیبا، خجسته. ۵- بفتح با - خداوند و بزرگ لشکر.
۶- بگذارم. ۷و۸و۹- نامهای دیوان.

ترا پشت یزدان دادار[1] باد! / سر دشمنانت نگونسار باد!

چو پیلی برخش اندر آورد پای / رخش رنگ برجای و دل هم بجای

برون رفت آن پهلو نیمروز[2] / ز پیش پدر گرد گیتی فروز

دو روزه به یک روز بگذاشتی / شب تیره را روز پنداشتی

بدینسان پی رخش ببرید راه / به تابنده روز و شبان سیاه

تنش چون خورش جست آمد بشور / یکی دشت پیش آمدش پر ز گور[3]

یکی رخش را تیز بنمود ران / تگ گور شد با تگ او گران

کمند و پی رخش و رستم سوار / نیابد ازو دام و دد زینهار[4]

کمند کیانی بینداخت شیر / به خم اندر آورد گوری دلیر

کشید و بیفگند گور آن زمان / بیامد برش همچو شیر ژیان

ز پیکان تیر آتشی برفروخت / برو خار و خاشاک و هیزم بسوخت

ازآن پس که بیتوش[5] و بیجانش کرد / بر آن آتش تیز بریانش کرد

بخورد و بینداخت دور استخوانش / همین بود دیگ و همین بود خوانش

لگام از سر اسپ برداشت خوار[6] / چرا دید بگذاشت در مرغزار[7]

خوان اول کشتن رخش شیر را

یکی نیستان بستر خواب ساخت / در بیم را جای ایمن شناخت

۱ خدای عادل. ۲ سیستان. ۳ خر وحشی. ۴ پناه، امان.
۵ بی تاب. ۶ آسان. ۷ بفتح. سبزه زار.

بخوابید شمشیر در زیر سر / به آرام بنهاد چون شیر سر
در آن نیستان بیشهٔ شیر بود / که پیلی نیارست از آن نی ربود
چو یک پاس بگذشت درّنده شیر / بسوی کنامِ[1] خود آمد دلیر
به نی بر یکی پیلتن خفته دید / بر او یکی اسپ آشفته دید
سوی رخش رخشان بیامد دمان / چو آتش بجوشید رخش آنزمان
دو دست اندر آورد و زد بر سرش / همی تیز دندان به پشت اندرش
همی زدش بر خاک تا پاره کرد / ددی[2] را بدان چاره بیچاره کرد
چو بیدار شد رستم تیز چنگ / جهان دید بر شیر تاریک و تنگ
چنین گفت کای رخش ناهوشیار / که گفتت که با شیر کن کارزار
اگر تو شدی کشته بر دستِ اوی / من این ببر و این مغفر جنگجوی
چگونه کشیدی به مازندران / کمند و کمان تیغ و گرزِ گران
چرا نامدی نزد من با خروش / خروش توام چون رسیدی بگوش
سرم گر ز خواب خوش آگه شدی / ترا جنگ با شیر کوته شدی"
بگفت و بخفت و برآسود دیر / گوِ نامبردار گردِ دلیر

خوان دوم تشنگی رستم

چو خورشید بر زد سر از تیره کوه / تهمتن ز خواب خوش آمد ستوه
تنِ رخش بسترد[3] زین بر نهاد / ز یزدان نیکی دهش کرد یاد

---

۱ بضم: آرامگاه آدمی و حیوانات. ۲ جانور درّنده. ۳ پاک کرد.

نشست از بر رخش رخشان چو گرد	به خوانِ دوم پهلوان روی کرد
یکی راه پیش آمدش ناگزیر	همی رفت بایست بر خیره خیر[۱]
بیابان بی آب و گرمای سخت	کزو مرغ گشتی به تن لخت لخت
چنان گرم گردید هامون و دشت	تو گفتی که آتش برو برگذشت
تن رخش و گویا زبان سوار	ز گرمی و از تشنگی شد ز کار
پیاده شد از اسپ و زوبین[۲] بدست	همی رفت پویان بکردارِ مست
نمی دید بر چاره جستن رهی	سوی آسمان کرد روی آنگهی
چنین گفت "کای داور دادگر	همه رنج و سختی تو آری بسر
تو گفتی که من دادگر داورم	به سختی ستم دیده را یاورم
اگر داد بینی همه کارِ من	مگردان همی تیره بازارِ من"
همی گفت با خویشتن پیلتن	کجا یادش آمد ز گور و کفن
"که بودی اگر با سپاهیم کار	به آوردِ[۳] شان رفتمی شیروار
به یک حمله زیر و زبر کردمی	دم از جان ایشان بر آوردمی
ولیکن چه سود است مردی و زور	که شد بخت سازنده را چشم کور"
تنِ پیلوارش چو این گفته شد	شد از تشنگی سست و آشفته شد
بیفتاد رستم بر آن گرم خاک	زبان گشته از تشنگی چاک چاک
همان گه یکی میشِ نیکو سرین	به پیمود پیشِ تهمتن زمین
از آن رفتنِ میش اندیشه خاست	به دل گفت آبشخور[۴] اینجا کجاست

۱ حیران، سرگشته، بی سبب - ۲ نیزهٔ کوتاه - ۳ جنگ - ۴ سرچشمه.

همانا که بخشایش کردگار   فراز آمدست اندرین روزگار
بشد بر پی میش و تیغش بچنگ   گرفته به دستِ دگر پالهنگ[۱]
به ره بر یکی چشمه آمد پدید   که میش سرافراز آنجا رسید
تهمتن سوی آسمان کرد روی   چنین گفت کای داورِ راستگوی
برین چشمه جای پیِ میش نیست   همان غرم[۲] دشتی مرا خویش نیست
بجای که تنگ اندر آید سخن   پناهت بجز پاکِ یزدان مکن
بر آن غرم بر آفرین کرد چند   که از چرخِ گردون مبادت گزند
گیاه و در و دشتِ تو سبز باد   مبادا ز تو بر دلِ یوز[۳] یاد
به تو هر که یازد به تیر و کمان   شکسته کمان باد و تیره روان
زبانش چو پرداخته شد ز آفرین   ز رخشِ تگاور جدا کرد زین
همه تن بشستش بدان آب پاک   به کردارِ خورشید شد تابناک
چو سیراب شد ساز نخچیر کرد   بسیچید[۴] و ترکش[۵] پر از تیر کرد
بیفگند گوری چو پیل ژیان   جدا کرد ازو پای و چرم و میان
چو خورشید تیز آتشی برفروخت   برآورد ز آب و در آتش بسوخت
بپرداخت از آن پس بخوردن گرفت   بچنگ استخوانش فشردن گرفت
سوی چشمهٔ روشن آمد به آب   چو سیراب شد کرد آهنگِ خواب
بخفت و بیاسود و نگشاد لب   چمان و چران رخش تا نیم شب

۱ دوال و ریسمانی که بر کنار لگام اسب بندند۔ ۲ میش کوهی۔ ۳ جانور شکاری جوانیست میان سگ و پلنگ۔ ۴ آماده شد، ساز سفر کرد۔ ۵ بفتح اوّل۔ تیردان۔

خوانِ سوم کُشتنِ اژدها

ز دشت اندر آمد یکی اژدها — کزو پیل گفتی نیابد رها
بر آمد جهانجوی را خفته دید — بَرِ او یکی اسب آشفته دید
نخستین سوی رخش بنهاد روی — دوان رخش شد پیش دیهیم جوی
همی کوفت بر خاک روینه سم — چو تندر[1] خروشید و افشاند دم
تهمتن چو از خواب بیدار شد — سرِ پُر خرد پُر ز پیکار شد
بدان تیرگی رستم او را بدید — سبک تیغ تیز از میان برکشید
بغرّید بر سانِ ابرِ بهار — زمین کرد پُر آتش کارزار
برآویخت با او بجنگ اژدها — نیامد به فرجام هم زو رها
بدانسان بیاویخت با پیلتن — تو گفتی به رستم در آمد شکن
چو زورِ تنِ اژدها دید رخش — کزانسان بیاویخت با تاج بخش
بمالید گوش و در آمد شگفت — بکند اژدها را به دندان و کفت[2]
بدرّید چرمش بدانسان که شیر — درو خیره[3] شد پهلوان دلیر
بزد تیغ و انداخت از تن سرش — فرو ریخت چون رود خون از برش
به آب اندر آمد سر و تن بشُست — جهان جز به زورِ جهانبان نجست
به یزدان چنین گفت کای دادگر — تو دادی مرا دانش و زور و فر
چو از آفرین گشت پرداخته — بیاورد گل رخش را ساخته

[1] بضم اول - رعد - [2] شگافت، مخفّف کافت و کوفت و مقلوب کفت - [3] حیران -

خوان چهارم کُشتنِ زنِ جادو

نشست از برِ رخش و ره برگرفت — چمان[۱] منزل جادوان درگرفت
همی راند پویان به راهِ دراز — چو خورشید تابان بگشت از فراز
درخت و گیا دید و آبِ روان — چنان چون بود جای مردِ جوان
چو چشمِ تذروان یکی چشمه دید — یکی جامِ زرین برش پرنبید
یکی غرم بریان و نان از برش — نمکدان و ریچال[۲] گرد اندرش
فرود آمد از اسب و زین برگرفت — به غرم و بنان اندر آمد شگفت
نشست از برِ چشمه فرخنده پی — یکی جامِ یاقوت پُرکرده می
ابا می یکی نغز طنبور بود — بیابان کجا خانهٔ سُور بود
تهمتن مر او را ببر درگرفت — بزد رود و گفتارها برگرفت
که آوارهٔ بدنشان رستمست — که از روزِ شادیش بهره کمست
همه جای جنگست میدانِ اوی — بیابان و کوهست بستانِ اوی
همه جنگ با دیو و نر اژدها — ز دیوِ بیابان نیابد رها
می و جام و بویا گل و مرغزار — نکردست بخشش مرا روزگار
همیشه بجنگِ نهنگ اندرم — دگر با پلنگان به جنگ اندرم
به گوشِ زنِ جادو آمد سرود — همان نغمهٔ رستم و زخم[۳] رود[۴]

۱ بفتح اول: خرامان. ۲ مربا و نوعی از پنیر. ۳ بفتح اول: مضراب و آن چوبکی است باریک که بدان ساز نوازند و به معنی (زدن) هم آمده است. ۴ ساز.

بیاراست رُخ را بسان بهار — وگر چند زیبا نه بودش نگار[1]
بر رستم آمد پر از رنگ و بوی — بپرسید و بنشست نزدیکِ اوی
تهمتن بیزدان نیایش گرفت — جهان آفرین را ستایش گرفت
که در دشتِ مازندران یافت خوان — مَی و رود با میگسار جوان
ندانست کو جادوی ریمن[2] است — نهفته برنگ اندر اهرمن است
یکی طاس مَی بر کفش برنهاد — ز دادار نیکی دِهش کرد یاد
چو آواز داد از خداوند مهر — دگرگونه برگشت جادو به چهر
سیه گشت چون نامِ یزدان شنید — تهمتن سبک چون بدو بنگرید
بینداخت از باد خمّ کمند — سر جادو آورد ناگه به بند
میانش به خنجر به دو نیم کرد — دلِ جادوان را پُر از بیم کرد

خوانِ پنجم جنگ با اولاد

وزآن جا سوی راه بنهاد روی — چنان چون بود مردم راهجوی
همی رفت پویان بجایی رسید — که اندر جهان روشنائی ندید
شب تیره چون رُوی زنگی سیاه — ستاره نه پیدا نه تابنده ماه
تو خورشید گفتی به بند اندر ست — ستاره به خمّ کمند اندر ست
عنان رخش را داد و بنهاد روی — نه افراز دید از سیاهی نه جوی

[1] نقش، صورت، معشوق۔
[2] بکسر اوّل و فتح ثالث = چرکین، خسیس، مجیل۔

وز آنجا سوی روشنائی رسید ... زمین پرنیان[۱] دید یکسر خوید[۲]
جهانی ز پیری شده نوجوان ... همه سبزه و آب های روان
همه جامه برتنش چون آب بود ... نیازش به آسایش و خواب بود
برون کرد ببر بیان از برش ... بخوی[۳] اندرون غرقه بد مغفرش
بگسترد آن هر دو بر آفتاب ... بخواب و به آسایش آمد شتاب
لگام از سر رخش برداشت خوار ... رها کرد بر خوید و بر کشت زار
بپوشید چون خشک شد خود و ببر ... گیا کرد بستر بسان هژبر
سپر زیر سر تیغ بنهاد پیش ... نهاده بدسته برش دست خویش
چو در سبزه دید اسب را دشتبان ... گشاده زبان شد دمان[۴] و دنان[۵]
سوی رستم و رخش بنهاد روی ... یکی چوب زد گرم بر پای اوی
چو از خواب بیدار شد تهمتن ... بدو دشتبان گفت کای اهرمن
چرا اسب در خوید بگذاشتی ... بر رنج نابرده برداشتی
زگفتار او تیز شد مرد هوش ... بجست و گرفتش یکایک دو گوش
بیفشرد و برکند هر دو ز بن ... نگفت از بد و نیک با او سخن
سبک دشتبان گوش ها برگرفت ... غریوان[۶] ازو ماند اندر شگفت
بدان مرز[۷] اولاد بد پهلوان ... یکی نامداری دلیری جوان

۱ـ حریر منقّش. ۲ـ بفتح و کسر: گندم و جو را گویند که سبز شده باشد شاید: (زخوید) باشد. ۳ـ با واو معدوله بوزن می: عرق. ۴ـ فریاد کنان: دوان ۵ـ خراشان: نعره زنان. ۶ـ خروشان. ۷ـ زمین کاشته شده.

بشد دشتبان نزد او با خروش ‌‌ ‌ ‌ ‌ ‌ پُر از خون بر و دست بر کنده گوش
بدو گفت مردی چو دیو سیاه ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ پلنگینه جوشن از آهن کلاه
همه دشت سر تا سر اهرمنیست ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ وگر اژدها خفته در جوشن ست
مرا دید و برجست و یافه[1] نگفت ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ دو گوشم بکند و هم آنجا بخفت
چو بشنید اولاد برجست زود ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ برون آمد از سوز دل همچو دود
عنان را به پیچید با سرکشان ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ بدان سو که بود از تهمتن نشان
چو آمد به تنگ اندر آن جنگجوی ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ تهمتن سوی رخش بنهاد روی
نشست از بر رخش و برّنده تیغ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کشید و بیامد چو غرّنده میغ[2]
رسیدند چون یک به دیگر فراز ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ابا یک بدیگر کشادند راز
بدو گفت اولاد نام تو چیست ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ چه مردی و شاه و پناه تو کیست
چنین گفت رستم که نام من ابر ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ اگر ابر باشد به زورِ هژبر
همه نیزه و تیغ بار آورد ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ سران را سر اندر کنار آورد
به گوشِ تو گر نامِ من بگذرد ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ دم و خون و جان و دلت بفسرد
نیامد به گوشت بهر انجمن ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کمند و کمان گو[3] پیل تن
تو با این سپه پیش من راندی ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ همی گوز[4] بر گنبد افشاندی
نهنگِ بلا[5] بر کشید از نیام ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ بیاویخت از پیش زین خمِ خام[6]
چو شیر اندر آمد میانِ رمه ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ بکشت آنکه بودند پیشش همه

[1] سخن هرزه و بیهوده ـ [2] ابر ـ [3] بفتح اول: پهلوان، شجاع ـ
[4] بفتح اوّل وسکون ثانی: گردو: گوز بر گنبد افشاندن ـ کنایه از کارِ لغو و بیهوده کردن است ـ [5] کنایه از شمشیر ـ [6] کمند ـ

شکسته شد آن لشکر از پهلوان — گریزان برفتند تیره روان
درو دشت بُد پُر ز گرد سوار — پراگنده گشتند بر کوهسار
همی رفت رستم چو پیل دژم — کمندی به بازو درآن شست خم
به اولاد چون رخش نزدیک شد — به کردار شب روز تاریک شد
بیفگند رستم کمند دراز — به خمّ اندر آمد سر سرفراز
ز اسب اندر آمد دو دستش ببست — به پیش اندر افگند و خود برنشست
بدو گفت "اگر راست گوئی سخن — ز کژّی نه سر یابم از تو نه بُن
نمائی مرا جای دیو سپید — همان جای بولاد غندی و بید
بجائی که بسته است کاؤس شاه — کسی کاین بدیها نموده است راه
من این تاج و این تخت و گُرز گران — بگردانم از شاه مازندران
تو باشی برین بُوم و بر شهریار — گر ایدونکه[1] کژّی نیاری بکار
وگر کژّی آری بگفت اندرون — روان سازم از جسم تو جوی خون"
بدو گفت اولاد "مغزت ز خشم — بپرداز و بکشای یکباره چشم
تنِ من مپرداز خیره ز جان — بیابی ز من هر چه پُرسی نشان
بجایی که بسته است کاؤس شاه — نمایم ترا یک بیک شهر و راه
ترا خانهٔ بید و دیو سپید — نمایم من این را که دادی نوید
کنون تا بنزدیک کاؤس کی — صد افگنده فرسنگ فرخنده پی
وز آنجا سوی دیو فرسنگ صد — بیامد یکی راه دشخوار[2] بد

[1] چنانکه — [2] دشوار —

میان دو کوه هست پرهول[۱] جای	نپرد بر آن آسمانش همای
سر نرّه دیوان چو دیو سپید	کزو کوه لرزان بود همچو بید
یکی کوه یابی مر او را به تن	برو کفت[۲] و یالش بود ده رسن
ترا با چنین شاخ و دست عنان	گزارندهٔ تیغ و گرز و سنان
چنین برز[۳] و بالا و این کار کرد	نه خوبست با دیو پیکار کرد
تو تنهاستی و اگر ز آهنی	بسائی به سوهان اهریمنی"
بخندید رستم ز گفتار اوی	بدو گفت" گر با منی راه جوی
به بینی کزین یک تن پیلتن	چه آید بدان نامدار انجمن
به نیروی یزدان پیروز گر	به بخت و به شمشیر و تیر و هنر
چو بینند تاو[۴] پر و یال من	بجنگ اندرون زخم گوپال[۵] من
بدرّد پی و پوست شان از نهیب	عنان را ندانند باز از رکیب[۶]"
بگفت این و بنشست بر رخش شاد	دوان بود اولاد مانند باد
نیاسود تیره شب و پاک روز	همی راند تا پیش کوه اسپروز[۷]
بدانجا که کاوس لشکر کشید	ز دیو و ز جادو بدو بد رسید
چو یک نیمه بگذشت از تیره شب	خروش آمد از دشت و بانگ جلب[۸]
به مازندران آتش افروختند	بهر جای شمعی همی سوختند
تهمتن به اولاد گفت" آن کجاست	که آتش بر آید ز چپ و ز راست"

۱ پُر بیم - ۲ بکسر اوّل : دوش - ۳ بضمّ اوّل : قد و قامت - ۴ توانائی، قدرت - ۵ گرز - ۶ رکاب - ۷ بکسر اوّل : نام کوهی است ولی تحقیقاً معلوم نشد که در کجا واقع است - ۸ سنج - غوغا - آشوب -

دُر شهر مازندران ست" گفت	کُه از شب دو بهره نیارند خفت
سپهبد چو پولاد و ارژنگ و بید	همه پهلوانان دیو سپید
درختی که سر دارد اندر سحاب[1]	ستاره[2] زده برکشیده طناب
بدانجایگه باشد ارژنگ دیو	که هزمان[3] برآرد خروش و غریو"
بخفت آن زمان رستم جنگجوی	چو خورشید تابنده بنمود رُوی
به پیچید اولاد را بر درخت	به بندِ کمندش بیاویخت سخت

خوان ششم کشتنِ رستم ارژنگ را

چو خورشید بر زد سر از تیغِ کوه	جهان را بیفزود فرّ و شکوه
زخواب اندر آمد گوِ تاج بخش	وزآن جا برفت او بنزدیکِ رخش
بزین اندر افگند گرز نیا[4]	همی رفت یکدل پُر از کیمیا[5]
یکی مغفرِ خسروی بر سرش	خوی آلوده ببر بیان دربرش
بارژنگ سالار بنهاد رُوی	چو آمد به لشکرگه جنگ جوی
یکی نعره زد درمیانِ گروه	که گفتی بدرّید دریا و کوه
برون جست از آن خیمه ارژنگ دیو	چو آمد به گوشش از آنسان غریو
چو رستم بدیدش برانگیخت اسب	بیامد برِ او چو آذر گشسب[6]
سرو گوش بگرفت و یالش دلیر	سر از تن بکندش بکردارِ شیر

۱ بفتح اوّل : ابر ۔ ۲ خیمه، اختر ۔ ۳ مخفّف هرزمان ۔ ۴ جدّ ۔
۵ مکر و حیله ۔ ۶ آتشکده، برق، آتشِ جهنده ۔

بر آهیخت شمشیر کین پیلتن ز دیوان به پرداخت آن انجمن
چو برگشت خورشید گیتی فروز بیامد دمان تا به کوه اسپروز
ز اولاد بگشاد خم کمند نشستند زیر درخت بلند
تهمتن ز اولاد پرسید راه بشهری کجا[1] بود کاوس شاه
چو بشنید ازو تیز بنهاد روی پیاده دوان پیش او راه جوی
چو آمد بشهر اندرون تاج بخش خروشی بر آورد چون رعد رخش
چو بشنید کاوس آوازِ او بدانست انجام و آغازِ او
به ایرانیان گفت پس شهریار که ما را بسر آمد بد روزگار
خروشیدن رخشم آمد به گوش روان و دلم تازه شد زان خروش
همی گفت لشکر که کاوس شاه زبندِ گرانش شده جان تباه
خرد از سرش رفته و هوش و فر تو گوئی همی خواب گوید مگر
نداریم چاره درین بند سخت همانا که از ما بگردید بخت
درین گفته بودند ایرانیان کجا پهلوان تنگ بسته میان
بیامد هم اندر زمان پیش اوی یل آتش افروز پرخاشجوی[2]
گرفتش به آغوش کاوس شاه ز زالش بپرسید و از رنج راه
بزرگان براو خواندند آفرین که بی تو مباد اسب و گوپال و زین
از آن جایگه تنگ بسته کمر بیامد پر از کینه و جنگ سر
ابا خویشتن برد اولاد را همی راند مر رخش چون باد را

۱ کجا در این گونه موارد بمعنی «که» است. — ۲ بفتح اول : جنگجوی.

چو رخش اندر آمد بران هفت کوه	بدان نرّه دیوان گروها گروه
بنزدیک آن غارِ بی بن رسید	بگرد اندرش لشکر دیو دید

خوان هفتم کُشتنِ رستم دیو سپید را و رهائی یافتنِ ایرانیان

نکرد ایچ رستم برفتن شتاب	بدان تا برآمد بلند آفتاب
سر و پای اولاد محکم ببست	به خمّ کمند، آنگهی برنشست
برآهیخت جنگی نهنگ از نیام	بغرّید چون رعد و برگفت نام
میانِ سپه اندر آمد چو گرد	سران را به خنجر همی دُور کرد
به نیروی[1] او چون نبُد تابشان	ز تیغش بماندند در بیم جان
نایستاد کس پیش او در[2] بجنگ	نجُستند با او یکی نام و ننگ
وز آنجایگه سوی دیو سپید	بیامد به کردارِ تابنده شید[3]
به کردارِ دوزخ یکی غار دید	تن جادو از تیرگی ناپدید
زمانی همی بود در چنگ تیغ	نبد جای دیدار و راهِ گریغ[4]
چو مژگان بمالید و دیده بشست	در غارِ تاریک چندی بجست

[1] زور و قوّت. [2] در پیش او. [3] خورشید. [4] بضمّ اوّل: گریز.

به تاریکی اندر یکی کوه دید
سراسر شده غار ازو ناپدید

به رنگ شبه روی چون شیر موی
جهان پُر ز بالا و پهنای اوی

به غار اندرون دید رفته بخواب
به کشتن نکرد ایچ رستم شتاب

بغرّید غرّیدنی چون پلنگ
چو بیدار شد اندر آمد به جنگ

یکی آسیا سنگ را در ربود
بنزدیک رستم در آمد چو دُود

ازو شد دلِ پیلتن پر نهیب[۱]
بترسید کاید به تنگی نشیب

بر آشفت برسانِ شیر ژیان
یکی تیغ تیزش بزد بر میان

به نیروی رستم ز بالای او
بینداخت یک ران و یک پای او

بریده بیاویخت با او بهم
چو پیل سرافراز و شیر دژم

همی گوشت کند این ازان آن ازین
همی رگل گشت از خون سراسر زمین

تهمتن به نیروی جان آفرین
بکوشید بسیار با درد و کین

سرانجام ازآن کینه و کارزار
به پیچید بر خود گوِ نامدار

بزد چنگ و برداشتش نرّه شیر
بگردن در آورد و افگند زیر

فرو برد خنجر دلش بر دمید[۲]
جگرش ازتنِ نیره بیرون کشید

بیامد ز اولاد بگشاد بند
به فتراک بست آن کیانی کمند

به اولاد داد آن کشیده جگر
سوی شاه کاؤس بنهاد سر

۱ بکسر اوّل: ترس و بیم۔ ۲ دمیدن بمعنی جوش زدن خون وغیره، بر دمیدن درغضب شدن، ن: بر درید +

وزان سو دو چشم بزرگان براه — که کی باز گردد یل رزمخواه
به پیروزی از رزم آن دیو نر — به خنجر ز بالش جدا کرده سر
به شادی برآمد ز گردان فغان — که آمد سپهدار روشن روان
ستایش کنانش دویدند پیش — براو آفرین بود ز اندازه بیش
رسید آنگهی نزد کاوس کی — گو پهلوان شیر فرخنده پی[1]
چنین گفت "کای شاه دانش پذیر — به مرگ بداندیش رامش[2] پذیر
دریدم جگرگاه دیو سپید — ندارد بدو شاه[3] ازین پس امید
ز پهلوش بیرون کشیدم جگر — چه فرمان دهد شاه پیروزگر"
برو آفرین کرد کاوس شاه — "که بی تو مبادا کلاه و سپاه
بر آن مام کو چون تو فرزند زاد — نشاید جز از آفرین کرد یاد

---

[1] بفتح اوّل وضمّ ثالث : مبارک و فرخنده پی : مبارک قدم۔

[2] آرامیدن ، عیش و طرب۔

[3] شاه مازندران۔

۲- داستان رستم و سهراب

زگفتارِ دهقان یکی داستان / به پیوندم از گفتهٔ پاستان
ز موبد بدان گونه برداشت یاد / که رستم برآراست از بامداد
غمی بد دلش، ساز نخچیر کرد / کمر بست و ترکش پر از تیر کرد
برفت و به رخش اندر آورد پای / برانگیخت آن بادِ پیکر ز جای
چو نزدیکیٔ مرز توران رسید / بیابان سراسر پر از گور دید
به تیر و کمان و به گرز و کمند / بیفگند بر دشت نخچیر چند
چو بریان شد، از هم بکند و بخورد / ز مغز استخوانش برآورد گرد
پس آنگه خرامان بشد نزد آب / چو سیراب شد، کرد آهنگ خواب
بخفت و برآسود از روزگار / چمان و چران رخش در مرغزار
سواران ترکان تنی هفت و هشت / بدان دشت نخچیرگه برگذشت
چو در دشت مر رخش را یافتند / سوی بند کردنش بشتافتند
گرفتند و بردند پویان به شهر / همی هر کس از رخش جستند بهر
چو بیدار شد رستم از خوابِ خوش / بکار آمدش بارهٔ دست‌کش[۱]
بدان مرغزار اندرون بنگرید / ز هر سو همی بارگی را نه دید
همی گفت کاکنون پیاده دوان / کجا پویم از ننگِ تیره روان
کنون رفت باید به بیچارگی / به غم دل نهادن بیکبارگی

[۱] دست کش کسی باشد که دست کوری را بگیرد و او را بهر جا که خواهد ببرد،

پی رخش برداشت، ره برگرفت ... بس اندیشه‌ها در دل اندر گرفت

چو نزدیک شهر سمنگان[۱] رسید ... خبر زو به شاه و بزرگان رسید

پیاده بشد پیش او زود شاه ... بر او انجمن شد فراوان سپاه

بدو گفت شاه سمنگان "چه بود؟ ... که یارست با تو نبرد آزمود؟

درین شهر ما نیک‌خواه توایم ... ستاده بفرمان و راه توایم"

چو رستم به گفتار او بنگرید ... ز دل بدگمانیش کوتاه دید

بدو گفت "رخشم بدین مرغزار ... ز من دور شد بی لگام و فسار

ترا باشد ار باز جوئی سپاس ... بیابی تو پاداش نیکی شناس"

بدو گفت شاه "ای سرافراز مرد! ... نیارد کسی با تو این کار کرد

تو مهمان من باش و تندی مکن ... بکام تو گردد سراسر سخن"

تهمتن ز گفتار او شاد شد ... روانش ز اندیشه آزاد شد

سپهبد ورا داد در کاخ جای ... همی بود در پیش او بر بپای

سزاوار او جای آرام و خواب ... بیاراست، بنهاد مشک و گلاب

بر آسود رستم بر خوابگاه
غنوده شد از باده و رنج راه

[۱] سمنگان یا سمنجان از ولایت طخارستان است و شهری کوچک است بر طرف شرقی سه محلّه است و بر طرف غربی سه محلّه است متفرّق و قلعه ای محکم دارد و آب فراوان و باغستان بسیار دارد (نزهة القلوب).

ملاقاتِ تهمینه با سهراب

چو یک بهره زان تیره شب درگذشت / شب آهنگ بر چرخ گردان بگشت
یکی بنده شمعی معنبر بدست / خرامان بیامد ببالینِ مست
پس بنده اندر یکی ماه روی / چو خورشید تابان پُر از رنگ و بُوی
از او رستمِ شیردل خیره ماند / بر او بر جهان آفرین را بخواند
بپرسید ازو، گفت "نامِ تو چیست؟ / چه جوئی شب تیره؟ کام تو چیست؟"
چنین داد پاسخ که "تهمینه ام / تو گوئی که از غم به دو نیمه ام
یکی دخت شاه سمنگان منم / ز پشت هژبر و پلنگان منم
بکردار افسانه از هر کسی / شنیدم، همی داستانت بسی
بجستم همی کفت و یال و برت / بدین شهر کرد ایزد آبشخورت"
سخن های آن ماه آمد به بن / تهمتن سراسر شنید آن سخن
چو رستم بدان سان پری چهره دید / ز هر دانشی نزد او بهره دید
بفرمود تا موبدی پر هُنر / بیاید بخواهد ورا از پدر
بشد دانشومند نزدیک شاه / سخن گفت از پهلوانی سپاه
چو بشنید شاه این سخن شاد شد / بسان یکی سرو آزاد شد
بدان پهلوان داد آن دختِ خویش / بدانسان که بوداست آئین و کیش

نشان دادن رستم تهمینه را

به بازوی رستم یکی مهره بود / که آن مهره اندر جهان شهره بود

بدو داد و گفتش که "این را بدار ... گرت دختری آید از روزگار،
بگیر و به گیسوی او بر بدوز ... به نیک اختر و فال گیتی فروز
ور ایدون که آید ز اختر پسر ... به بندش به بازو نشانِ پدر"
وز آن جا سوئ زابلستان کشید ... کسی را نگفت آنچه دید و شنید

زادن سهراب و دریافتن نژاد خود از مادر

چو یک چند بگذشت بر دخت شاه ... یکی کودک آمد چو تابنده ماه
چو خندان شد و چهره شاداب کرد ... ورا نام تهمینه سهراب کرد
چو ده ساله شد زان زمین کس نبود ... که یارست با او نبرد آزمود
بر مادر آمد بپرسید از او ... بدو گفت گستاخ، "با من بگوی
ز تخم کیم و از کدامین گُهر؟ ... چه گویم چو پرسد کسی از پدر؟
گر این پرسش از من بماند نهان ... نمانم ترا زنده اندر جهان"
بدو گفت مادر که "بشنو سخن ... بدین شادمان باش و تندی مکن
تو پور گو پیلتن رستمی ... ز دستان و سامی و از نیرمی"
دگر گفت "کافراسیاب این سخن ... نباید که داند ز سر تا به بُن
که او دشمن نامور رستم است ... به توران زمین زو همه ماتم است"
چنین گفت سهراب "کاندر جهان ... ندارد کسی این سخن را نهان
کنون من ز ترکان جنگ آوران ... فراز آورم لشکری بی کران
برانم به ایران زمین کینه خواه ... همی گرد کینه بر آرم به ماه

به رستم دهم گنج و تخت و کلاه
نشانمش بر گاه کاوس شاه

ترا بانوی شهر ایران کنم
به جنگ اندرون کار شیران کنم"

. . . .

بگفت این و آمد سوی خانه باز
همی جنگ ایرانیان کرده ساز

زهر سو سپه شد بر او انجمن
که هم با گهر بود و هم تیغ زن

خبر یافتنِ افراسیاب از کارِ سهراب و فرستادنِ نامه پیشِ او و بر انگیختنش به جنگِ ایرانیان

خبر شد به نزدیکِ افراسیاب
که افگند سهراب کشتی به آب

هنوز از دهن بوی شیر آیدش
همی رای شمشیر و شیر آیدش

زمین را به خنجر بشوید همی
کنون رزم کاوس جوید همی

به گردانِ لشکر سپهدار گفت
"که این راز باید که ماند نهفت

پسر را نباید که داند پدر
ز پیوندِ جان و ز مهر و گهر"

یکی نامه بالا به و دل پسند
نبشته به نزدیک آن ارجمند

که "گر تخت ایران به چنگ آوری
زمانه بر آساید از داوری

فرستمت چندانکه باید سپاه
تو بر تخت بنشین و بر نه کلاه"

جهان جوی چون نامهٔ او بخواند
از آن جایگه تیز لشکر براند

سوی مرز ایران سپه را براند
همی سوخت و آباد چیزی نماند

جنگِ دژ سپید

دژی[1] بود کش خواندندی سپید … بدان دژ بد ایرانیان را امید
نگهبان دژ رزم دیده هجیر … که با زور و دل بود و با گُرز و تیر
چو سهراب نزدیک آن دژ رسید … هجیرِ دلاور مر او را بدید
بدان لشکر ترک آواز داد … چنین گفت آن گرد پهلو نژاد
"که گُردان گُدامند جنگ آوران … دلیرانِ کار آزموده سران"
چو سهرابِ جنگ آور او را بدید … بر آشفت و شمشیر کین بر کشید
ز لشکر برون تاخت بر سانِ باد … چنین گفت "کای داده جانت بباد
تو تنها به جنگ آمدی خیره خیر … کنون پای دار و عنان سخت گیر
چه مردی و نام و نژادِ تو چیست؟ … که زائنده را بر تو باید گریست"
هجیرش چنین داد پاسخ که "بس … به جنگت نه باید مرا یار کس
هجیر دلیر سپهبد منم … هم اکنون سرت را ز تن بر کنم
فرستم به نزدیکِ شاهِ جهان … تنت را کند کرگس اندر نهان"
سنان باز پس کرد سهراب شیر … بُن نیزه زد بر میانش دلیر
بزد بر زمینش چو یک لخت کوه … بجان و دلش اندر آمد ستوه
بپیچید و برگشت بر دستِ راست … غمی شد ز سهراب زنهار خواست
به بستنش به بند آنگهی جنگجوی … به نزدیکِ هومان فرستاد او

1 قلعهٔ، مخصوصاً قلعه بالای کوه را گویند.

به دژ در چو آگه شدند از هجیر | که او را گرفتند و بردند اسیر
خروش آمد و ناله از مرد و زن | که گم شد هجیر اندر آن انجمن

نامهٔ گژدهم بکاؤس و گذارش نمودن پهلوانیِ سهراب

چو برگشت سهراب گژدهم پیر | بیاورد و بنشاند مرد دبیر
یکی نامه بنوشت نزدیکِ شاه | برافگند پوینده مردی براه
دگه آمد بر ما سپاه گران | همه رزم جویان و کند آوران
یکی پهلوانی به پیشش اندرون | که سالش ز دو هفت نامد فزون
به نام است سهراب و گرد و دلیر | نه از دیو پیچد نه از پیل و شیر
نداریم ما تاب این جنگ جوی | بدین گرز و چنگال و آهنگ او

رسیدن نامه به خسرو و کنگاش او با بزرگانِ لشکر

چو نامه به نزدیکِ خسرو رسید | غمی شد دلش کان سخنها شنید
گرانمایگان را ز لشکر بخواند | وزین داستان چند گونه براند
چنین گفت با پهلوانان به راز | دگه این کار کرده بما بر دراز
چه سازیم و درمانِ این درد چیست؟ | به ایران هم آورد این مرد کیست؟
بر آن بر نهادند یکسر که گیو | به زابل شود نزدِ سالارِ نیو

گو پیلتن را بدین رزم گاه
بخواند که او هست پشت و پناه

نامهٔ کاؤس به رستم و طلبیدنش به جنگِ سهراب

یکی نامه فرمود پس شهریار — نوشتن برِ رستم نامدار
نخست آفرین کرد بر پهلوان — که بیدار دل باش و روشن روان
بدان گرزهِ ترک بر ما سری — یکی تاختن کرد با لشکری
از ایران ندارد کسی تابِ او — مگر تو که تیره کنی آبِ او
اگر خفتهٔ زود برجه ز جای — وگر خود به پائی زمانی مپای
چو نامه به مُهر اندر آمد، بداد — به گیو دلاور به کردار باد

رسیدن گیو به زابلستان

چو نزدیکِ زابلستان رسید — خروش طلایه به دستان رسید
که آمد سواری ز ایران چو گرد — بزیر اندرش بارهٔ ره نورد
تهمتن پذیره شدش با سپاه — نهادند بر سر بزرگان کلاه
ز اسپ اندر آمد گوِ نامدار — از ایران بپرسید و از شهریار
بگفت آنچه بشنید و نامه بداد — ز سهراب چندین سخن کرد یاد
تهمتن چو بشنید و نامه بخواند — بخندید و ازآن کار خیره بماند
به گیو آنگهی گفت پس پیلتن — که "ای گرد سالار لشکرشکن!
همه ایدر نشینیم امروز شاد — ز گردان و خسرو نگیریم یاد
وز آن پس بتازیم نزدیکِ شاه — بگردانِ ایران نمائیم راه"

چو آن روز بگذشت روز دگر   برآراست مجلس چو رخسار خور
سه دیگر سحرگه بیاورد می   نیامد ورا یاد کاؤس کی
بروز چهارم بیاراست گیو   چنین گفت با گرد سالار نیو
"به زابلستان گرد رنگ آوریم   زمین پیش کاؤس تنگ آوریم
شود شاه ایران به ما خشمگین   ز ناپاک رائی در آید به کین"
بدو گفت رستم "میاندیش زین   که با ما نشورد کس اندر زمین"
صبوحی از آن روز برخاستند   از اندیشه ها دل بپرداختند

آمدن رستم و گیو نزد کاؤس و خشم گرفتن او بر ایشان

بفرمود تا رخش را زین کنند   دم اندر دم نای رویین زنند
سواران زابل شنیدند نای   برفتند با ترگ و جوشن ز جای
از آن جا به درگاه شاه آمدند   گشاده دل و نیک خواه آمدند
چو رفتند بردند پیشش نماز   برآشفت و پاسخ نداد ایچ باز
یکی بانگ برزد به گیو از نخست   پس آنگاه شرم از دو دیده بشست
"که رستم که باشد که فرمان من   کند پست، و پیچد ز پیمان من؟
بگیرش، ببر، زنده بردار کن،   ازو نیز مگشای با من سخن"
تهمتن برآشفت بر شهریار   "که چندین مدار آتش اندر کنار
همه کارت از یکدگر بدتر است   ترا شهریاری نه اندر خور است
چنین تاج برتارک بی بها   بسی بهتر اندر دم اژدها"

به ایرانیان گفت "سهراب گرد — بیاید نماند بزرگ و نه خُرد
شما هر کسی چارهٔ جان کنید — خرد را بدین کار درمان کنید"
بزد اسب و از پیش ایشان برفت — همی پوست بر تنش گوئی بکفت
سپهدار گودرز کشواد رفت — بنزدیکِ خسرو خرامید تفت
به کاؤسِ کی گُفت: "رستم چه کرد — کز ایران برآوردی امروز گرد؟
کسی را که جنگی چو رستم بود — بیازارد، او را خرد کم بود"
به گودرز گفت "این سخن در خور است — لب پیر با پند نیکوتر است
بیاور تو او را به نزدیکِ من — که روشن شود جانِ تاریکِ من"
برفتند با او سرانِ سپاه — پس رستم اندر گرفتند راه
نیایش گرفتند بر پهلوان — که "جاوید باشی و روشن روان
تو دانی که کاؤس را مغز نیست — به تیزی سخن گفتنش نغز نیست
هم او زین سخنها پشیمان شده‌ست — ز تندی بخاید همی پشتِ دست"
تهمتن چنین پاسخ آورد باز — "که هستم ز کاؤسِ کی بی نیاز
تو دانی که نگریزم از کارزار — و لیکن سبک داردم شهریار"

برگشتن رستم به ترغیب گودرز و سران لشکر

چنین دید رستم از آن کار او — که برگردد آید به دربار او
از آن تنگ برگشت و آمد براه — خرامان بشد پیشِ کاؤس شاه
چو از دُور شه دید بر پای خاست — بسی پوزش اندر گذشته بخواست

که آزرده گشتی تو ای پیل تن
پشیمان شدم، خاکم اندر دهن
بدو گفت رستم که "گیهان تراست
همه کهترانیم و فرمان تراست
کنون آمدم تا چه فرمان دهی
تو شاه جهانداری و من رهی"
چنین گفت کاؤس کای پهلوان
ترا باد پیوسته روشن روان
چنین بهتر آید که امروز بزم
بسازیم و فردا گزینیم رزم"

لشکر کشیدن کاؤس به جنگِ سهراب

چو خورشید آن چادرِ قیرگون
بدرید و از پرده آمد برون
یکی لشکر آمد ز پهلو[1] به دشت
که از گرد اسپان هوا تیره گشت
ازین سان بشد تا در دژ رسید
شده سنگ و خاک از جهان ناپدید
خروشی بلند آمد از دیدگاه[2]
به سهراب بنمود کامد سپاه

پرسیدن سهراب نام و نشانِ سرداران ایران از هجیر

چو سهراب زان گونه آوا شنید
به باره برآمد سپه بنگرید
بیامد یکی تند بالا گزید
به جائی که ایران سپه را بدید
بفرمود تا رفت پیشش هجیر
بدو گفت "کژی نباید ز تیر
از ایران هر آنچت بپرسم بگوی
متاب از رهِ راستی هیچ روی"
چنین داد پاسخ هجیرش که "شاه
ز من هر چه پرسد ز ایران سپاه

[1] به فتح اول و ثالث: به معنی شهر است. — [2] جای نشستن دیدبان و حارس.

بگویم همه، هرچه دانم بدو — بکژی چرا بایدم گفتگوی"
بدو گفت "کز تو بپرسم همه — ز گردن کشان و زشاه و رمه

.. ..

زبهرام و از رستم نامدار — زهر چت بپرسم بمن برشمار
به قلب سپه اندرون جای کیست — ز گردان ایران ورا نام چیست؟"
بدو گفت "کان شاه ایران بود — که بر درگهش پیل و شیران بود"
(دگر) گفت "آن طوس نوذر بود — درفشش کجا پیل پیکر بود"
(دگر) گفت "آن فرّ آزادگان — سپهدار گودرز کشوادگان"
(دگر) گفت "آن پور گودرز گیو — که خوانند گردان ورا گیو نیو"
دگر گفت "آن را فرابرز خوان — که فرزند شاهست و تاج گوان"
(هجیر آنگهی گفت با خویشتن — که گر من نشان گو پیلتن
بگویم بر این شیردل نیک مرد — ز رستم بر آرد به ناگاه گرد
از آن به نباشد که پنهان کنم — ز گردن کشان نام او افگنم)
غمین گشت سهراب را دل بدان — که جائی نیامد ز رستم نشان
همی گفت سهراب "کاین نیست داد — ز رستم نه کردی سخن هیچ یاد"
چنین داد پاسخ مر او را هجیر — که "شاید بدن کآن گو شیرگیر
کنون رفته باشد به زابلستان — که هنگام بزم است در گلستان"
بدو گفت سهراب "کاین خود مگوی — که دارد سپهبد سوی جنگ روی
به رامش نشینند جهان پهلوان! — بر این بر بخندند پیر و جوان

مرا با تو امروز پیمان یکی است
بگویم که گفتارِ من اندکی است

اگر پهلوان را نمائی به من
سرافراز باشی بهر انجمن

ورایدون که این راز داری ز من
گشاده به من بر بپوشی سخن

سرت را نباشد همی تن بجای
میانجی کن اکنون بدین هر دو رای"

به سهراب گفت این چه آشفتن است
همه با من از رستمت گفتن است

چرا باید این کینه آراستن
به بیهوده چیزی ز من خواستن

که آگاهیِ آن نباشد برم
برین کینه خواهی بریدن سرم

بهانه نباید به خون ریختن
چه باید کنون رنگت آمیختن"

تاختنِ سهراب بر خیمهٔ کاؤس

چو بشنید گفتارهای درشت
سر پردلان زود بنمود پشت

به بست از پیٔ کینه آنگه کمر
نهاد از سرِ سروری تاجِ زر

برون آمد و رای ناورد کرد
برآورد بر چهرهٔ ماه گرد

بیامد دمان تا به قلبِ سپاه
رسید او به نزدیکِ کاؤس شاه

ازآن پس به جنبید از جای خویش
بنزدیکِ پرده سهرا رفت پیش

غمین گشت کاؤس و آواز داد
که "ای نامداران فرخ نژاد!

یکی نزد رستم برید آگهی
کزین ترک شد مغز گردان تهی"

همی آن بدین این بدان گفت زود
تهمتن چو از پرده آوا شنود

بزد دست و پوشید ببر بیان
به بست آن کیانی کمر بر میان

درفشش ببردند با او بهم	همی رفت پرخاش جوئی دژم
چو سهراب را دید و آن یال و شاخ	برش چون بر سام جنگی فراخ
بدو گفت "نرم ای جوان مرد نرم	زمین سرد و خشک و هوا نرم و گرم
همی رحمت آرد به تو بر دلم	نخواهم که جانت ز تن بگسلم"
چو آمد ز رستم چنین گفتگو	به جنبید سهراب را دل بدو
بدو گفت "کز تو به پرسم سخن	همه راستی باید افگند بن
من ایدون گمانی که تو رستمی	که از تخمهٔ نامور نیرمی"
چنین داد پاسخ "که رستم نیم	هم از تخمهٔ سام نیرم نیم"
ز امید سهراب شد نا امید	بر او تیره شد روی روز سفید

نبرد رستم با سهراب

به آوردگه رفت و نیزه گرفت	همی ماند از گفت مادر شگفت
یکی تنگ میدان فرو ساختند	به کوتاه نیزه همی باختند
تن از خوی پر آب و دهان پر ز خاک	زبان گشته از تشنگی چاک چاک
دو شیر اوژن از جنگ سیر آمدند	تبه گشته و خسته دیر آمدند
بخندید سهراب و گفت "ای سوار	به جنگ دلیران نه ای پایدار"
بدو گفت رستم "که شد تیره روز	چو پیدا کند تیغ گیتی فروز
به کشتی بگیریم فردا پگاه	ببینیم تا بر که گرید سپاه"
برفتند و روی هوا تیره گشت	ز سهراب گردون همی خیره گشت

از آن سوی رستم سپه را بدید | سخن راند با گیو گفت و شنید
ز سهراب رستم زبان برگشاد | ز بالا و برزش همی کرد یاد
که "کس در جهان کودکی نارسید | بدین شیرمردی و گردی ندید
ازو بازگشتم که بیگاه بود | که شب سخت تاریک بی ماه بود
چو فردا بیاید بدشت نبرد | بکشتی همی بایدم چاره کرد"
بگفت این و برخاست پس پیلتن | دژم گشته از پیش آن انجمن
به لشکر گه خویش بنهاد روی | پر اندیشه جان و سرش کینه جوی
وز آن روی سهراب با انجمن | همی می گسارید با رود زن
به هومان چنین گفت "کان شیرمرد | که با من همی گردد اندر نبرد
گمانی برم من که او رستم است | که چون او نبرده به گیتی کم است
نباید که من با پدر جنگ جوی | شوم خیره و اندر آرم به روی"

کشتی گرفتن سهراب و رستم

چو خورشید رخشان بگسترد پر | سیه زاغ پران فرو برد سر
تهمتن بپوشید ببر بیان | نشست از بر اژدهای دمان
بیامد بدان دشت آوردگاه | نهاده ز آهن به سر بر کلاه
بپوشید سهراب خفتان رزم | سرش پر ز رزم و دلش پر ز بزم
بیامد خروشان بدان دشت جنگ | بچنگ اندرون گرزهٔ گاو رنگ[1]

[1] گرز گاو پیکر.

ز رستم بپرسید خندان دو لب ‌ ‌ ‌ ‌ تو گفتی که با او بهم بود شب
که "شب چون بدی روز چون خاستی ‌ ‌ ‌ ‌ ز پیکار دل بر چه آراستی
دل من همی بر تو مهر آورد ‌ ‌ ‌ ‌ همی آب شرمم به چهر آورد
مگر پور دستان سام یلی ‌ ‌ ‌ ‌ گزین نامور رستم زابلی؟"
بدو گفت رستم که "ای نامجوی ‌ ‌ ‌ ‌ نکردیم هرگز چنین گفتگوی
ز کشتی گرفتن سخن بود دوش ‌ ‌ ‌ ‌ نگیرم فریب تو زین درمکوش
نه من کودکم، گر تو هستی جوان ‌ ‌ ‌ ‌ به کشتی کمر بسته دارم میان"

در آویختن رستم و سهراب

به بستند بر سنگ اسب نبرد ‌ ‌ ‌ ‌ برفتند هر دو روان پر ز درد
چو شیران به کشتی در آویختند ‌ ‌ ‌ ‌ ز تن ها خوی و خون، همی ریختند
سپهدار سهراب آن زور دست ‌ ‌ ‌ ‌ تو گفتی که چرخ بلندش بخست
غمی گشت رستم بیازید چنگ ‌ ‌ ‌ ‌ گرفت آن سر و یال جنگی پلنگ
خم آورد پشت دلاور جوان ‌ ‌ ‌ ‌ زمانه سرآمد، نبودش توان
زدش بر زمین بر بکردار شیر ‌ ‌ ‌ ‌ بدانست کو هم نه ماند به زیر
سبک تیغ تیز از میان برکشید ‌ ‌ ‌ ‌ بر پور بیدار دل بر درید
به پیچید و زان پس یکی آه کرد ‌ ‌ ‌ ‌ ز نیک و بد اندیشه کوتاه کرد
بدو گفت کاین بر من از من رسید ‌ ‌ ‌ ‌ زمانه به دست تو دادم کلید
تو زین بی گناهی که این کوژپشت ‌ ‌ ‌ ‌ مرا برکشید و به زودی بکشت

نشان داد مادر مرا از پدر
ز مهر اندر آمد روانم به سر

همی جستمش تا ببینمش روی
چنین جان بدادم درین آرزوی

دریغا که رنجم نیامد به سر
ندیدم درین هیچ روی پدر

بخواهد هم از تو پدر کین من
چو بیند که خشت است بالین من

ازآن نامدارانِ گردن کشان
کسی هم برد سوی رستم نشان"

چو بشنید رستم سرش خیره گشت
جهان پیش چشم اندرش تیره گشت

بپرسید زآن پس که آمد به هوش
بدو گفت با ناله و با خروش

"بگو تا چه داری ز رستم نشان
که گم باد نامش ز گردن کشان

که رستم منم کم مماناد نام!
نشیناد بر ماتمم پور سام!"

چو سهراب رستم بد انسان بدید
بیفتاد و هوش از سرش برپرید

بدو گفت "گر زانکه رستم توئی
بکشتی مرا خیره بر بد خوئی

کنون بند بگشای از جوشنم
برهنه ببین این تنِ روشنم

ببازوم بر مهرهٔ خود نگر
ببین تا چه دید این پسر از پدر"

چو بگشاد خفتان و آن مهره دید
همی جامه بر خویشتن بر درید

یکی دشنه بگرفت رستم بدست
که از تن ببرد تنِ خویش پست

بزرگان بدو اندر آویختند
ز مژگان همی خون دل ریختند

بدو گفت گودرز "اکنون چه سود
گر از روی گیتی برآری تو دود

تو بر خویشتن گر کنی صد گزند
چه آسانی آید بر آن ارجمند؟"

نوشدارو خواستن رستم از کاؤس

به گودرز گفت آن زمان پهلوان — "که ای گرد با نام روشن روان!
پیامی ز من پیش کاؤس بر — بگویش که ما را چه آمد بسر
بدشنه جگرگاه پور دلیر — دریدم که رستم مماناد دیر!
گرت هیچ یاد است کردار من — یکی رنجه کن دل به تیمار من
از آن نوشدارو که در گنج تست — کجا خستگان را کند تندرست
به نزدیک من با یکی جام می — سزد گر فرستی هم اکنون ز پی
مگر کو به بخت تو بهتر شود — چو من پیش تخت تو کهتر شود"
بیامد سپهبد بکردار باد — به کاؤس یکسر پیامش بداد
بدو گفت کاؤس "کز پیلتن — کرا بیشتر آب نزدیک من
ولیکن اگر داروی نوش من — دهم، زنده ماند یل پیلتن
اگر ماند او زنده اندر جهان — نه پیچند از وی کهان و مهان"
کسی دشمن خویشتن پرورد — به گیتی درون نام بد گسترد"
چو بشنید گودرز برگشت زود — بر رستم آمد به کردار دود
بدو گفت "خوی بد شهریار — درختیست حنظل همیشه بهار
ترا رفت باید بنزدیک او — که روشن کنی جان تاریک او"
گو پیلتن سر سوی راه کرد — کس آمد پیش زود آگاه کرد
"که سهراب شد زین جهان فراخ — همی از تو تابوت خواهد نه کاخ"

زاری کردنِ رُستم بر نعشِ سهراب و بُردنِ تابوتش نزدِ زال و رودابه

چو بشنید رستم خراشید رُوی	همی زد بسینه، همی کند موی
همی گفت زار" ای نبرده جوان	سرافراز و از تخمهٔ پهلوان
کرا آمد این پیش کآمد مرا	که فرزند کشتم به پیران سرا"
همی ریخت خون و همی کند خاک	به تن جامهٔ خسروی کرده چاک
زبانِ بزرگان پُر از پند بود	تهمتن به درد جگر بند بود
پس آنگه سُوی زابلستان کشید	چو آگاهی از وَی بدستان رسید
همه سیستان پیش باز آمدند	به رنج و به درد و گداز آمدند
چو تابوت را دید دستانِ سام	فرود آمد از اسبِ زرین لگام
ببارید دستان ز دو دیده خون	بنالید با داور رهنمون
همی گفت زال" اینت کاری شگفت	که سهراب گُرزِ گران برگرفت
نشانی شد اندر میان جهان	نه زاید چنو مادر اندر جهان"
همی گفت و مژگان پر از آب کرد	زبان پُر ز گفتار سهراب کرد
چو رودابه تابوتِ سهراب دید	ز چشمش روان جوی خوناب دید
به زاری همی مویه آغاز کرد	همی برکشید از جگر بادِ سرد
"که ای پهلوان زادهٔ بچّهٔ شیر!	نه زاید چو تو زورمند دلیر"

همی گفت زار "ای گوِ سرفراز	زمانی ز صندوق سر بر فراز
نگوئی چه آمدت پیش از پدر	چرا بر دریدت بدینسان جگر"
فغانش ز ایوان به کیوان رسید	همی زار بگریست هر کآن شنید

آگاهی یافتنِ مادرِ سهراب از کشته شدنش و نوحهٔ او

به مادر خبر شد که سهراب گرد	ز تیغِ پدر خسته گشت و بمرد"
همی گفت کای جان مادر کنون	کجائی سرشته به خاک و به خون؟
غریب و اسیر و نژند و نزار	به خاک اندرون آن تنِ نامدار
دو چشمم به ره بود، گفتم مگر	ز سهراب و رستم بیابم خبر
چه دانستم ای پور کآید خبر	که رستم به خنجر دریدت جگر
به پرورده بودم تنت را به ناز	به رخشنده روز و شبانِ دراز
کنون آن به خون اندرون غرقه گشت	کفن بر تنِ پاک تو خرقه گشت
کنون من کرا گیرم اندر کنار	که خواهد بدن مر مرا غمگسار
کرا گویم این درد و تیمار خویش	کرا خوانم اکنون به جای تو پیش
پدر جستی ای گردِ لشکرپناه	بجائی پدر گورت آمد به راه
ازآن پیش کاو دشنه را بر کشید	جگرگاهِ سیمینِ تو بر درید
چرا آن نشانی که مادرت داد	ندادی بر او بر نه کردیش یاد
چرا نامدم با تو اندر سفر	که گشتی به گردان گیتی سمر
مرا رستم از دور بشناختی	ترا با من ای پور بنواختی"

همی گفت و می خست و می کند موی | همی زد کف دست بر خود بروی

ز بس کو همی شیون و ناله کرد | همه خلق را چشم پر ژاله کرد

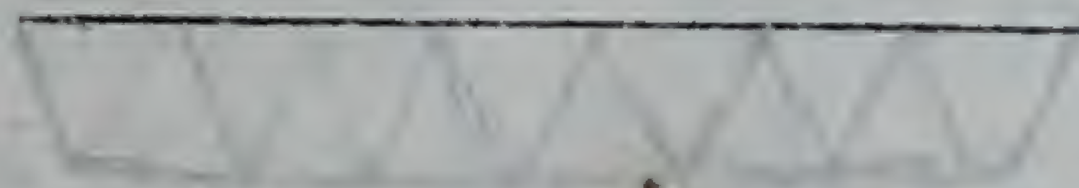
برین گونه بیهش بیفتاد پست | همه خلق را دل بر او بر بخست

به هوش آمد و باز نالش گرفت | بر آن پور کشته سگالش گرفت

بپوشید پس جامهٔ نیلگون | همان نیلگون غرق گشته بخون

به روز و به شب مویه کرد و گریست | پس از مرگ سهراب سالی نزیست

سرانجام هم در غم او بمرد
روانش بشد سوی سهراب گُرد



مقطّعات و منقطعات

۱- از مجمع الفصحا

۱- در مذمّت شعر و شاعری

یارب این قاعدهٔ شعر به گیتی که نهاد؟ ‌ ‌ که چو جمع شعرا، خیر دو گیتیش مباد!
ای برادر بجهان بدتر ازین کاری نیست ‌ ‌ هان و هان تا نکنی تکیه براین بی بُنیاد
در فلک نیز عطارد ز پی شومی شعر ‌ ‌ یابد از سوزش دل هر دو مهی صد بیداد
گفتنش کندن جانست و نوشتن غم دل ‌ ‌ محنت خواندنش، آن به که نیاری در یاد
این چه صنعت بود آخر، بنگوئی، که از آن ‌ ‌ در همه عمر یکی لحظه نباشی دل شاد
خود از آن کس چه بکاهد که تو گوئیش "بخیل" ‌ ‌ یا بر آن کس چه فزاید که تواش خوانی "راد"
کاغذی پُر کنی از حشو و فرستی به کسی ‌ ‌ بس برنجی، که مرا کاغذِ زر نفرستاد
آن نه خود حجّت شرعی نه خطِ دیوانیست ‌ ‌ پس از آن خط، تو چیزیش چرا باید داد
وین چه ژاژ است دگر باره، که ابیات مدیح ‌ ‌ گر بود هفت، فرستی به تقاضا هفتاد
پس ازین هم نشوی قانع و از پی تازی ‌ ‌ بسوی خانهٔ ممدوح، چو تیری ز گشاد
همچو آئینه نهی در رخِ او پیشانی ‌ ‌ او ز تو شرم کند، همچو عروس از داماد
ق وان مشنو که بگویند فلان شخص بشعر ‌ ‌ از فلان شاه به خروار زر و سیم ستاد
کان پی مصلحت خویش همانا گفتند ‌ ‌ که نبودند زبندِ طمع و حرص آزاد

ورنه با وجود طبیعی ز بی رحمت خلق
ور کسی زاد به بخت منش از روی زمین
آنچه مقصود ز شعر است چو در گیتی نیست

من بر آنم که کس از مادر ایام نزاد
چرخ ببرید بیکبار مگر نسل و نژاد
شاعران را همه زین کار خدا توبه دهاد

(اثیرالدین اومانی)

۲- در مناظرهٔ قوس و رمح و مدح شهریار منوچهر

هر سلاحی را دگر زخمی است اندر کارزار — زخم سخت آن دو ان کز آن گرد عدو را کار زار
لیک آن کو هم بجای خویش زخم آورد دو — رمح و قوس است آلت جنگ آوران کین گذار
هر دو را روزی جدال افتاد باهم در سخن — این بر آن آورد حجت آن بدین کرد افتخار
رمح گفت از تو که قوسی فضل من بهتر از آنک — تو چو پشت عاشقی من چون قد دلبر نگار
قوس گفت ار چون قد یاری چه بود؟ کز مثال — من چنان کابروی یارم گر توئی چون قد یار
رمح گفتا بد عصای موسی مرسل چو من — آنکه شد مار و برآورد از سر دشمن دمار
قوس گفتا بد عصای موسی آری چون تو لیک — آن عصا هم شبه من شد چون اعدا گشت یار
رمح دیگر ره به تندی گفت تو کوته قدی — مردم کوتاه معجب باشد و نابرد بار
قوس گفت ار کوته ام من کوتهان معجب بوند — تو درازی و دراز احمق بود زی هوشیار
رمح گفت ای شوخ! خامش کن زبان تا فضل خویش — من بگویم چون بگفتم آن زمان پاسخ گذار
آن منم کز قطر خونم هم منقط راغ و دشت — آن منم کز شکل کین بیازم مخطط کوه و غار
هم یکی پیچنده مارم کم ز آجال است دم — هم یکی جنبان درختم کم ز پولاد است بار
از من آمد فخر و پیروزی دلیران عرب — از من آمد رایت منجوق شاهان کبار

قوس گفتا بسکه گفتی یافه[1] اکنون یک بیک — پاسخ از من بشنو و غفلت بلفظم برگمار

از سپهر صف منم بر پشت رزم انجم فشان — وز غمامِ کین منم بر جانِ خصم الماسِ بار

هم بقوت زنده بیلم، هم بهیبت شرزه شیر — هم به پیچش تند بادم، هم بسوزش تفته نار

بر جهان ژاله چو نوکِ تیر من، بارد[2] غمام — وز هوا قوس قزح، چون من پدید آرد بهار

جز بصحرا بر نیائی تو بکار، آنجا که جنگ — هم بصحرا بر بکار آیم من و هم در حصار

شاخ میوه در خزان چون من گردد[3] خم گاهِ بر — ماه گردون هر مهی چون من شود وقتِ نزار

فخر چندینی مکن، گر تو طویلی، من قصیر — کز چنارِ بی ثمر، بهتر درختِ سیب و نار

ور عرب را زینتی گشتی تو، اکنون ترک را — زینتِ ترکان منم، وز من عرب شد تاز و مار

صاحبت را در سفر توشه ننانی داد تو — از هوا من آورم مرغان و صید از مرغزار

رح کاین بشنید عاجز گشت، عذر آورد و گفت — "راست گفتی وین نیاموختی[4] مگر از شهریار

تا مور میر اجل، والا منوچهر اصل ملک — تاج شاهان و شجاع دولت و فخر تبار

جود را طبعش مکان، فرهنگ را خلقش در است — فضل را خاطرش معدن، عقل را رایش عیار

هفت گردون را بدزد تیر او در یک روش — هفت دریا را بسوزد تیغ او در یک شرار

مهر دارد چادر از گرد، و مه از آتش لباس — زهره پیرایه ز پیکانها، زحل از خون ازار

خسروا از خدمت بنده نیامد سیر، لیک — دیر شد تا دورم از ماوای و یار و غمگسار

لاله بودم زری، فخار این رهی لیکن گشت چرخ — زیر خیری لاله ام بنهفت و زیر برف قار

کوه کن زری که شود، غواص ری دریا رود — تا مگر این زر برد، و آن در بیابد شاهوار

تو ملک هم کوه احسانی و هم دریای جود — کی عجب پس گر زند تا باز گردم شاد خوار

(اسدی طوسی)

---

۱ سخنان هرزه ۔ ۲ مخفف گیرد ۔ ۳ خوش حال و فرحناک و شادمان ۔ ۴ نیاموختی ۔

ب- از مجمع اللّطائف مظفّر حسین سمرقندی (در حدود ۹۵۲ھ)

۳- مناجات

الهی غنچهٔ امّید بگشای
گلی از روضهٔ جاوید بنمای
بخندان از لب آن غنچه باغم
وز آن گل عطر پرور کن دماغم
درین محنت سرای بی‌مواسا
بنعمت های خویشم کن شناسا
ضمیرم را سپاس اندیشه گردان
زبانم را ستایش پیشه گردان
ز تقویم خرد بهروزیم بخش
بر اقلیم سخن فیروزیم بخش
دلی دادی ز گوهر گنج بر گنج
ز گنج دل زبان را کن گهر سنج
کشادی نافهٔ طبع مرا ناف
معطّر کن ز مشکم قاف تا قاف
ز شعرم خامه را شکّر زبان کن
ز عطرم نامه را عنبر فشان کن
سخن را خود سر انجامی نماندست
وز آن نامه بجز نامی نماندست
درین خمخانهٔ شیرین فسانه
نی یابم صدائی زان ترانه
حریفان باده ها خوردند و رفتند
تهی خمخانه ها کردند و رفتند
نه بینم پختهٔ زین بزم و خامی
که باشد بر کفش زان باده جامی
بیا جامی ار ها کن شرمساری
ز صاف و دُرد پیش آر آنچه داری

(یوسف زلیخای جامی رح)

۴- و لهٗ ایضاً فی المناجات

خداوندا! ز هستی ساده بودیم
ز بیم نیستی آزاده بودیم

نخست از نیست ما را هست کردی　　بقید آب و گل پابست کردی
ز ضعف نا توانائی رهاندی　　ز نادانی به دانائی رساندی
فرستادی بما روشن کتابی　　به امر و نهی فرمودی خطابی
میان نیک و بد تخلیط کردیم　　گهی افراط و گه تفریط کردیم
ره فرمودنی ها کم سپردیم　　به نافرمودنی ها پا فشردیم
تو نگذشتی ز دستور عنایت　　نه پوشیدی ز ما نور هدایت
بر آن نور از تو گیرم پوشش نیست　　چه حاصل زان چو ما را کوشش نیست
ز نا کوشیدن خود در خروشیم　　بده توفیق کوشش تا بکوشیم
چو دانا همچو نادان گشته غرق است　　ز دانش تا بنادانی چه فرق است
ز دستانهای نفس ناخوش آهنگ　　مکن بر ما ره حسن عمل تنگ
در آن تنگی که ما باشیم واهی　　ز رحمت سوی ما بگشای راهی
ازان ره خوان سوی درگاه را　　به ایمان بر برون همراه ما را

۵ - هم او گوید در صفت شب

شبی خوش همچو صبح زندگانی　　نشاط افزا چو ایام جوانی
ز جنبش مرغ و ماهی آرمیده　　حوادث پای در دامن کشیده
درین بستان سرای پر نظاره　　نمانده باز جز چشم ستاره
سگان را طوق گشته حلقهٔ دم　　دران حلقه ره فریادشان گم
ربوده دزد شب هوش عسس را　　زبان بسته جرس جنبان جرس را

ستاده از دہل کوبی دہل کوب	ہجوم خواب دستش بستہ بر چوب

۶- منازلِ عمر - شیخ نظامی راست

حدیث کودکی و خودپرستی	رہا کن کان خماری بود و مستی
چو عمر از سی گذشت یا خود از بیست	نمی باید دگر چون غافلان زیست
نشاط عمر باشد تا چہل سال	چہل چون شد، فرو ریزد پر و بال
پس از پنجہ نباشد تندرستی	بصر کندی پذیرد، پای سستی
چو شصت آمد، شکست آمد بدیوار	چو ہفتاد آمد، افتاد آلتِ کار
بہ ہشتاد و نود چون در رسیدی	بسا سختی کہ از گیتی کشیدی
وز آنجا گر بصد منزل رسانی	بود مرگ و بصورت زندگانی
پس آن بہتر کہ خود را شاد داری	در آن شادی خدا را یاد داری

۷- مرثیۂ دلشاد خاتون - سلمان راست

سرِ بالای تو در خاک، دریغست دریغ	زیرِ خاک این گہرِ پاک، دریغست دریغ
دامنِ پیرہنِ عمرِ تو ای یوسفِ عہد	شدہ چون دامنِ گل چاک، دریغست دریغ
ای بخاکِ لحد و تختۂ تابوتِ اسیر	سروِ آزادِ تو خاشاک، دریغست دریغ
جای آن بود، کہ جای تو بود در دیدہ	راستی جای تو در خاک، دریغست دریغ

۸- مرثیۂ فرزند - از مولانا عبد الرحمٰن جامی

ریختی خونِ دل از دیدۂ گریانِ پدر	رحم بر جانِ پدر نامدت ای جانِ پدر!

نو بهار آمد و گلها همه رستند ز خاک ... تو هم از خاک بر آ، ای گلِ خندانِ پدر

جانِ خود بدهد و جانِ تو عوض بستاند ... گر بود قابضِ ارواح به فرمانِ پدر

خوابِ بدت، که دلِ جمع پریشان ی ... راست عاقبت این خوابِ پریشانِ پدر

ولہٗ ایضاً

زیرِ گل تنگ دل ای غنچهٔ رعنا چونی؟ ... بی تو ما غرقه به خونیم، تو بی ما چونی؟

سلکِ جمعیتِ ما، بی تو گسستست ز هم ... ما که جمعیم، چنینیم، تو تنها چونی؟

می شود دیدهٔ بینا ز غباری تیره ... زیرِ خاک آمده ای، دیدهٔ بینا چونی؟

رو به صحرای عدم تافتی از شهر وجود ... من ازین شهر ملولم، تو به صحرا چونی؟

چون کسی نیست کزو صورتِ حالت پرسم

بهرِ تسکینِ دلِ خود ز خیالت پرسم

۱۰ـ فیضی راست

من براهی میروم کانجا قدم نامحرم است ... وز مفاهیم حرف می گویم که دم نامحرم است

خوش دلم گر دیدهٔ من شد سفید از انتظار ... کز پی دیدارِ جانان دیده هم نامحرم است

ما اگر مکتوب ننوشتیم عیبِ ما مکن ... در میانِ رازِ مشتاقان قلم نامحرم است

هر کجا جان می رود تن را در آنجا بار نیست ... هر کجا سلطان کند خلوت، حشم نامحرم است

فیضی از بزمِ نشاطِ ما حریفان غافلند

هر کجا ما جام می گیریم جم نامحرم است

۱۱- از ماست که بر ماست

یک روز عقابی ز سرِ سنگ هوا خواست — وز بهر طمع بال به پرواز بیاراست
اندر سر خود کرد بسی کبر و منی را — گفتا که "همه روی زمین در نظر ماست
گر دل شودم تنگ درین عالم خاکی — بر طارمِ افلاک مرا مسکن و ماواست
نسپرین فلک را بمن از عالم دعوی — در قوّتِ پرواز کجا زهره و یاراست؟
گر پشت کنم جانبِ افلاک، به بینم — یک یک سرِ موی که نهان در تهِ دریاست
جز من که تواند که پر دد در همه عالم؟ — زیرا که کمین پرّشِ من، عالم بالاست"
آنجا که منم از بنی آدم نرسد زخم — گر همّت پیر است و گر بازوی برناست
بسیار منی کرد و ز تقدیر نترسید — گفتا که "فلک در پرِ من واله و شیداست"
ناگه ز کمین گوشه یکی سخت کمانی — تیری ز قضا و قدر انداخت بر او راست
از شستِ جوان، تیر چنان تیز بدر رفت — گفتی که، مگر رفتن او تا به ثریّاست
بر بالِ عقاب آمد آن تیرِ جگر دوز — از عالمِ علویش به سفلیش فرو خواست
بر خاک بیفتاد و طپان گشت چو ماهی — گفتا که "فلک را ز چه با ما همه غوغاست
آن لحظه کجا بودم، و این لحظه کجایم — این لحظه دلم پرغم و اندوه ز سوداست"
سخنش عجب آمد که ز چوب است و ز آهن — این تندی و تیزی و پریدن ز چه پیداست؟
چون نیک نظر کرد، پرِ خویش بر او دید — گفتا "ز که نالیم؟ "همه از ماست که بر ماست"
در قهقههٔ کبک دو صد چنگل باز است — و اندر پس هر خنده دو صد گریه مهیّاست
سعدی بدر آور ز سرت کبر و منی را — دیدی که عقابی که منی کرد چه برخاست

۱۲- کلام حکیم گرامی شیخ نظامی

نانِ جوین و خرقهٔ پشمین و آبِ شور		سی پارهٔ کلام و حدیثِ پیمبری
با یک دو همنشین، که نیرزد به نیم جو،		در پیشِ چشمِ همّتِ شان، ملکِ سنجری
تاریک کلبهٔ که پیِ روشنیِ آن		بیهوده منّتی ننهد شمعِ خاوری
گر از سپهر عقدِ ثریّا فرستدم	ق	از روی مهر بر طبقِ ماهِ مشتری
در وی، بخاکِ پای قناعت، که ننگرم		تا این حدیث را تو به بازیچه نشمری
تا بیخِ حرص بر نکنی از زمینِ دل		از شاخِ دین دمی نتوانی که برخوری

۱۳- مصلح الدّین شیخ سعدی راست

نظر کردم به چشمِ رای و تدبیر		ندیدم به ز خاموشی خصالی
نگویم لب ببند و دیده بر دوز		ولیکن هر مقامی را مقالی
زمانی بحثِ علم و درسِ تنزیل		که باشد نفسِ انسان را کمالی
زمانی نرد و شطرنج و حکایات		که باشد عقل را دفعِ ملالی
خدایست آنکه ذاتِ بی مثالش		نگردد هرگز از حالی به حالی

۱۴- قدوة الشّعراء حکیم انوری راست

در حدودِ ری یکی دیوانه بود		سال و مه کردی بطرفِ دشت گشت
در تموز و دی بسالی یک دو بار		جانبِ شهر آمدی از طرفِ دشت

گفتی: "ای آنانکه تان آماده بود
قاقم[1] و سنجاب[2] در سرما سه چار
گر شما را کارسازی بد، چه شد
راحت هستی و رنجِ نیستی

گاه قرب و بُعد این زرّینه طشت
توزی[3] و کتّان به گرما هفت هشت
ور چه ما را بود بی برگی چه گشت
بر شما بگذشت و بر ما هم گذشت"

۱۵- ابن یمین راست

شنیدهٔ تو که محمود غزنوی شب دی
یکی فقیر در آن شب سرِ تنور گزید
چو صبح گشت بر آورد نعره "کای محمود!

نشاط کرد و شبش جمله در سمور گذشت
شبِ تنور بر آن دردمندِ عور گذشت
شبِ سمور گذشت و شبِ تنور گذشت"

۱۶- ولهٗ

دلا! بارِ جهان، بر گردنِ جان،
به سیم و زر مشو بسیار مائل
طعامِ چرب و شیرینِ سلاطین
مرا خیزد ز بحرِ دل گهر ها

منه چندین، که چندانی نیرزد
که اینها کندن جانی نیرزد
جواب تلخ دربانی نیرزد
که هر یک زان کم از کانی نیرزد

[1] جانوری است که پوستش بغایت سفید و ملائم باشد، و از آن پوستین سازند. [2] جانوری است که مویش در نهایت نرمی و نزاکت و از پوست آن پوستینهای گران بها سازند. [3] توز نام شهری است در خوزستان و اهواز و بافندهٔ آن جا را توزی گویند. [4] نوعی از جامهٔ باریک که از پوست گیاهی بافند.

ولی با ہمّتِ اہلِ زمانه	به قیمت گوہری نانی نیرزد
دریغ ابن یمین جائی که آن جا	دو صد دانا به نادانی نیرزد

۱۷- وله

دعوی ہمّت کسی کند که اگر جان	بر لبش آید زلالِ خضر ننوشد
ور بفرستد خلیفه جامۂ زربفت	خرقه کند اختیار و جامه نپوشد
حلقه به گوشِ کسان چو سفره نگردد	در پیِ حرص و طمع چو دیگ نجوشد
خاکِ درِ خاصگانِ ملکِ قناعت	گر به دو عالم خرند ازو، نفروشد
ور به مرادش مدارِ چرخ نگردد	مرد مخوانیش که چون زنان بخروشد
جهد کند تا دلِ شکسته بجوید	در پیِ آزارِ ہیچ نفس نکوشد

۱۸- وله

با خرد گفتم "ای مدبّرِ کار!	کس به دانش چو تو نشان ندہند
چیست حکمت که از خزانۂ غیب	قوتِ یک شب به نیکوان ندہند
آنچه با جاہلان سفله دہند	با بزرگانِ خرده دان ندہند
کج روان را دہند خرمن ہا	پرِ کاہی به راستان ندہند
ابلہان را دہند گنج گہر	با ہنر پیشه نیم نان ندہند
مگسان را دہند قند و شکر	به ہمائی جزء استخوان ندہند
سفلۂ صدر، و اہلِ دانش را	به غلط ره به آستان ندہند"
عقل گفت این حدیث نشنیدی	ہر کرا این دہند آن ندہند

۱۹- وله

چه خوش بودی ای دل درین دیر فانی	که کس را به کس آشنائی نبودی
وگر زانکه بودی، به یاران همدم	فلک را سر بی وفائی نبودی
خوش است آشنائی به یاران ولیکن	چه بودی، که رسم جدائی نبودی

۲۰- قطعهٔ که سلطانِ سنجر در وقتِ فوت گفته

به زخمِ تیغِ جهان گیر و گرزِ قلعه کشای
جهان مسخّرِ من شد، چو تن مسخّر رای
بسی قلاع کشادم بیک نمودن دست
بسی مصاف شکستم به یک فشردن پای
چو مرگ تاختن آورد هیچ سود نه کرد
بقا بقای خدایست و ملک ملکِ خدای

۲۱- قطعه

چند گوئی که بداندیش و حسود	عیب گویانِ من مسکینند
گه به خون ریختنم برخیزند	گه به بد خواستنم بنشینند
نیک باشی و بدت گوید خلق	به که بد باشی و نیکت بینند

رُباعیات

خواجه عبدالله انصاری راست قدّس سرّهٗ

پیوسته دلم دم از رضای تو زند
جان در تنِ من نفس برای تو زند
گر بر سر خاکِ من گیاهی روید
از هر برگی بُوی وفای تو زند

ولهٗ

در راه خدا دو کعبه آمد منزل
یک کعبهٔ دل باشد و یک کعبهٔ گل
تا بتوانی زیارتِ دلها کن
کافزون ز هزار کعبه آمد یک دل

ولهٗ

عیب است بزرگ برکشیدن خود را
وز جملهٔ خلق برگزیدن خود را
از مردمکِ دیده بباید آموخت
دیدن همه کس را، و ندیدن خود را

سُلطان بایزید بسطامی راست قدّس سرّهٗ

خواهی که رسی بکام، بردار دو گام
یک گام ز دُنیا، دیگی گام ز کام
نیکو مثلی زده است پیرِ بسطام
"از دانه طمع ببر که رستی از دام"

ولهٗ

هر ذرّه که بر رُوی زمینی بودست
خورشید رُخی زهره جبینی بودست
گرد از رُخِ نازنینِ یارم مفشان
کان هم رُخِ خوبِ نازنینی بُودست

سلطان ابوسعید ابوالخیر راست

ای نیک نکرده جمله بدها کرده بر عفو مکن تکیه که هرگز نبود	وانگاه خلاص خود تمنّا کرده ناکرده چو کرده، کرده چون ناکرده

شیخ احمد غزالی راست

شیراز قدح باده به مستان ندهند آنجا که مجرّدان بهم می نوشند	جان باز که وصل او بدستان ندهند یک جُرعه به خویشتن پرستان ندهند

خواجه عبدالخالق غجدوانی راست

ای دل تو مطیع هیچ فرمان نشدی مفتی و فقیه و عالم و دانشمند	وز جرم و گناه خود پشیمان نشدی این جمله شدی، ولی مسلمان نشدی

شیخ عماد الدّین راست

ای دوست بیا این دلِ غمناک به بین بخرام چو سرو نازُ و صد روی نیاز	این جان فگار و سینهٔ چاک به بین در هر طرفی نهاده بر خاک به بین

شیخ ابوالوفا خوارزمی راست

در صحبتِ جاهلان گر اُفتی ای جان آری و بلی بگو سری می جنبان	خود را به جبل زچنگِ شان باز رهان در بحث مشو ورنه شوی سرگردان

وله

گر کارِ تو نیک است بتدبیر تو نیست	ور زانکه بد است هم ز تقصیر تو نیست
تسلیم و رضا پیشه کن و شاد بزی	چون نیک و بد جهان بتقدیر تو نیست

ملک الحکماء شیخ عمر خیّام راست

تا بتوانی رنجه مگردان کس را	بر آتش خشم خویش منشان کس را
گر راحتِ جاوید طمع می داری	می رنج همیشه و مرنجان کس را

وله

گفتم که دلم ز علم محروم نشد	کم بود ز نسخها که مفهوم نشد
هفتاد و دو سال فکر کردم شب و روز	عمرم بگذشت و هیچ معلوم نشد

وله

بر چهرهٔ گُل نسیم نوروز خوش است	در صحنِ چمن روی دل افروز خوش است
از دی که گذشت هرچه گوئی خوش نیست	خوش باش و ز دی مگو که امروز خوش است

وله

چندین غم مال و حسرتِ دنیا چیست؟	هرگز دیدی کسی که جاوید بزیست
این یک دو نفس که در تنت عاریت است	با عاریتی عاریتی باید زیست

وله

برخیز و مخور غمِ جهان گذران	بنشین و جهان بشادمانی گذران
در طبع زمانه گر وفائی بودی	نوبت بتو خود نیامدی از دگران

ولہٗ

ہنگام سفیدہ دم خروسِ سحری	دانی کہ چرا ہمی کند نوحہ گری
یعنی بنمودند در آئینۂ صبح	کز عمر شبی گذشت و تو بی خبری

ولہٗ

در فقر چو خاک پست می باید بود	وز بادۂ شوق مست می باید بود
اندیشہ ز بیش و کم نمی باید کرد	خرسند بہر چہ ہست ہمی باید بود

شیخ فرید الدین عطار راست

با دل گفتم: ”ز دیگران بیش مباش	رو، مرہم ریش باش، چون نیش مباش
خواہی کہ ترا از ہیچ کس بد نرسد	بدگوی و بدآموز و بداندیش مباش“

ولہٗ

تا در نرسد وعدۂ ہر کار کہ ہست	سودت ندہد یاریِ ہر یار کہ ہست
تا زحمت سرمایِ زمستان نکشد	پُرگل نشود دامنِ ہر خار کہ ہست

ولہٗ

ہر چیز کہ در جہان بدانی نیکو	حقا کہ ازان چیز جوانی نیکو
و آن ہم گذران ہست ازآن خوشتر چیست؟	با خلق خدایِ زندگانی نیکو

ولہٗ

چون ذرہ بخورشیدِ درخشان پیوست	چون قطرۂ سرگشتۂ بہ عمان پیوست
جان بود میان وی و جانان حائل	فی الحال کہ جان داد بہ جانان پیوست

و له

با مال و منال دل منه، جانِ پدر!	در فضل و هنر رنج بری اولی تر
گر کان زرت باشد و گر گنج گهر	با تو نکند وفا، مگر فضل و هنر

و له

زان قطرهٔ شبنم که نسیم سحری	از ابر جدا کرد به صد حیله گری
پس بر سرِ گل چکاند، ای رشکِ پری	حقا که هزار بار پاکیزه تری

و له

کس نیست که او شیفتهٔ روی تو نیست	سرگشته چو من از شکنِ موی تو نیست
گویند بهشتِ جاودان خوش باشد	دانم بیقین که خوشتر از کوی تو نیست

ج - از مجلهٔ آینده

۱ - زارع

پاینده باش زارعِ بدبخت رنج بر!	ای آنکه زندگانی ما در بقای تست
بدبخت خواندمت بخطا، عذرِ من پذیر	خوش بخت زیر سایهٔ همچون همای تست
در نزد خلق گرچه گدائی و بی نوا	در چشم من تو شاهی و سلطان گدای تست
یک دانه، زیر دست تو، صد دانه میشود	هر شاخهای که روید از آن، در دعای تست
دانی که خوشه از چه سر افگند بر زمین؟	شکرِ تو میگذارد و اندر ثنای تست
از قحط و از غلا نشود کارِ خلق تنگ	تا مشکلات در کفِ مشکل کشای تست
نیکی به خلق می کن و امیدوار باش	فردای رستخیز، که نیکی سزای تست

گر مردم از رضای تو غافل نشسته اند	خوشنودی رضای خدا در رضای تست
جان حقیر من نبود لائق نثار	ورنه نذر روی صدق و ارادت فدای تست

دکتر افشار

۲- فصل طرب

از کوه برشدند خروشان سحابها	غلطان شدند از بر البرز آب ها
باد بهاری آمد و بر بوستان گذشت	بگرفت زلف سنبل از آن باد، تابها
یک باره بلبلان همه در بوستان شدند	یکسر برون شدند ز بستان غرابها
دوشینه بادهای تر از سوی بوستان	بر روی ما زدند سحرگه گلاب ها
وقت سحر ز بانگ نوازنده بلبلان	بر هر کرانه ساخته بینی رباب ها
قمری چو بر چنار سوالی همی کند	بلبل ز سرو بن دهد او را جواب ها
از نیل سوده با قدری آب معصفر	زلف بنفشه راست به هر شب خضابها
هر لحظه بر هوا نگری لشکر گشن	شمشیرها کشیده برون از قرابها
چون صد هزار جام بلورین و از گون	بر آبدان ز ریزش باران حبابها
خوبان سپیده دم بسوی بوستان شدند	از بهر دیدن رخ گل با شتاب ها
گوئی دمیده هر طرف از روی لبران	در سایگاه بید به نان آفتاب ها
وقتی خوش است عاشق دلداده اکنون	در خانه داشتن نتوان با طناب ها
زین فصل با بها که کتاب زمانه است	تو اختیار فصل طرب کن ز باب ها
جز روز خرمی نبود در شمار عمر	ما بر گرفته ایم ز گیتی حساب ها
زین انقلابها که جهان راست غم مدار	کاندر پناه شاهی از این انقلابها

(محمود خان[۱] ملک الشعرا)

۱- او از شعرای دورهٔ قاجاریه بود و مداح سلاطین آن سلسله - پدرش محمد حسین خان عندلیب و جد وی فتح علی خان (مداح فتح علی خان قاجار) نیز هر دو لقب ملک الشعرا داشته اند (از آینده)

د- از ادبیاتِ ایران جدید

مؤلفهٔ استاد براؤن

(۱)

سلطنت بهرِ شهان با ظلم و ستم نپاید
تا که همت نکنی کس به رخت در نگشاید
انبیا درج نمودند مقالاتِ عدالت
علما جمله نوشتند روایاتِ عدالت

جان نثاری پی اصلاحِ وطن باید و شاید
"مرد آنست که لب بندد و بازو بگشاید"
اولیا جمله سرودند عباراتِ عدالت
گفتگو بیهُده از مظلمه امروز نشاید

"مرد آنست که لب بندد و بازو بگشاید"

(۲)

گر نظر در کارِ استبداد و مشروطه کنی
وقت استبداد می جستند سگ از بهرِ صید

فرقِ استبداد با مشروطه باشد بیشمار
گاهِ مشروطه بجویند آدمی از بهرِ کار

(۳)

اُفتاده ایم سخت به دامِ بلای گِل
گِل مشکلی شده است بهر معبر و طریق
هر گه که ابر خیمه زند در فضای شهر
گِل دل نمی کند ز خراسان و اهلِ او
گر صد هزار کفش بدرّد بپای خلق
با خضر اگر روند به ظلماتِ کوچه خلق

یا رب چو ما مباد کسی مبتلای گِل
گام رَوندگان شده مشکلگشای گِل
بر بام هر سرای بر آید لوای گِل
ای جانِ اهلِ شهر فدای وفای گِل
هرگز نمی رسند به کشفِ غطای گِل
اسکندری خورند درین چشمهای گِل

اوّل قدم که بوسه زند گل به پای ما — افتیم بر زمین، و ببوسیم پای گل
گِلها ثقیل و درهم و کوچه خراب و تنگ — آه از جفای کوچه، و داد از جفای گِل
گِل هرچه را به پنجه در آورد، وِل نکرد — صد آفرین به پنجهٔ معجز نمای گِل
از گِل زبس که خاطر و دلها فسرده است — گُل نیز بعد ازین ندمد از فضای گِل
بر روزگار خویش کنم گریه بامداد — چون بنگرم بخندهٔ دندان نمای گل
از پشت تا بشانه و از پیش تا بریش — هستند خلق یکسره غرق غطای گِل
امروز در قلمرو طوس از بلند و پست — آنجا یگه کجاست که خالی ست جای گِل
آید اگر جهاز زره پوش ز انگلینڈ — حیران شود ز لجّهٔ بی منتهای گِل
گر لای و گِل تمام نگردد ازین بلد — اهلِ بلد تمام بمانند لای گِل
شرم آیدم ز گفتنِ بسیار، ورنه باز — چندین هزار مسئله باشد ورای گِل

(ملک الشعرا بهار)

(۴)

ای خطّهٔ ایرانِ مهین ای وطنِ من — ای گشته بمهرِ تو عجین جان و تنِ من
ای عاصمهٔ دنیی! آباد، که شد باز — آشفته کنارت چو دلِ پُرحزنِ من
دُور از تو گل و لاله و سرو و سمنم نیست — ای باغ گلِ و لاله و سرو و سمنِ من
بس خارِ مصیبت که خلد مارا بر پای — بی رُوی تو ای تازه شگفته چمنِ من
ای بار خدای من! اگر بی تو زیم باز — افرشتهٔ من گردد چون اهرمنِ من
تا هست کنارِ تو پر از لشکرِ دشمن — هرگز نشود خالی از دل محنِ من
از رنج تو لاغر شده ام چونان، کز من — تا بر نشود ناله، نه بینی بدنِ من
دردا و دریغا که چنان گشتی بی برگ — کز بافتهٔ خویش نداری کفنِ من

بسیار سخن گفتتم در تعزیت تو — آوخ که نگریاند کس را سخن من
آنگاه نیوشند سخنهای مرا خلق — کز خون من آغشته شود پیرهن من
دامروز همی گویمیم با محنت بسیار — "دردا و دریغا وطن من وطن من!"

۵- اندر پرستش

یکی گیتی، یکی یزدان، پرستند — یکی پیدا، یکی پنهان، پرستند
یکی بودا[1] و آن دیگر برهمن — دگر زان موسیٔ چوپان پرستند
یکی از روی دستور اوستا[2] — فروغ و خاور رخشان پرستند
یکی ذات مسیح ناصری را — بسان حضرت سبحان پرستند
گروهی پیرو خشور[3] تازی — حدیث و سنّت و قرآن پرستند
پرستند بابی الواح و بیان را — بهائی اقدس و ایقان پرستند
فقیه آزمند از حرص و شهوت — گهی حور و گهی غلمان پرستند
چه نیرنگ است یاران مفتی شرع — مرید ابله و نادان پرستند
تهی انبان زاهد از زر و مال — قصور و کوثر و رضوان پرستند
چه گویم خود تو دانی، واعظ شهر — انین و دیدهٔ گریان پرستند
فروشد عارف اندر وحدت ذات — وجوب و جوهر و امکان پرستند
صفا جو صوفی پشمینه پوشاک — مرید و مرشد و عرفان پرستند
دل از دنیای فانی کنده، درویش — چو جغدی گوشهٔ ویران پرستند
قلندر واله از سرّ اناالحق — حشیش وحدت و قلیان پرستند
سیه شد روزگار عاشق از عشق — سواد طرّهٔ جانان پرستند

۱ گوتم بدھ - ۲ کتاب مقدس زردشتیان - ۳ پیغمبر علیه السلام

سرشک از بس فرو بارید شد کور ... هنوز او نرگسِ چشمان پرستد

تو خود دانی که مستِ باده خواره ... کباب و پستهٔ خندان پرستد

نهنگِ قلزمِ اندیشه شاعر ... گزاف و یاوه و هذیان پرستد

فغان از سردبیر روزنامه ... دروغ و مهمل و بهتان پرستد

وکیل محترم را کیش پول است ... وزیر محترم عنوان پرستد

پزشک آمد عدوِ تندرستی ... جذام و سکته و یرقان پرستد

مُنجّم سرگم اندر سیرِ افلاک ... نجوم و اخترِ گردان پرستد

دلِ پُر آرزویِ کیمیاگر ... زرِ پاکیزه و رخشان پرستد

نهد در کوره بوته در دمد دم ... پس آنگه زیبق لرزان پرستد

نماند کیش جادوگر نهفته ... ملول از آدم، و پریان پرستد

شنیدستی که رامشگر همه عمر ... نوا و نغمه و الحان پرستد

خمیده چون کمان پشتِ کشاورز ... فشانده دانه و باران پرستد

نه بیند باغبان جز کُشتهٔ خویش ... ازان رو لاله و ریحان پرستد

ندانم از چه رو فرزندِ ایران ... گه اطریش و گهی المان پرستد

شناسم جمعی از مردان آزاد ... در ایران کنده و زندان پرستد

حذر ز آئینِ خرسِ روسیِ خو ... جفا و کینه و عدوان پرستد

چرا شنی ز شاگردانِ پاریس ... دل و دین داده و نسوان پرستد

برون کرده ز دل مهرِ وطن را ... دو زلف و قامتِ خوبان پرستد

اگر پُرسی ز کیشِ پُور داؤد ... جوان پارسی ایران پرستد

۵ - از پیامِ مشرق

سرودِ انجم

هستیِ ما نظامِ ما   مستیِ ما خرامِ ما
گردشِ بی مقامِ ما   زندگیِ دوامِ ما
دَورِ فلک به کامِ ما، می نگریم و می رویم

جلوه گرِ شهود را   بُت کدۂ نمود را
رزمِ نبود و بود را   کشمکشِ وجود را
عالمِ دیر و زود را، می نگریم و می رویم

گرمیِ کارزار ها   خامیِ پخته کار ها
تاج و سریر و دار ها   خواریِ شهر یار ها
بازیِ روزگار ها، می نگریم و می رویم

خواجه ز سروری گذشت   بنده ز چاکری گذشت
زاری و قیصری گذشت   دَورِ سکندری گذشت
شیوۂ بُتگری گذشت، می نگریم و می رویم

خاکِ خموش در خروش   سُست نهاد و سخت کوش
گاه به بزمِ ناو نوش   گاه جنازۂ به دوش
میرِ جهان و سفته گوش، می نگریم و می رویم

تو به طلسمِ چون و چند   عقلِ تو در کشاد و بند
مثلِ غزاله در کمند   زار و زبون و دردمند
ما به نشیمنِ بلند ، می نگریم و می رویم

پرده چرا؟ ظهور چیست؟   اصلِ ظلام و نور چیست؟
چشم و دل و شعور چیست؟   فطرتِ ناصبور چیست؟
این همه نزد و دور چیست ، می نگریم و می رویم

بیشِ تو نزدِ ما کمی ۔   سالِ تو پیشِ ما دمی
ای به کنارِ تو یمی   ساختهٔ به شبنمی
ما به تلاشِ عالمی، می نگریم و می رویم

(سر محمد اقبال مرحوم)

و - از دیوان پروین اعتصامی

۱ - گویند عارفان هنر و علم کیمیاست

گویند عارفان هنر و علم کیمیاست / وآن مس که گشت همسر این کیمیا طلاست

فرخنده طائری که بدین بال و پر پرید / همدوش مرغ دولت و هم عرصهٔ هماست

وقت گذشته را نتوانی خرید باز / مفروش خیره کاین گهر پاک بی بهاست

گر زنده ای و مرده نه ای کار جان گزین / تن پروری چه سود چو جان تو ناشتاست

تو مردمی و دولت مردم فضیلت است / تنها وظیفهٔ تو همی نیست خواب و خاست

زان راه باز گرد که از رهروان تهی است / زان آدمی بترس که با دیو آشناست

سالک نخواسته است ز گم گشته رهبری / عاقل نکرده است ز دیوانه بازخواست

چون معدن است علم و در آن روح کارگر / پیوند علم و جان سخن کاه و کهرباست

خوشتر شوی به فضل ز لعلی که در زمی است / برتر پری به علم ز مرغی که در هواست

گر لاغری تو جرم شبان تو نیست هیچ / زیرا که وقت خواب تو در موسم چراست

دانی ملخ چه گفت چو سرما و برف دید / "تا گرم جست خیز شدم نوبت شتاست"

جان را بلند دار که این است برتری / پستی نه از زمین و بلندی نه از سماست

اندر سموم طینت باد بهار نیست / آن نکهت خوش از نفس خرم صباست

آن را که دیبهٔ هنر و علم در براست / فرش سرای او چه غم ار زانکه بوریاست

آزاده کس نگفت ترا تا که خاطرت
گاهی اسیر آز و گهی بستهٔ هواست

مزدور دیو و هیمه‌کش او شدیم از آن
کاین سفله تن گرسنه و در فکرت غذاست

تو دیو بین که پیش رو راه آدمی است
تو آدمی نگر که چه دشمنیش رهنماست

بیگانه دزد را به کمین می توان گرفت
نتوان رهید ز آفت دزدی که آشناست

بشناس فرق دوست ز دشمن به چشم عقل
مفتون مشو که در پس هر چهره چهره هاست

جمشید ساخت جام جهان بین از آن سبب
کاگه نبود از این که جهان جام خود نماست

زنگارهاست در دل آلودگان دهر
هر پاک جامه را نتوان گفت پارساست

ای دل غرور و حرص زبونی و سفلگی است
ای دیده راه دیو ز راه خدا جداست

گر فکر برتری کشی و برپری به شوق
بینی که در کجائی و اندر سرت چهاست

جان شاخه ایست میوهٔ آن علم و فضل و رای
در شاخه‌ای نگر که چه خوش رنگ میوه‌هاست

ای شاخ تازه رس که به گلشن دمیده‌ای
آن گلبنی که گل ندهد کمتر از گیاست

اعمی است گر به دیدهٔ معنیش بنگری
آن کو خطا نمود و ندانست کان خطاست

ز آن گنج شایگان که به کنج قناعت است
مور ضعیف گر چو سلیمان شود رواست

دهقان توئی به مزرع ملک وجود خویش
کار تو همچو غله و ایام آسیاست

سر بی چراغ عقل گرفتار تیرگی است
تن بی وجود روح پراگنده چون هباست

هم نیروی چنار نگشته است شاخکی
کز هر نسیم بید صفت قامتش دوتاست

گر پند تلخ می دهمت ترشرو مباش
تلخی بیاد آر که خاصیت دواست

در پیش پای بنگر و آنگه گذار پای
در راه چاه و چشم تو همواره در قفاست

چون روشنی رسد ز چراغی که مرده است
چون درد به شود ز طبیبی که مبتلاست

گندم نه کاشتیم که گشت زان سبب — مارا بجائی آرد در انبار لوبیا ست

درآسمان علم عمل برترین بر است — درکشور وجود هنر بهترین غناست

در پیچ و تاب های ره عشق مقصدیست — در موجهائی بحر سعادت سفینه هاست

قصر رفیع معرفت و کاخ مرمی — در خاکدان پست جهان برترین بناست

عاقل کسی که رنج بردشت آرزو است — خرم کسی که در ده امید روستاست

بازارگان شدستی و کالات هیچ نیست — در حیرتم که نام تو بازارگان چراست

با دانش است فخر نه با ثروت و عقار — تنها هنر تفاوت انسان و چارپاست

زآشوبهای سیل وز فریادهای موج — نندیشد ای فقیه هر آنکس که ناخداست

دیوانگی است قصهٔ تقدیر و بخت نیست — از بام سرنگون شدن و گفتن این قضاست

آن سفله که مفتی و قاضی است نام او — تا پود و تار جامه اش از رشوه و ریاست

گر درهمی دهند بهشتی طمع کنند — کو آنچنان عبادت و زهدی که بی ریاست

جان را هر آنکه معرفت آموخت مردم است
دل را هر آن که نیک نگهداشت پادشاست

۲- گفتار و کردار

به گربه گفت ز راه عتاب شیر ژیان — "ندیده ام چو تو هیچ آفریده سرگردان

خیال پستی و دزدی ترا برد همه روز — بسوی مطبخ شه یا به کلبهٔ دهقان

گهی ز کاسهٔ بیچارگان بری کبیبا — گهی ز سفرهٔ درماندگان ربائی نان

زترکتازیِ تو مانده بیوه زنِ ناهار — زحیله سازیِ تو گشته مطبخی نالان
چرا زنی رهِ خلق ای سیه‌دل از پیِ هیچ — چه پُر کنی شکم ای خودپرست چون انبان
برای خوردنِ کشک از چه کوزه می‌شکنی — قصابه پیرزن آن را فروختنست گران
به زخمِ قلبِ فقیران چه کس نهد مرهم — وگر برند خسارت چه کس دهد تاوان
کُمن سیاه سر و گوش و دُم به تابهٔ دیگ — سیاهیِ سر و گوش از سیه‌دلی است نشان
نه ماست مانده ز آزت بخانهٔ زارع — نه شیر مانده ز جورت به کاسهٔ چوپان
گهت ز گوش چکانند خون گاه از دُم — شبی ز سنگ رسدت فتنه روزی از دربان
تو از چه ملعبهٔ دستِ کودکان شده‌ای — بچشم من نشود هیچ کس ز بیم عیان
بیا به بیشه و آزاد زندگانی کن — برایِ خوردن و خوش زیستن بکن جدان
شکارگاه بسی هست و صید خفته بسی — بشرطِ آنکه کنی تیز پنجه و دندان
مرا فریب ندادست هیچ شب گردون — مرا زبون ننمودست هیچ روز انسان
مرا دلیری و کار آگهی بزرگی داد — به رایِ پیر توانیم داشت بخت جوان
زمانه ام نه فکندست هیچ گاه بدام — نشانه ام ننمودست هیچ تیر و کمان
چو راه بینی و ره رَو تو نیز پیشتر آی — چو هست گویِ سعادت تو هم بزن چوگان"
شنید گربه نصیحت ز شیر و کرد سفر — نمود در دل غاری تهی و تیره مکان
گهی چو شیر بغرید و بر زمین زد دُم — برای تجربه گاهی به گوش داد تکان
بخویش گفت کنون کز نژاد شیرانم — نه شهر، وادی و صحرا بود مرا شایان
برون جهم ز کمین گاه وقتِ حمله چنین — فرو برم به تنِ خصم چنگِ تیز چنان
نبود آگهیم پیش از این که من چه کسم — بوقتِ کار توان کرد این خطا جبران

چو شد ز رنگ شبِ آن دشت هولناک سیاه
تنش بلرزه فتاد از صدای گرگ و شغال
گهی درخت در افتاد و گاه سنگ شکست
ز بیمِ چشمِ زحل خونِ ناب ریخت بخاک
درِ تنور نهادند و شمعِ مطبخ مُرد
شبان چو خفت برآمد ببامِ آغل گرگ
گذشت قافله‌ای کرد ناله‌ای جرسی
شغالِ پیر به اُمیدِ خوردنِ انگور
خزید گربهٔ دهقان به پشتِ خیک پنیر
ز کنجِ مطبخِ تاریک خاست غوغائی
پلنگِ گرسنه آمد ز کوهسار بزیر
شنید گربهٔ مسکین صدای پا و ز بیم
ز فرطِ خوف فراموش کرد گفتهٔ خویش
نه ره شناخت نه‌اش پائی راه رفتن ماند
نمود آرزوی شهر و در اُمیدِ فرار
گذشت گربگی و روزگار شیری شد
به ناگهان زِ کمین گاهِ خویش جست پلنگ
به زیرِ پنجهٔ صیّاد صیدِ نالان گفت
بشهر گربه و در کوهسار شیر شدم

نمود وحشت و اندیشه گربه را ترسان
دلش چو مُرغ تپید از خزیدنِ ثعبان
زدند بادِ حوادث ز فتنهٔ طوفان
چو شاخِ بید بلرزید زهرهٔ رخشان
طلوع کرد مه و ماند در فلک حیران
چنین زنند ره خفتگانِ شب دزدان
بدستِ راهزنی گشت رهروی عریان
بجست بر سرِ دیوارِ کوته بُستان
زدند تا که در انبار موشکان جولان
مگر که روبهکی بُرد مُرغکی بریان
بسوی غار شد اندر هوای طعمه روان
ز جای جست که بگریزد و شود پنهان
که کار باید و نیرو نه دعوی و عنوان
نه چشم داشت فروغ و نه پنجه داشت توان
دمی به روزنهٔ سقفِ غار شد نگران
ولیک شیر شدن گربه را نبود آسان
برانِ گربه فرو بُرد چنگِ خون افشان
"بدین طریق بمیرند مردمِ نادان
خیالِ بیهده بین باختم درین ره جان

زخود پرستی و آزم چنین شد آخر کار — بنای سست بریزد چو سخت شد باران

گرفتم آنکه به صورت بت شیر می مانم — ندارم آن دل و نیز همین بسم نقصان

بلند شاخه بدست بلند میوه دهد — چرا که با نظر پست برتری نتوان

حدیث نور تجلّی به نزد شمع مگوی — نه هر که داشت عصا بود موسیٔ عمران

بدان خیال که قصری بنا کنی روئی — به تیشه کلبهٔ آباد خود مکن ویران

چراغ فکر دهد چشم عقل را پرتو — طبیب عقل کند درد آز را درمان

به بین ز دست چه کار آیدت همان میکن — مباش همچو دهل خود نما و هیچ میان

بهل که کان هوا را نیافت کس گوهر — مرو که راه هوس راند ید کس پایان

چگونه رام کنی توسن حوادث را — تو خویش را نتوانی نگهداشت عنان

منه گرت بصری هست پای در آتش
مزن گرت خردی هست مشت بر سندان

ز۱- از کتاب سخنوران ایران

۱- قطعه

دانائی و تدبیر ز انفاق و کرم به	انفاق و کرم نیز ز دینار و درم به
تا نیک ببخشند و بپوشند و ننوشند	دینار و درم در کف اصحاب کرم به
شمشیر و قلم حامی ملکند به تحقیق	امّا دل بیدار ز شمشیر و قلم به
در مذهب من ساده دروغی نسزاوار	زان راست که باور نشود جز به قسم به
دستی که پی آز و طمع تیغ ستم آخت	گر زانکه ببرند به شمشیر ستم به
انگشت خموشی بلب خویش نهادن	از آن که به خائی به لب انگشت ندم به

در محضر ارباب هنر همچو امیری	(امیری)
گر هیچ نگوئی سخن از لاؤ نعم به	

۲- قطعه

این قطعهٔ شیوا متضمّن مضمونی است که سعدی فرماید

(تربیت نااهل را چون گردگان برگنبد است)

شنیده ام که شهی با وزیر خود میگفت	که علم و فضل کلید خزانهٔ هنر است
درخت تلخ ز پیوند تربیت در باغ	به میوهٔ شکرین جاودانه بارور است

وزیر گفت سرشتِ ستوده باید از آنک　　بکور دادن آیینه جهد بی ثمر است
مسلّم است که هیچ اوستا نیارد ساخت　　برنده جوهری از آهنی که بدگهر است
چو این شنید ملک در خفا بحاجب گفت　　مرا بدستِ تو کاری شگرف در نظر است
پیٔ تدارکِ این کار گربهٔ باید　　که بسته بر قدم همتِ تو ناموراست
برفت حاجب و فی الفور گربهٔ آورد　　که هر که دیدش گفتی نه گربه شیر نر است
ملک بکارکنان گفت کش بیاموزند　　صنایعی که نهان در طبایعِ بشر است
به یک دو هفته چنان شد که حاضران گفتند　　یکی ز آدمیان در لباس جانور است
سپس بخواست شهنشه وزیر را و بگفت　　به بین جانوری کز بشر بلندتر است
به بین بگربه که در پیشِ تختِ من برپای　　ستاده شمع بکف از غروب تا سحر است
رها نموده عنانِ طبیعت از تعلیم　　گسسته بندِ شباهت ز مادر و پدر است
وزیر گفت کلامِ شه است شاه کلام　　دل ملوک به فرمانِ حیّ دادگر است
ولی به تربیتِ گربه غرّه نتوان بود　　که چون سرشت مساعد نه تربیت هدر است
سرشتِ تلخ چو دارد درخت گر آبش　　ز جویٔ خلد دهی تیره رنگ و تلخ بر است
ملک بپاسخ وی گفت طرح معقولات　　قبیح دان چو مخالف به حس و با نظر است
دلیلِ عقل اگر بر هوا کند پرواز　　چو شد مخالفِ حس و نظر شکسته پر است
به بین به گربه و صحبت بنه که انکارت　　درین قضیه چو انکارِ ضو در قمر است
در این میانه ز سوراخ خانه موشی جست　　که گربه موش چو بیند ز هوش بی خبر است
فگند گربه ز کف شمع را و در پیٔ موش　　دوید هر سو چنانکه خویٔ جانور است
فتاد شعلهٔ آتش ز شمع در ایوان　　چنانکه گفتی ایوان تنور پُر شرر است

برهنه پای شد اندر گریز و خاصانش — یکی فتاده ز ایوان یکی دوان ز در است

وزیر دامنش اندر گرفت و گفت "شها — ببین که تربیت بدسرشت بی اثر است

به تربیت نشود گربه آدمی زیرا — سرشت گربه دگر طبع آدمی دگر است

نه زر توان بر از سنگ و آهن و پولاد — نه آهن آید از ان سرزمین که کان زر است

کسی شکر ز نیء بوریا طمع نکند — بصورت ارچه نیء بوریا چو نیشکر است

حکایت پسر پاره دوز در صف روم — طراز صفحهء تاریخ و دفتر سیر است

درین قضیه به بوزرجمهر و نوشروان — بخشم رانده حدیثیکه در جهان سمر است

چه گفت گفت به ناپاک زاده تکیه مکن — که اصل فتنه و بیخ فساد و کان شر است

نعوذ بالله اگر سفله بجاه رسید — عدوی شهری و دهقان بلائی خشک و تر است

چو باد وسیلهء فکرت زمام بخت گرفت — پیء هلاک بزرگان قوم ره سپر است

به اصل تیره بود تربیت چو نقش بر آب — ولی به لوح مصفا چو نقش بر حجر است

براه مرو چه خوش گفت کاروان سالار — که استر ارچه چو اسب است از نتاج خر است

اگرچه گاو و خران را دو شاخ تیز بدی — سرین هیچ کس از زخم نابکار تر است

تو ای بچاه طبیعت فتاده یوسف وار — بیا که تاج ملوکت در انتظار سر است

برآ ز چاه طبیعت که با چنین مالک — بمصر عالم فوق الطبیعة سفر است

درون مهد طبیعت غنوده شب و روز — دلائلت همه ذوقست و سمع یا بصر است

طبیعت این در و پیکر بهم چنان پیوست — که خود تو گوئی استاد هر دو دگر است

زما وراء طبیعت خبر نداری هیچ — درون خانه چه داند کسی که پشت در است

ح - از سخنوران دوران پهلوی

۱- قناعت

هنر و فضل اگر مایهٔ جاه و خطر است — بی هنر از خطر و جاه چرا بهره ور است

سفلگان بهره ور از نعمت و ناز اند ولی — قوتِ مردانِ خردمند زخونِ جگر است

شهره بودن به هنر علتِ دانائی نیست — ای بسا مردمِ نادان که بدانش سمر است

هر که را دولتِ دنیائیِ دنی دست نداد — فارغ از هر غم و آسوده ز هر دردِ سر است

خرّم و دل خوش و سرسبز بود در همه عمر — آن تهی دست که چون سروِ سهی بی ثمر است

بیشتر هر که شد از مالِ جهان کام روا — غالب آنست که حرص و طمع اش بیشتر است

مفلسی را که بلند است نظر، در برِ من — برتری در شرف از منعمِ کوته نظر است

روزِ نو روزیِ نو چون رسد از خوانِ کرم — خواجه این گونه چرا در طلبش دربدر است

هر که را گنجِ قناعت بود و عزّتِ نفس — در نظر خوارتر از خاکِ رهش سیم و زر است

ملکتِ دنیا و آن نعمت و نازی که در وست — در برِ نعمتِ عقبی چو نهی مختصر است

عبرت آن را به خوشی میگذرد عمرِ عزیز — که ز اوضاعِ جهانِ گذران بی خبر است

(عبرت نائینی)

۲- صبح روستائی

(۱)

صبح است و هوا لطیف و خورشید — از قلهٔ کوه سر بدر کرد
طومار سیاه شب به پیچید — گیتی را سر بسر خبر کرد
هر کس هر جا ز خواب جنبید — بر صفحهٔ آسمان نظر کرد
دید اوّل صبح وقت کار است

دیگر اثری ز ظلمتِ شام — نبود به جهان بقدرِ یک مو
دُنیایِ پُر از سکوت و آرام — یک مرتبه گشت پُر هیاهو
افرادِ بشر ز خاص تا عام — بستند کمر پیِٔ تکاپو
گیتی از نو به جُنبش آمد

هر موجودی ز کون بنگر — سرگرمِ تنازُعِ بقا هست
ذی رُوح نمانده است دیگر — جُز بهرِ بقا به دست و پا هست
القصّه رسیده صبح و از سر — بس فتنه و شور و شر بپا هست
بشنو این جا ز روستائی

(۲)

با رُوحِ نشیط و خاطری شاد — داسش بکف و برون شد از دِه
رُو جانبِ کشتِ زار بنهاد — شد حاضرِ کارِ خرده خرده
از سبزه و آب و کاج و شمشاد — این حاصلِ خشک زرد کرده
خوش منظره تر برای او بُود

از پشتِ سرش به بین که باهم — مرد و زنِ دِه همه روانند
اطفالِ صغیر شاد و خرّم — از پیشا پیش شان دوانند
این دسته میانِ نسلِ آدم — ز آلایش پاک و پاک جانند
با عصمت محض و بی حجابند

اینک همگی ز ره رسیدند — مردان و زنان ز پیر و برنا
چون حاصل دست رنج دیدند — نشناخته هیچ دست از پا
مردان همه داسها کشیدند — زن نیز شد به کار مهیّا
یکباره درو شروع گردید

مردانِ عمل عرق زِ رخسار — می ریزد شان چو آب جاری
زنها همه نیز حاضرِ کار — با مردانِ شان نموده یاری
خورشید هم از سپهرِ دوّار — آنگونه کند شراره باری
کز لطف هوای صبح اثر نیست

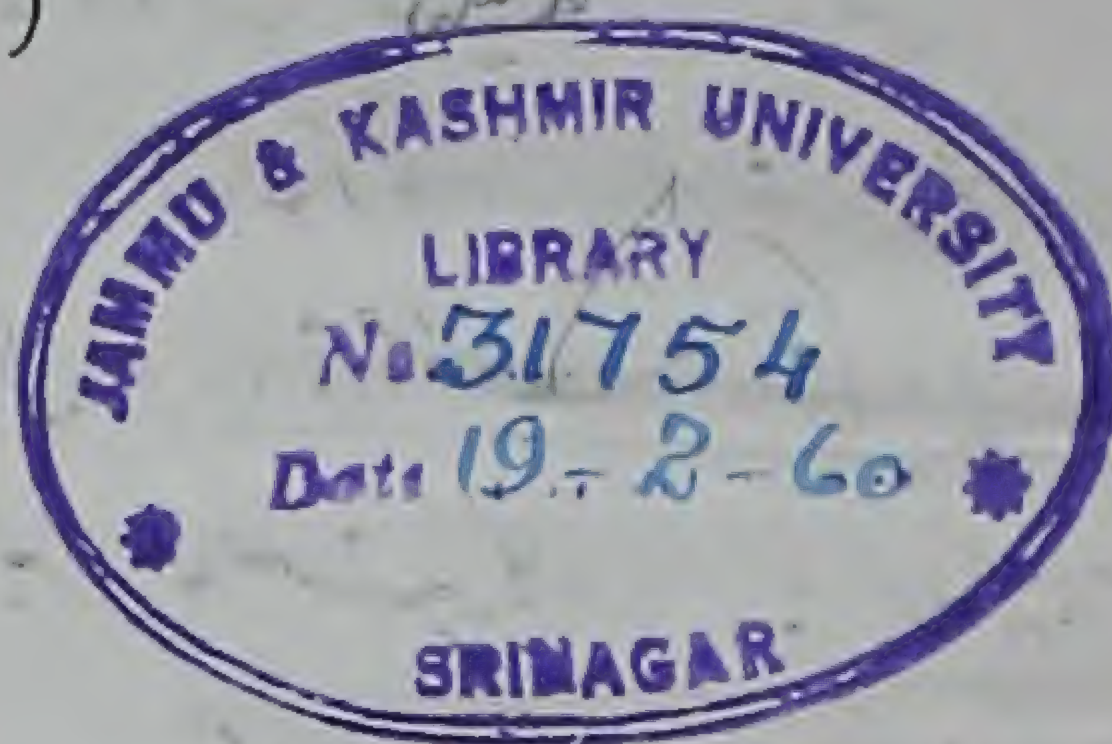
(۳)

عصر است و هوا نه گرم و نه سرد — صحرا زده طعنه ها به گلشن
کردند کمک بهم زن و مرد — شد حاصل شان تمام خرمن
نه دیده ز کار رنج و نه درد — با پاکیِ روح و قوتِ تن
سرگرم به کارِ خویش هستند

زود است که مهرِ عالم افروز — در جیب اُفق فرو برد سر
وقت است که شام گردد این روز — آن گونه که دیده ای مکرّر

گاہ است کہ شاد کام و فیروز　　از کار کشیدہ دست یکسر
آئید بسوی دِہ ز صحرا
القصّہ بہ مردِ رُوستائی　　زن ہست شریکِ زندگانی
در ذلت و فقر و بینوائی　　با عیش و سرود و کامرانی
نبود بمیانِ شان جُدائی　　دارد سببی کہ تو ندانی
من ہم کہ نمی توان بگویم

(آزاد شیرازی)



باہتمام لالہ موتی رام منیجر مفید عام پریس واقع چیٹرجی روڈ لاہور میں چھپا اور
رائے بہادر لالہ ایشر داس صاحب ایم اے رجسٹرار
پنجاب یونیورسٹی کچہری روڈ لاہور نے شائع کیا
۱۹۳۸ء

SAFINA-I-ADAB

EDITED BY

KHAN SAHIB FAZL-I-HAQQ, M.A., P.E.S.,
Government College, Lahore.

FOR THE UNIVERSITY OF THE PANJAB



PRESCRIBED BY

THE UNIVERSITY OF THE PANJAB

FOR

THE INTERMEDIATE EXAMINATION

Published by the Registrar, Panjab University, Lahore.

1939

1st *Edition.* *Price Rs.* 2-12-0.

درس منشی

(۱) گلستان

(۲) مفید ادب نثر و نظم

(۳) مناجات

(۴) معین ادب

(۵) آخری یادگار بادشاہ ختم ... ی

(۶) وقائع عالمگیر

(۷) ادبیات نو لی = نثر و نظم

(۸) مسلم الادب = نثر و نظم

(۹) قواعد عربی

(۱۰) مصباح القواعد

(۱۱) ... = ۲ نو ... دہم

(۱۲) تاریخ ہند = ۲ الباب اول دوم

[illegible]

۹۔۱۲

(۱۳) شہرت و معاش

(۱۴) ہمارا ہندوستان

(۱۵) رحمتِ عالم

(۱۶) جغرافیہ ممالک دنیا

۱۷

۱۸

۱۹

۲۰

M. Ali Khan